

JAMIA COLLEGE



JAMIA MILLIA ISLAMIA
NEW DELHI
LIBRARY

Class No

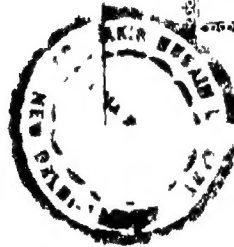
11-89

Book No.

161 T

Accession No

14-27



161 T Rari
16079

11-49

Kaul

Call No. 1415

Acc. No. 1419

~~24 MAR 1981~~ ✓

~~24 MAR 1981~~ ✓

~~- 7 APR 1981~~

مطبوعات مکتبہ ابراہیمیہ

اُردو شہ پائے

جلد اول

جہیں
اُردو ادب کے آغاز سے ولی کے زمانہ
کے

شاعروں اور شہ نگاروں کے شہ کاروں
سے

اہم اور دلچسپ انتخاب
پیش کئے گئے ہیں

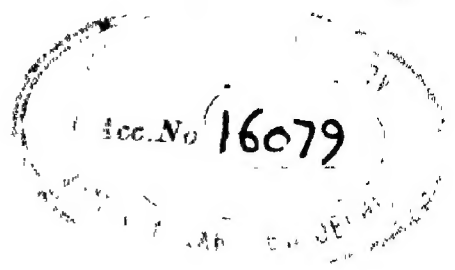
مُتَبِعہ

ڈاکٹر سید محی الدین قادیانی

ام اے پی ایچ ڈی (لنڈن)

۱۹۲۹ء

نہج
ہندوستان کا ادب



اُردو شہ پارے

مدیر عسکری ڈاکٹر سید محی الدین قادری ام لے پی ایچ ڈی

جلد اول

ابتداء سے ادب اُردو سے ولی تک



ڈاکٹر سید محی الدین قادری ام لے پی ایچ ڈی

مرتب

جلد دوم

ولی سے حالی تک

مولوی سید محمد صاحب ام لے

مرتب

جلد سوم

حالی سے موجودہ زمانہ تک

مولوی عبد القادر صاحب ام لے

مرتب



انتساب

— بہ —

ڈاکٹر سر حیدر نواز جنگ بہادر ال ال ڈی

SV02

ہندوستان کے اردو ادبیات کا مرکز

عام فہرست

۶	مقدمے کے ضمیمے - ۳۳۷	۱۔ فہرست تصاویر	
۱	دور اول کے مصنفین اور ان کے کارنامے ۳۳۹	۲۔ دیباچہ	
۲	باب اول کی علیہیات ۳۴۰	۳۔ مقدمہ	
۳	بیجا پوری مصنفین اور ان کے کارنامے ۳۴۱	۴۔ باب اول اردو ادب کی ابتدائی کوششیں صفحہ ۵	
۴	باب دوم کی علیہیات ۳۴۳	۵۔ ب۔ باب دوم۔ اردو ادب بیجا پوری میں ۲۱	
۵	گولکنڈہ کے مصنفین اور ان کے کارنامے ۳۴۵	۶۔ ج۔ باب سوم۔ اردو ادب گولکنڈہ میں ۴۶	
۶	باب سوم کی علیہیات ۳۴۷	۷۔ باب چہارم۔ اردو ادب مغلوں کی حکومت میں ۱۲۳	
۷	چوتھے باب کے مصنفین اور ان کے کارنامے ۳۴۸	۸۔ شہ پاروں کی فہرست	
۸	ایڈنبرا کی بیاض کے مرثیہ نگار ۳۵۰	۱۔ بلحاظ مضامین ۱۷۷	
۷	اردو ادب سے متعلقہ مبین - ۳۵۲	۲۔ بلحاظ مصنفین ۱۸۰	
۸	اضافے - ۳۵۷	۵۔ اردو شہ پارے	
۹	اشاریہ	۱۔ نظم ۱۸۹	
		۲۔ نثر ۲۱۷	

فہرست تصاویر

آغاز کتاب	۱	قطعہ اول
تقابل صفحہ ۵۱	۲	علی عادل شاہ دوم
۸۵	۳	قطعہ دوم
۱۱۵	۴	سید شاہ راجو
۱۱۹	۵	قطعہ سوم
۲۲۳	۶	ابوالحسن تانا شاہ
۱۹۲	۷	محمد قلی قطب شاہ
۲۴۸	۸	عبداللہ قطب شاہ
۲۱۹	۹	قطعہ چہارم
۴۲۳	۱۰	غواصی
۲۲۷	۱۱	ابن نشا طمی

دیس

مقدمہ

جس میں
ابتدائی کوششوں سرولی کے زمانہ تک

کے
اُردو شہ پاروں کے مصنفین اور اُن کے کارناموں

پر
ایک سرسری تاریخی نظر ڈالی گئی ہے

تہمید

یہ مقدمہ اس مقصد سے نہیں لکھا گیا ہے کہ اس دور کی ایک مکمل ادبی تاریخ پیش کی جائے۔ یہ اس شخص کا کام ہوگا جو ادبیات اردو کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے۔ یہاں صرف یہ دکھانا مد نظر ہے کہ اس جلد میں جو شے پارے پیش کئے گئے ہیں ان کی تخلیق کس زمانہ میں، کن باتوں سے، کس ماحول میں اور کس طریقہ پر عمل میں آئی۔ اس سلسلہ میں بعض ایسے مصنفین کا بھی ذکر کر دینا پڑا جن کا کام موجود نہیں ہے یا جن کے انتخابات اس میں درج نہیں بعض دیگر معلومات کی کمی کی بنا پر نہایت اختصار سے کام لینا پڑا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اگر زیادہ کد و کاوش اور تحقیق و تفتیش کی جاتی تو کئی جگہوں پر اضافہ کرنا پڑتا لیکن اس کتاب کی بساط کے مد نظر اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ تاہم شاعروں اور کتابوں کے متعلق جو کچھ حالات لکھے گئے ہیں وہ (سوائے چند معمولی اور غیر معروف چیزوں کو چھوڑ کر) راقسم کی ذاتی تحقیق و تفتیش اور اصلی ماخذوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اس بات کی حقی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ سنی سنائی اور غیر مستند تحریروں پر بھروسہ نہ کیا جائے۔

مقدمہ چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل ہے:-

باب اول۔ اردو ادب کی ابتدائی کوششیں۔

باب دوم۔ اردو ادب بیجا پور میں

باب سوم۔ اردو ادب گولکنڈہ میں

باب چہارم۔ اردو ادب مغلوں کی حکومت میں

بابِ اَوَّل

اُردو ادب کی ابتدائی کوششیں

فہرست

۱۔ اُردو ادب شمالی ہند میں

صفحہ ۹	تمہید
۹	سعود سلمان
۱۰	خسرو

ب۔ گجرات میں

صفحہ ۱۱	تمہید
۱۳	بہار الدین باجن
۱۴	شاہ علی غلام دہنی
۱۵	شیخ خواجہ محمد

ج۔ دکن میں

صفحہ ۱۸	تمہید
۱۹	عین الدین گنج العسل
۲۰	خواجہ بہمن شاہ نواز
	عبد اللہ حسینی

اردو کے لسانی اور صوتی پہلوؤں پر کام کرنے کے سلسلے میں مجھے لندن، اکسفورڈ، کیمبرج، پیرس اور
 اڈنبرا کے کتب خانوں میں اکثر ایسی سلی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا جو مسلمانوں کے قلم سے ہندوستان میں آنے کے بعد
 ان زبانوں میں لکھی گئیں جو ہندو مسلم ربط مضبوط سے پیدا ہوئی تھیں اسی ضمن میں قدیم اردو ادب کی کتابیں بھی نظر سے
 گزریں، اور ساتھ ہی اس بات کا خیال پیدا ہو گیا کہ کسی طرح سے کیوں ہنوز صحت نکال کر اس تمام ادبی ذخیرہ کے تقریباً
 حصوں کا انتخاب جمع کر لیا جائے تاکہ آئندہ اردو دستہ پاردل کے طور پر کوئی مجموعہ اردو دانوں کی خدمت میں پیش کیا جاسکے
 جن کتابوں سے یہ انتخابات اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کے شاید دنیا بھر میں صرف ایک
 ہی نسخہ ہوں اور اکثر ایسی ہیں جو اپنی اعلیٰ ادبی خصوصیات کے مد نظر مکمل طور پر شائع کئے جانے کی ترقی ہیں۔ لیکن تو
 کسی کے یہاں اتنا وقت ہے کہ ان سب کو نقل کر لے اور نہ کہیں ایسا سرمایہ جو ان کو شائع کر سکے ممکن ہے کہ ایک
 زمانہ وہ بھی آئے جب کہ ہمارے اسلاف کے یہ سب ادبی شہ کارے شائع ہو کر منظر عام پر آسکیں لیکن اس عمر
 محدود مدت کے انتظار کی گھڑیاں شاید ہی کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آسانی سے گزار سکتا ہے۔

اگرچہ ابتدا کرتے وقت دلچسپی کی وجہ سے انتخاب کرنے کا کام مجھے مشکل نہیں معلوم ہوا، لیکن جب ایک ایک
 نسخہ کو شروع سے آخر تک کئی کئی دفع پڑھنے کی ضرورت ہونے لگی اور قدامت زبان کی پیچیدگیوں اور کتابت کی
 غلطیوں نے پریشان کر دیا تو بار بار طبیعت چاہتی تھی کہ خیال ترک کر دوں لیکن کام کی اہمیت اور ادبی ذوق
 گوارا نہ کیا کہ اس ضروری علمی خدمت سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ بعض قلمی کتابیں ایسی ہیں جن میں مصنف کا نام
 سنہ تصنیف اور زمانہ کتابت، کا پتہ لگانا پڑا دشوار تھا ایسی کتابوں کے مطالعہ میں زیادہ محنت کرنے کی
 زحمت ہی نہ کرتا اگر ان کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے ان سے انتخاب لینے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی بعض کتابیں
 ایسی تھیں جن کے اعلیٰ درجہ کی ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن بے التفاتی سے وہ ایسے خراب خط میں لکھی گئی تھیں کہ
 ان کی ساری ادبی شان ملیا میٹ ہو گئی۔ ایسی کتابوں کے اگر ایک سے زیادہ سلی نسخے ملے تو ان کا مقابلہ کے
 ایک صحیح انتخاب حاصل کر کے کا درجہ صحیح نقل لینے میں بڑی دقت اٹھانی پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ اس انتخاب میں بعض
 ایسے شعر بھی ملیں گے جن میں چند الفاظ غائب ہیں یا اگر موجود بھی ہیں تو ان کا مفہوم واضح نہیں۔

انتخاب کے ساتھ ہی مجھے کتابوں اور ان کے مصنفوں کے حالات بھی جمع کر لینے پڑے جو مقدمہ کے نیا۔ ابواب میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس کام کی خاطر مہینوں، عادل شامیوں، اور قطب شامیوں کے عہد کی تاریخوں اور تذکروں کے قلمی نسخوں کی چھان بین کی گئی۔ چنانچہ جن جن کتابوں سے مدد ملی ان کی فہرستیں بھی منسلک میں دے کر دی گئی ہیں۔

اس دوران میں مجھے دو قلمی نسخوں میں غواطمی ابن نشاطی کی تصویریں بھی ملیں۔ عبداللہ قطب شامی کی ایک تصویر ملی جو اس کی دوسری موجودہ تصویروں کے مقابلہ میں اس لئے اہم ہے کہ یہاں کی تمام تصویریں اس کے بڑھاپے کے زمانہ کی ہیں اور یہ تصویر بالکل غنصوان شہاب کی ہے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے حکام بالاسے اجازت لیکر میں نے ان تینوں تصویروں کے فوٹو تراوے اور اب یہ تصویریں اس مجموعہ انتخابات میں شامل ہیں۔

قدیم اردو ادب اگرچہ زبان کی قدامت کی وجہ سے موجودہ نسلوں کے لئے شاید کچھ کم دلچسپی کا باعث بن سکتا ہے لیکن اس مطالعہ کے بعد اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اردو زبان اس قدر تہیاب نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ نیز آج سے تین سو برس پہلے بھی وہ اس اہل تھی کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کیجانی تھی اور شکل سے شکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل سلجھائے جاتے تھے۔ شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں جو اس خزانہ میں موجود نہ ہو، بزم اور بزم دونوں کی تصویریں جس خوبی کے ساتھ اس زمانہ میں دکھائی گئیں بعد کے ادیبوں میں سولے یلٹریس اور میر حسن کے کوئی دوسرا ان کی نظیر میں نہ پیش کر سکا۔ انوس تو اس بات کا ہے کہ بعد کے مصنفوں نے قدیم شاعروں کی تقلید بھی نہیں کی۔ وہ غزل کے دلدل میں ایسے پھنس گئے کہ کسی دوسری صنف شاعری تک ان کی رسانی دشوار ہو گئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالی کے زمانہ تک ہمارے یہاں طویل اور مسلسل نظمیں کا فقدان رہا۔ اور حالی کے بعد جب اس کا احساس پیدا ہوا تو اچھے شاعروں کی کمی ہو گئی، جو حالی کی تقلید میں اعلیٰ اعلیٰ ادبی کارنامے پیش کر سکتے۔

ان انتخابات میں ادبیت کا سب سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ انیس تیار پنج واریکے بعد دیگرے مرتب کر کے اردو زبان اور ادب کا ارتقاء دکھایا جائے چنانچہ صرف اس کی خاطر بعض انتخاب ایسے بھی شامل کر لئے گئے ہیں جن میں کوئی زیادہ ادبیت نہیں ہے ساتھ ہی ان مجموعہ کے بعض مضامین ایسے نکلیں گے جو دنیا کی اکثر زبانوں کے اعلیٰ ادب کے پہلو بہ پہلو رکھے جاسکتے ہیں۔

کام کے آغاز کے ساتھ ہی مجھے خیال بھی پیدا ہوا کہ اس طرز پر اردو کے بعد کے دوروں کے ادبی کارناموں سے بھی انتخابات کئے جاسکتے ہیں اور اس کی ضرورت بھی ہے چنانچہ میں نے اس پر ورے کام کو

۳
 تین جلدوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلی جلد، ابتدا سے دلی تک، دوسری، دلی سے حالی تک، اور تیسری حالی سے موجودہ زمانہ تک۔ لیکن چونکہ جو کام ایک سے زیادہ آدمیوں کی مشترک محنت اور توجہ سے زیادہ خوبی اور سرعت کے ساتھ انجام پا سکتا ہے اس کو صرف ایک ہی شخص تک محدود رکھنا انتہائے خود غرضی نہیں لئے جب میں نے جان پہچان کے اردو انشا پردازوں کی خدمت میں اس امر کی درخواست کی کہ اور ادیبان جو دوسری اور تیسری جلدوں کو جلد سے جلد مرتب کر لیں تو مولوی عبدالقادر صاحب سروری ام سے، ال ال بی، اور مولوی سید محمد صاحب ام سے نے اپنے ادبی ذوق اور کام کرنے کے شوق کی خاطر اس کام کو اپنے ذمہ کر لیا۔ وہ نواز انشا پرداز جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور دہلی کی کتابیں اس وقت اردو میں مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ سروری صاحب دنیا سے افانہ کے مصنف ہیں کلیہ جامعہ عثمانیہ میں کی مددگار پروفیسری کی خدمات انجام دینے کے علاوہ حیدرآباد کی شہور دار الاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ کے سالہ "مجلد مکتبہ" کے دو سال سے مدیر ہیں۔ سید صاحب ارباب نثر اردو کے مصنف ہیں۔ سٹی کلج میں اردو پڑھاتے ہیں اور ساتھ ہی مکتبہ ابراہیمیہ کے اہم شعبہ دار الاشاعت کے ذمہ دار ہیں۔ اس لحاظ سے ان دونوں حضرات کو ادب اردو سے رات دن سابقہ بڑا تعلق ہے اور یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ایسے واقف کار اور با مذاق ادیبوں نے باوجود اپنی منہ مشغولیتوں کے اردو انتخابات کے اہم اور محنت طلب کام کو اپنے ذمہ لے لیا ہے ان کی علی سرگرمیوں کا جہاں تک مجھے علم ہے اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ یہ کام نہایت خوبی کے ساتھ بروقت تکمیل کو پہنچ سکے گا۔

گزشتہ ماہ جب میں جھڑیوں میں ہندوستان آیا تو یہ سارے انتخابات ساتھ تھے یہاں آئیے بعض احباب کی رائے پر مجھے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے متعلق اپنے اصل خیال کو بدل دینا پڑا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کو یورپ ہی میں ایک انگریزی مقدمہ کے ساتھ ننھی ٹائپ کے حروف میں چھپواؤں لیکن جب یہاں چند کرم فرماؤں نے اس کی خوبی طباعت اور صحت معجزہ کے اہتمام کی ذمہ داری بھی لے لی تو مجھے سپردم تو مایہ خویش رہا کہتے ہوئے سارا کام انہی ہاتھوں میں دینا پڑا ساتھ ہی مقدمہ اور ضمیموں وغیرہ کا اردو ترجمہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی وقت کم تھا اور کام زیادہ لیکن میں شکر گزار ہوں ایک دو دوستوں کا جنھوں نے اس کام میں میری خاطر خواہ مدد فرمائی۔ ابوالکار فاضل صاحب صدیقی بی، اے جن کے علمی اور ادبی مضامین اس وقت تک ہندوستان کے اردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور جدید سائنس کے متعلق جن کی ایک دلچسپ کتاب قریب میں شائع ہونے والی ہے اس خصوص

۴
میرے شکر یہ کے خاص طور پر متختی ہیں۔ مولوی سید محمد صاحب ام لے اور فاضل صبح الدین صاحب
بی لے کا بھی اس بارے میں شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے۔

یورپ کے کتب خانوں سے میں نے جو انتخابات فراہم کئے تھے ان میں حیدر آباد آنے کے بعد
چند اور اصناف بھی کئے گئے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہاں کے امراء کے خانگی کتب خانوں میں قدیم اردو کی بعض
ہنایت نایاب کتابیں موجود ہیں لیکن ابھی ان کا عام طور پر علم نہیں ہے میں نے حتی الامکان کوشش کی
کہ ان تک رسائی حاصل کروں۔ اگرچہ میرے ڈیڑھ دو ماہ کے قیام کے زمانہ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ پوری طرح
کا میاابی ہوتی تاہم جو کچھ بھی مواد مل گیا عنایت ہے اور احسان فراموشی ہوگی اگر میں نواب عنایت جنگ
بہادر کا اس سلسلہ میں ذکر نہ کروں جن کے پر خلوص علمی ذوق اور اعلیٰ ادبی احساسات نے مجھے خاص
طور پر متاثر کیا۔ آپ نے اپنی گونا گوں شغلیوں کے باوجود میرے ساتھ کئی وقت میرے کام کے خاکہ بحث
مباحثہ کیا اور اپنے قدیم اور گراں قدر کتب خانہ سے ہنایت مشرقیت تعلیمی نسخے ہتیا کر کے
میرے حوالے کر دیئے جن میں سے اکثر کے انتخابات بھی اس مجموعے میں شامل ہیں اور جو اس میں نہیں ہیں وہ
دوسری دو جلدوں میں شریک رہیں گے اس جگہ اس بات کا ذکر نامناسب ہوگا کہ نواب صاحب کے ذخیرہ
سے بہت سا ایسا مواد بھی مل گیا جس کے ایک جا کرنے سے دکن کے ادب اردو کی تاریخ بھنیوں کے رتا
سے موجودہ زمانہ تک تیار ہو جاتی ہے اور یہ خیال جو کل عام ہوتا جا رہا ہے کہ دکن میں اردو ادب کی
پیداوار دلی کے بعد ختم ہو گئی بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ دکن میں کسی زمانہ میں بھی اردو تصنیف
تالیف بند نہیں ہوئی بظاہر اس کا امکان نظر آتا ہے کہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کے زوال اور غلوں کے
قبضہ کے بعد یہاں کی ادبی ترقی کی رفتار کچھ کم ہو گئی ہوگی۔ لیکن اب جو مواد ملتا جا رہا ہے اس کے مد نظر
ہیں یہ یقین کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ رفتار آج تک برابر جاری رہی چونکہ ہماری یہ جلد دلی کے زمانے
یا یوں کہئے کہ سلطنت آصفیہ کے قیام سے قبل ہی کے اردو ادب کے انتخابات پر مشتمل ہے اس لئے اس کا
بعد کے دکنی ادبی کارناموں کو جن کا اس وقت تک خاصہ ذخیرہ حاصل ہو گیا ہے شامل نہیں کیا گیا وہ اس سلسلہ
کی دوسری جلدوں میں شریک ہیں

ہندوستان میں آنے کے بعد اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے مولوی عبدالحق صاحب کٹر ٹیٹن
ترقی اردو اور آقا حیدر حسن صاحب پروفیسر اردو نظام کالج سے بھی کئی دفعہ ملاقاتیں کرنی پڑیں۔

مولوی صاحب اس کام کی ترتیب وغیرہ کے دیکھنے سے بہت خوش ہوئے اور اپنے کتب خانہ سے ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ فرمایا لیکن ان کے کتب خانہ سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ انھوں نے فرمایا کہ اس انتخاب میں اس دور کے جتنے مستند اور مشہور شاعر اور ادیب ہیں ان سب کے انتخاب موجود ہیں البتہ آقا حیدر حسن صاحب کا کتب خانہ میں نے دیکھا اور مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ آقا صاحب نے اچھا قیمتی ذخیرہ محفوظ رکھا ہے اسکی خاطر انھیں بہت ایشار سے کام لینا پڑا اور میں یہ شکر تو ان کی فیاض طبیعت، علمی خدمت کے ذوق، اور انھیں کوششوں سے مرعوب ہو گیا کہ وہ کسی زمانہ میں حیدر آباد کے قریب ایک آٹھم بنا کر اس گراں قدر خزانہ کو صلی دنیا کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں آقا صاحب نے ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا۔ میری انتخاب کردہ کتابوں کے علاوہ جو بھی کارنامے ان کے یہاں ہیں ان سب سے مواد دینے کی تیاری کی لیکن فی الحال ان دو چار کارناموں سے انتخاب دیدیا۔ جو اہم اور خاص طور پر قابل قدر ہیں۔

اس کے لئے میں آغا صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ان کے ذخیرہ کے دیکھنے سے بھی اس خیال کو تقویت ہو گئی کہ دکن کسی وقت بھی اردو عالموں اور شاعروں سے خالی نہیں رہا اور یہ کہ آئندہ بھی اردو کے ہر دور کے کارنامے کسی نہ کسی جگہ محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں مولوی غلام یزدانی صاحب بی لے ناظم آثار قدیمہ کی کرم فرمائیوں کا شکریہ ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے چونکہ میرا شروع سے خیال تھا کہ اس مجموعے کے ساتھ تصویریں بھی شامل کی جائیں میں نے یزدانی صاحب سے اس بارے میں رائے لی، انھوں نے نہ صرف میری لائی ہوئی تصویروں کو دیکھ خوشی ظاہر کی بلکہ اپنے محکمہ کی جس قدر تصویریں میرے کام کی تھیں ان سب کے دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اس مجموعے میں میری لائی ہوئی تصویروں کے علاوہ جس قدر تصویریں شامل ہو رہی ہیں وہ آپ ہی کی عنایت کردہ ہیں یزدانی صاحب نے محمد علی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کی چند اردو غزلوں کے خوشنویس قلمے بھی جو انہی کے دور میں غالباً انہی کے لئے لکھے گئے تھے مجھے دکھائے چونکہ یہ وصلیاں ہم عصر خوشنویسوں کی لکھی ہوئی ہیں اور انہی بادشاہوں کا اردو ہی کلام ہے اس لئے میں نے انہیں بھی اس مجموعے میں داخل کرنے کی خواہش کی جس کی بنا پر یزدانی صاحب نے اپنی مہربانی سے ان کے نوٹ اتروا کر مجھے عنایت کئے، یزدانی صاحب کے ساتھ محکمہ آثار قدیمہ کی اس سلی امداد کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کتاب کی ترتیب کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مقدمہ میں جو چار ابواب پر مقسم ہے مختصر ادبی تاریخ اس دور کی لکھدی گئی ہے جس میں ان مضامین کی تخلیق ہوئی۔ شہ پاروں کی فہرست کے علاوہ ایک تفصیلی فہرست بمعاضہ مصنفین کو دیدی گئی ہے جس میں مصنفوں، کتابوں، ان کے قلمی نسخوں، نسخین اور وہ جہاں موجود ہیں ان کتب خانوں کے متعلق کارآمد باتیں بیان کر دی ہیں تاکہ آئندہ تحقیقات میں مدد ملے۔ اس کے بعد اس دور سے متعلق اردو کے سین درج ہیں اور پھر صنیمے ہیں جن میں مقدمے کے چاروں ابواب کے متعلق تاریخ واری معلومات دیدی گئی ہیں تاکہ تحقیقی مطالعہ کرنے والوں کے لئے آسانی پیدا ہو جائے۔

شہ پاروں کے مد نظر اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ ان میں بہت سے لفظ اور ترکیبیں ایسی نظر آئیں گی جو آج کل بھی مروج ہیں، لیکن چونکہ قدیم زمانہ میں جیسا بولتے تھے دیا ہی لکھتے تھے اس لئے ان کا اطلاق موجودہ اطلاق سے اکثر مختلف ہے اور اس لئے ہم انھیں پڑھنے میں کوئی وجہ نہیں کہ غلطی نہ کر جائیں مثلاً آج کل کے معمولی لفظوں کہے، کہاں، بھی، جو کوئی، نہیں، جو کچھ، چاہیں وغیرہ کو، کے، کاں، بی، جکوی، نہیں، جکچہ اور چلے وغیرہ لکھا ہوا دیکھ کر ناواقف پڑھنے والے ابتدا میں ضرور پریشان ہو جائیں گے

اکثر جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لفظ اور ترکیبیں آج مروج ہیں وہ اس زمانہ میں جبکہ ان شہ پاروں کی تخلیق ہوئی بعینہ اسی موجودہ شکل و صورت کے ساتھ رائج نہ تھیں بلکہ زمانہ کی قدامت کے لحاظ سے ترقی ان کی شکل ذرا مختلف تھی ایسے لفظوں اور ترکیبوں کے پڑھتے وقت بھی غلط مفہوم سمجھ لینے کا ضرور اندیشہ شلا سے، میں ہی، جتنا، کتنے، بیٹھ، لکھا، پڑھا وغیرہ کو تھے، تھیں، سوں، شیج، جتا، کتے لکھیا اور پڑھیا وغیرہ پڑھنے کے بعد آسانی سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ان امور کے متعلق ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کے نیچے ہی یا ذیل میں ان کی آج کل کی مروجہ شکل بھی لکھ دی جائے۔ ساتھ ہی اس امر کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کے آخر میں اشاریہ سے قبل ایک فرہنگ شامل کر دیا جائے، جس میں مشکل، نامعلوم اور مشتبہ الفاظ کے معنی اور توضیح بیان کی گئی ہے

اس جلد کو پیش کرتے وقت میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ بہت ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں بعض ایسی اعلیٰ درجہ کی ادبی کتابوں کے انتخاب موجود نہ ہوں جو کسی کے خانگی کتب خانہ میں محفوظ ہیں یا جن کے متعلق عام طور پر معلومات نہیں۔ اس امر کا تو کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جو کام پیش کر رہا ہوں وہ ہر حیثیت سے مکمل ہے، سب سے دن و کئی اردو کی جو نئی نئی کتابیں برآمد

ہوتی جا رہی ہیں ان کی زقار ظاہر کرتی ہے کہ بہت جلد ہیں اس جلد کا ایک ضخیمہ یا دوسرا حصہ شائع کرنا پڑیگا۔ بحالت موجودہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں ان تمام علمی تصنیفات کے انتخاب دیئے گئے ہیں جو اس وقت دستیاب ہو سکی ہیں یا جنہیں کچھ ادبی حیثیت حاصل ہے، یہی حال مقدمہ کا بھی ہے جس میں ان شہ پاروں اور ان کے مصنفین پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ بھی اس دور کے ادب اردو کی ایک مکمل تاریخ نہیں ہو سکتی جتنی معلومات فراہم کی جاسکتی تھیں ان کے پیش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

دیباچہ ختم کرنے سے پہلے مولوی ابو محمد عمر یافعی صاحب اور مولوی عبدالرحمن شریعت صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، دونوں صاحبین نے اس کتاب کی طباعت وغیرہ کے انتظامی معاملوں میں میری جود و فرمائی ہے اس کے بغیر یہ کتاب شاید ہی اس قدر جلد شائع کی جاسکتی۔

سید محی الدین قادیانی

شاہ گنج - ۱۵ ستمبر ۱۹۲۹ء

اس زبان میں تنہا جو پنجاب میں بولی جاتی تھی اور وہ زبان بہت ممکن ہے کہ اُردو کی بالکل ابتدائی صورت ہو۔
- امیر خسرو البتہ اس عہد میں تھا جبکہ اُردو ایک گونہ ترقی کر چکی تھی اور اس مقام پر تنہا جو اس زمانے کا اُردو
کاسب سے بڑا مرکز کہا جاسکتا ہے ساتویں صدی کے اواخر یا ام اس کے عروج کا زمانہ ہیں اس کا انتقال ۶۲۵ء
میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان کے ہر حصے میں عظیم الشان لسانی انقلابات ہو رہے تھے اور نئی زبانیں
عالم وجود میں آرہی تھیں پنجہ خسرو نے بھی ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پنجاب میں اور دہلی کے اطراف واکٹاف
جو بولیاں اس وقت مروج تھیں ان کے مختلف نام گناے ہیں۔

مردو کی طرح خسرو کے کلام کی زبان بھی مشتبہ ہے اگرچہ اس کے بعض شعرا اس وقت موجود ہیں مگر یہ کچھ
زیادہ معتبر نہیں معلوم ہوتے۔ ان کی زبان برج بھاشا سے ملتی جلتی ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ جس زبان
میں وہ شعر گوئی کرتا تھا وہ وہی تھی جو عام طور پر ہندو مسلمان بولتے تھے دوہڑوں اور پہیلیوں سے قطع نظر جو کم
وبیش ٹھوڑی بولی میں لکھی گئی ہیں اس کے بعض اشعار قدیم و کھنی شاعری کے مشابہ ہیں مگر یہ بالکل مشتبہ ہے کہ آیا وہ
اشعار اُسی کے ہیں۔

عام طور پر امیر خسرو کو خاق باری کا جو ہندوستانی اور اسلامی زبانوں کی ایک منظوم فرہنگ ہے
مصنف سمجھا جاتا ہے مگر حال ہی میں خاص طور پر محمود شیرانی کی تحقیقی و تفتیش سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بہت
بعد کے زمانہ کی کتاب ہے اور زمانہ حال کے مصنفوں نے اس کو خسرو سے منسوب کر دیا۔

بعض اصحاب امیر خسرو کی ہندی تصانیف کو بہت زیادہ اہمیت دیتے اور اسے اُردو کا پہلا مصنف
بتاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے پیشرو مسعود سے زیادہ اہمیت کا مستحق نہیں جو جہاں تک ایک ملتان کا ہندی
زبان میں شعر کہنے کا تعلق ہے وہ اول شاعر نہیں اگرچہ اس کی شاعری موجودہ شاعری میں قدیم ترین ہے۔

فرض ایک دوسرے اُردو تصانیف سے قطع نظر جبکہ ذکر چوتھے باب میں کیا جائیگا کسی اور کتاب کی نسبت کوئی
بات معلوم نہیں تاہم اگر اُنہ اس عہد کی کوئی کتاب روشنی میں آئے تو تعجب کی بات نہیں۔ بہشتیت مجموعی فی الوقت
اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شمالی ہند میں بہت حالی میں اُردو کو تحریر میں استعمال کیا گیا اسکے بڑا دلہن گجرات
میں جہاں صرف اُردو کی زبان کی شیعہ نفل ہوئی بہت جلد اس کو ذلیل بنایا گیا اور تعجب خیزاؤں میں اس میں
تیار ہو گیا۔

گجرات میں

گجرات پر مسلمانوں نے متعدد حملے کیے پانچویں صدی کے اوائل میں سلطان محمد وغرنوی نے بڑی زبردست جڑائی کی اور کئی شہر اور قصبے ویران کر دیے مگر علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت میں گجرات بائیکلیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور سلطنت اسلامیہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

امراء دکن کی طرح فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد ہی گجرات نے اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر دیا اور تقریباً دو سو برس تک اپنی آزادی کو برقرار رکھا اس مدت میں وہ زبان جو علاؤ الدین خلجی کے فاتح سپاہی لے آئے تھے شاہان گجرات کی سرپرستی میں ترقی کرنے لگی اور بعض بادشاہ مثلاً محمود شاہ اول درہمپاد اور شاہ ————— تو درحقیقت علم و ادب کے بہت بڑے مرہٹے گذرے ہیں۔ اگرچہ اس وقت گجرات کے اردو کا زمانہ بہت ہی کم دستیاب ہوتے ہیں اور دکانوں کی اردو کی نشوونما اور ترقی کی نسبت ہماری معلومات بھی دوسرے مرکزوں کے مقابل میں بہت ہی کم ہیں تاہم ذیل کے واقعات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ یہاں اردو کی سرپرستی کی گئی اور اسے ذریعہ تحریر قرار دیا گیا تھا۔

۱۔ رستم انخروف کو گجرات کی دو قدیم اور معتبر تاریخوں دینے مرآت سکندری سولہ اسکندریہ ۱۶۱۱ء اور مرآت احمدی مغللی محمد خاں ۱۶۵۷ء کے مخطوطوں میں چند ایسے اردو جملے اور فقرے ملے جو ۱۶۵۷ء اور ۱۶۵۷ء میں استعمال ہوتے تھے اس کا قوی امکان ہے کہ اگر کوئی زیادہ تمحص سے ان مخطوطوں کا مطالعہ کرے تو ایسے اور بڑے

ملہ ملاحظہ ہو مرآت سکندری ورق ۱۵۲ الف انڈیا آفس فارسی مخطوطات۔

نہ ۔ مرآت احمدی ۔ ۶۶۸ م ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فترے، رستیاب ہوں گے

۲۔ اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجا پور آیا کرتے تھے۔ وہاں کی سلفیت کے وال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں ملا لیا۔ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجا پور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ بہانہ اپنی زبان کو گجراتی کہتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس سبب زبان میں گھٹتے تھے وہ اپنی زبان کو گجراتی کہنے لگے اور پرانی زبان دکنی کہانے لگی مگر یہ فرق زیادہ عرصے تک نظر نہیں آتا کیونکہ متاخر اہل قلم ہمیشہ اپنی زبان کو دکنی کہتے رہے۔

گجرات کی اردو کے اس قدیم مخطوطے ہنوز محفوظ ہیں اگرچہ بالکل ادبی رنگ کے نہیں مگر ان سے ثابت ہوتا ہے کہ گجرات میں یہ زبان اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ اس کا مقصد استعمال یقیناً ادبی بھی ہوگا۔

۳۔ کلمہ بحیثیت مجموعی یہ یقینی ہے کہ اردو گجرات میں اتنی مدت تک عروج پذیر نہیں ہوتی جتنی کہ دکن میں تھی کیونکہ مسلمان گجرات کی اسلامی حکومت اکبری فوجوں کے ہاتھ شکستیں اٹھا کر ختم ہو گئی اور گجرات سلطنت منلیہ کا ایک معمولی صوبہ بن گیا اس کے ادیب اور شعراء جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے، اکثر و بیشتر دکن میں پناہ گزیں ہوئے۔ گجرات میں ہندوؤں کی اکثریت ہونے سے اسلامی اثر بھی رفتہ رفتہ دور ہونے لگا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے اردو کی سہ پرستی کرنے سے محروم ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس ہرج مرج نے جو کچھ ادب پیدا ہوا تھا اس کو اس درجہ بیتابانہ کر دیا کہ اس کے متعلق بھی کوئی بات اس وقت معلوم نہیں ہے۔

۴۔ چند روز ہوئے گجرات کے ایک اردو رسالے کے ایڈیٹر نے راسم اکھنڈ کو اطلاع دی تھی کہ انہیں گجرات کے قدیم اردو شاعروں کے کلام کا ایک سگلدستہ دستیاب ہوا ہے اور وہ اسکو شائع کرنے والے ہیں۔ مگر اس کے بعد سے اب تک کوئی خبر اسکی نسبت وصول نہیں ہوئی۔

بہاء الدین باجن

شیخ بہاء الدین، معز الدین کے فرزند اور شیخ زحمت اللہ کے جو محمود بیگزادہ شاہ گجرات کے مرشد میں، مرید بناتا ہے کہ انھوں نے اپنی حرکات، اصدیہ و سیاحت میں بسر کیا۔ شمال میں سندھ اور خراسان کا سفر کیا اور وہاں میں جزیرہ سیلون تک ہوا ہے یہ قندھار میں فوت ہوئے اور برہان پور میں سپرد خاک کئے گئے۔

بہاء الدین کا تخلص باجن تھا۔ وہ فارسی اور برج دونوں میں شعر کہتے تھے۔ اُن کے بعض بیجا بیانات اُن کے ہم وطن شاعر خوب محکمہ رد و کلام سے بہت مشابہ ہیں "پنجاب میں اردو" میں اُن کے کلام لے جو نمونے دیئے گئے ہیں نہ تو ادبی لحاظ سے قابل فہم ہیں نہ ہی معتبر و موثق۔ باجن ایک زراہد متواضع شخص تھے اور غالباً انہوں نے کوئی ادبی کارنامہ اپنی یادگاہ نہیں چھوڑا۔

شاہ علی کام دھنی

شاہ علی محمد جیو قطب العالم، شاہ ابراہیم بان اند کے فرزند اور مشہور بزرگ سید تھکیر رفا، کے اولاد میں
راشد آباد میں پیدا ہوئے اور بہت بڑے صوفی اور مرشد تھے۔ وہ کام دھنی (کاؤں) کے مالک اپنے لقب سے شہرت
پذیر تھے کیونکہ سارا ملک ان کے تقدس سے محفوظ و ممنون سمجھا جاتا تھا وہ ۱۵۶۵ء میں فوت ہوئے اور راسے کھڑا
احمد آباد میں دفن کئے گئے۔

کام دھنی نے اپنی باؤگائیں ایک اردو دیوان چھوڑا ہے جس کو پہلے ان کے دادا کے حیدر ابو الحسن شیخ محمد نے
ترتیب دیا اور ان خود ان کے پوتے سید ابراہیم ولد شاہ مصطفیٰ کو دوبارہ اس کو مرتب کیا کیونکہ پہلے نسخہ کا مقدمہ
اطمینان بخش نہیں سمجھا گیا۔ ان دونوں نسخوں کے چند مغلوطے اب بھی پائے جاتے ہیں اول الذکر کا ایک مغلوطہ انجمن
ترقی اردو میں محفوظ ہے۔ اس کے (۱۳۳) ادراک ہیں اور ہر صفحہ پر دس سطریں۔ وہ دیوان کے نام سے موسوم ہے اور
کئی بے ترتیب ابواب پر تقسیم۔ اکثر ابواب تروف تہجی کی ترتیب پر ہیں۔

اس کی زبان بالکل سادہ ہے اور اکثر معنی بالکل صاف ہیں اگرچہ پورے بارہ سو اشعار بالکل تصوف اور
مذہب سے متعلق ہیں مگر ان میں سے اکثر خاصے دلچسپ ہیں اور طربیان پیچیدہ ہیں
معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرتی شاعر تھے اور یقیناً ان کا شمار ان گنتی کے چند قدیم اردو شاعروں میں ہے جبکہ
کارنامے نہ صرف قدیم شاعری کے نمونے کے طور پر قابل قدر ہیں بلکہ زبان کی سادگی اور شاعرانہ زور کے لحاظ سے
بھی قیمتی ہیں۔

شیخ خوب محمد

میاں شیخ خوب محمد خشتی حضرت شیخ کمال محمد سیستانی کے مرید اور احمد آباد کے باشندے تھے۔ یہ بھی بڑے متاخر بزرگ تھے۔ اپنے مرشد کے بہت سے اقوال و مباحث جو اکثر تصوف سے تعلق ہیں، اپنی اردو کتاب "نوش ترنگ" میں جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب سلسلہ میں مرتب ہوئی اس کی زبان ایسی سادہ و صاف نہیں جیسی کہ کام، صنی کے دیوان کی ہے۔ اس کا مضمون اور مضمون بھی بہت خشک اور غریب ادبی ہے۔ خود مولف نے اس اردو کتاب کی ایک شرح فارسی میں لکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ شرح سلسلہ میں تیار ہوئی اور اس کا نام "امواج" رکھا گیا۔ خوب محمد نے سلسلہ میں انتقال کیا اور چوک احمد آباد میں مدفون ہوئے۔

ان کی اردو نظموں کے دو قدیم مخطوطے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (دیکھئے مخطوطات فارسی مخطوطات) ضخیم تو بہت ہیں مگر اصلی شاعری سے خالی ہیں۔ مولف نے خود اپنی نظم میں اکثر جگہ اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے اپنا اور اپنے مرشد کا نام اور تاریخ تالیف بھی درج کی ہے۔ خوب محمد کو اصلی پایہ کے شاعر نہیں تاہم ان کی طویل نظم اردو کی گجراتی صورت پر تحقیقات کر لے والوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

دکن میں

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلمان پہلی مرتبہ ساتویں صدی عیسوی میں دکن میں وارد ہوئے اور غالباً اس وقت تک برابر اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے جبکہ ان کے ہم مذہبوں نے آٹھویں صدی کے آغا میں شمال سے حملہ کیا۔ اس خیال کے متعلق کونکر کے قدیم باشندوں سے مسلمانوں کے اس ابتدائی ارتباط نے ایک نئی زبان پیدا کی، ابھی بہت کچھ تحقیق و تفتیش ہونی ہے۔ علاوہ ازیں اس کو اردو کے ارتقاء سے کچھ زیادہ تعلق بھی نہیں۔

دکن کی تین ہندو راجدھانیوں ہمارا شٹر (مغرب میں) آندھرا (مشرق میں) اور کرناٹک (جنوب میں) کے علاوہ الدین غلجی کے مشہور و معروف جرنیل ملک کانور کے ہاتھوں علی الترتیب ششہ ششہ اور ششہ میں منسج ہونے کے بعد حقیقی معنوں میں اردو کا سنگ بنیاد دکن میں رکھا گیا۔ مذکورہ بالا تمام قدیم راجدھانیاں بہ حیثیت مجموعی شمالی ہند کی وسیع اسلامی سلطنت کا صوبہ بن گئیں ورنہ متعدد غیر ملکیوں کو اس کے زرخیز علاقوں میں پھیلنے اور آباد ہوجانے کا موقع ملا۔

شمال اور جنوب کا یہ اتحاد تقریباً چالیس برس قائم رہا۔ اس عرصے میں اردو مستحکم بنیاد پر یہاں پھیلنے لگی اس کی اشاعت میں سلطان محمد تغلق کی اس عجیب و غریب حرکت نے بڑا حصہ لیا کہ اس نے دہلی اور اس کے اطراف و اکناف کے تمام باشندوں کو دولت آباد میں منتقل کرنے پر مجبور کیا۔ نئے دارالسلطنت کی وسیع آبادی کی دوز افزوں ضروریات کے مد نظر دو آبہ گنگا و جمنا سے بہت سے اہل ہنر اور پیشہ ور دکن میں بلائے گئے۔ اور اس طرح دکن اور خاص طور پر ہمارا شٹر (دولت آباد کے اطراف کا علاقہ) اپنے فرمانرواؤں اور نئے باشندوں کی زبان (اردو سے بہت جلد آشنا ہو گیا۔

مگر دکن ایک ایسا ملک ہے جو ہمیشہ نہ صرف جغرافی بلکہ سیاسی طور پر ہندوستان کے مابقی حصوں بالکل بیدار ہمارے
اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو شمال کے ساتھ کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے سے الگ تعلق رکھنے کی کوشش کی اور یہ غالباً اسی
میلان طبع کا نتیجہ تھا کہ خیر تعلق کے دولت آباد کو اپنا پایہ تخت بنانے کے کچھ دن بعد ہی سارے دکن نے اسکے
نفاذ بغاوت کی۔ اس کی فوجوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور بالآخر سنہ ۱۷۶۱ء میں اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان
کر دیا جو تین سو برس سے زیادہ مدت تک قائم رہی۔

دکن کا پہلا خود مختار مسلمان فرمانروا علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی ہے جس کی ابتدائی زندگی کے متعلق صحت
و یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں ہے وہ ایک برہمن گنگو کے زیر اثر تھا جس کے ام پر اس نے اپنے خاندان کا نام بہمنی
رکھا اور جو اس پہلی اسلامی سلطنت کا وزیر بنایا گیا۔ دکن کی اسلامی سلطنت ابتدا سے اس کے حکمرانوں پر
قائم ہوئی اور اس سمانہ سے ضروری تھا کہ سرکاری طور پر اسی زبان کی سرپرستی کی جاتی جسکو مالک کے دونوں
فرشتے جدا بولتے اور سمجھتے تھے۔

حسن گنگو نے جو گیا رو برس تک حکمرانی کرتا رہا، دولت آباد کی بجائے گلبرگہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اسکی وفات
کے بعد اس کا خاندان صدیوں تک حکمران رہا مگر آخری تیس برس میں اس کا اقتدار بہت ہی کم ہو گیا تھا اور بہمنی سلطنت
کے بعض صوبہ دار اپنی پہلی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔

اگرچہ بعض بہمنی بادشاہ (۱) محمد شاہ ثانی (سنہ ۱۷۵۰ء تا ۱۷۵۹ء) اور (۲) فیروز شاہ سنہ ۱۷۵۹ء تا ۱۷۶۱ء (۳) احمد شاہ
(سنہ ۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۳ء) اور محمد شاہ ثالث (سنہ ۱۷۶۳ء تا ۱۷۶۷ء) فارسی علم و ادب کے بڑے مربی اور سرپرست
گزرے ہیں مگر اس کا علم نہیں کہ انہوں نے اردو نویسی کو بھی فروغ دیا یا نہیں۔ یہ تقریباً واضح ہے کہ انہوں نے
اردو کو اپنی درباری زبان قرار دی تھی کیونکہ قدیم مورخ فرشتہ بہمنی سلطنت کے ذمہ داروں میں ایک ہندی زبان
کے متعل ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ یہ ہندی اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی کیونکہ۔

۱۔ یہ وہی زبان ہے جو مسلمان شمال سے لے آئے اور جس کو تمام مسلمان بولتے تھے۔

۲۔ یہ مرہٹی یا تلنگی یا کٹری نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ زبانیں ملک کے مختلف حصوں میں مقامی طور پر ہندوؤں
بولی جاتی تھیں اور ان میں سے کسی ایک کو سرکاری زبان کی حیثیت سے اختیار کرنا دوسروں کے حق میں سراسر
نا انصافی تھا۔ اس لئے حکمرانوں کو لازمی طور پر اسی زبان اختیار کرنی پڑی جو ان سے بالکل مختلف ہندوستانی
زبان ہو اور جو مادی طور پر سب باشندوں میں عام ہو سکتی ہو۔

۳۔ قدیم فارسی مورخ جب کبھی اردو کا ذکر کرتے ہیں تو اس کو ہندی کہتے ہیں اردو کا لفظ حال تک خاص طور پر کسی زبان کے لیے متعلق نہیں تھا۔

۴۔ اس واقعے سے بھی کہ اس زمانہ میں اردو ذریعہ تحریر بن چکی تھی اور اس عہد کے بعض مصنفین کا حال معلوم ہے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کو اس زمانے میں خاصی ترقی حاصل ہو گئی تھی اور اس کو سہ کارہی زبان بنالینا ناممکن نہیں تھا۔ ہمیں عہد کی اردو پیداواریں اگرچہ کوئی ادبی قدر و قیمت نہیں رکھتیں تاہم قدیم ترین نمونے ہونے کی وجہ سے اہم ہیں۔ اسکا قوی امکان ہے کہ ان دنوں میں ادب بھی مرتب ہوا ہو گا مگر بعد کی نسلوں نے اس کو محفوظ نہیں رکھا اور اب ہم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔

بہنوں کے زوال کے بعد ان کی سلطنت ذیل کی پانچ خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

۱۔ مادل شاہی بجا پور میں

۲۔ قطب شاہی گولکنڈہ میں

۳۔ نغام شاہی احمد نگر میں

۴۔ برید شاہی بیدریں

ان پانچ فائدانوں میں سے صرف پہلے دو ناندان ایک طویل مدت تک حکمران رہے اور صف انہی کی اردو سرپرستی کا حال معلوم ہے جو آئندہ دو ابواب میں بیان کیا جائیگا

عین الدین گنج العلم شہ ۶۷۹ھ

شیخ عین الدین دہلی میں شہ ۶۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں ترک وطن کر چکے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کجرات میں ہوئی۔ یہاں سے وہ دولت آباد میں وارد ہوئے جو ان دنوں محمد نطق کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے عالموں اور اہل ہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں عین الدین نے حضرت سید محمد عیسیٰ کے ہاتھ پر صحبت کی اور شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی شہ ۷۲۰ھ میں وہ عین آباد ساگر روانہ ہوئے اور وہاں ایک مدت دراز تک قیام کیا۔

وہ بڑے بلند پایہ عالم تھے اور اپنے اعلیٰ علمی ہی کی وجہ سے گنج العلم کے لقب سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مختلف علوم و فنون پر تقریباً ۳۲ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا ایک نہایت اہم کارنامہ مشہور تاریخ طغیاں ہے مصنفہ قاضی منہاج الدین کا غلام ہے۔

ان کی نسبت مشہور ہے کہ دکن میں چند چھوٹے چھوٹے مسلم تالیف کئے تھے۔ ان میں سے تین کے مخطوطے ملتے ہیں کہ فورٹ سنت جارج کالج مدراس کے کتب خانے میں محفوظ تھے۔ ان رسائل کی ضخامت صرف (۲۰) صفحے بتائی جاتی ہے اور وہ مذہبی موضوعات پر لکھے گئے تھے۔ یہ اطلاعات ”اردو کے قدیم“ مولفہ حکیم شمس احمد صاحب پریشانی میں راقم کو کوئی دوسری شہادت اسکی نہ مل سکی۔

خواجہ بندہ نوازؒ

حضرت سید محمد حسینی جو عام طور پر خواجہ بندہ نوازؒ کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت سید یوسف شاہ راجہ کوتوال کے فرزند ہیں۔ حضرت شاہ راجہ دہلی کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اس وقت بالکل کسن تھے جب آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا اور غلط آباد میں جو دولت آباد کے قریب ایک مقدس بستی ہے سپرد خاک کئے گئے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اپنی والدہ کو ساتھ لیکر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ حضرت خواجہ نصیر الدین جواغ دہلیؒ کے مرید ہوئے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین بنے۔

جب ششماہ میں تیمور لنگ نے دہلی پر چڑھائی کی اور اس کو تباہ و تاراج کر ڈالا تو آپ اسی برس کی عمر میں موہل و عیال کے دہلی سے عازم دکن ہوئے راہ میں آپ نے گجرات کے بہت سے مقامات کی سیاحت فرمائی اور جب دولت آباد فائز ہوئے تو فیروز شاہ بہمنی نے آپ کو اپنے پایہ تخت گلبرگ میں مدعو کیا یہیں آپ نے تقریباً ایک پانچ برس تک زندہ رہنے کے بعد وفات پائی۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ بڑے عالم اور صوفی تھے۔ آج آپ دکن کے سب سے بڑے بزرگ مانے جاتے ہیں اور سارے ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بعد آپ ہی سب سے بڑے بزرگ ہیں۔ آپ نے فارسی میں مذہبی موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور چند مختصر اردو رسالے بھی آپ سے منسوب ہیں۔ آجمن ترقی اردو کے معتد کے ان بعض قدیم مخطوطے ہیں جو آپ کے بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ”معراج العاشقین“ جو زیادہ موثق طور پر آپ کا سمجھا جاتا ہے شایع بھی ہو گیا ہے۔ اس میں تقریباً (۳۲۲) سطریں بالکل تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ بطور رسالہ اصل نسخے کی صحیح نقل نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جگہ جگہ الفاظ اور فقرے حذف ہو گئے ہیں۔ تاہم اس معلوم ہو سکتا ہے کہ چودہویں صدی کے آخر تک زبان اردو کے کتنی ترقی کر لی تھی۔ سانیہ تحقیق کے لحاظ سے یہ ایک اہم چیز ہے اور موجودہ صورت میں اردو نثر کا پہلا نمونہ ہے۔ اس کی زبان کئی لحاظ سے

قدیم دکنی ہے۔ اسکی صورت کھڑی بولی سے زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے اور اس کے برخلاف دکنی نثر کی صورت کم و بیش پنجابی سے مشابہ ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز نے کوئی ساٹھ برس قبل ہی بسر فرمائے اور لازمی طور پر آپ کی تحریر اس زبان میں ہونی چاہئے جو وہاں بولی جاتی تھی۔ ”معراج العاشقین“ کی زبان کے دکنی سے مختلف ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ۔

۱۔ وہ درحقیقت کسی شمالی ہند کے باشندے کی تحریر ہے اور یہ کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز بھی اسکے اصلی مصنف ہوں۔

۲۔ اس سے رقم کے پیش کردہ نظریہ کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ دس صدی کے آخرین مسلمان سپاہیوں نے جو خام اور نامکمل زبان دکن میں رائج کی وہ پنجابی اور کھڑی دونوں کے اہلی ماخذوں سے نکلی ہوئی زبان ہو اور اسکے بعد ہی آخر الذکر نے اردو پر اثر ڈالنا شروع کیا اور اس طرح دکنی اور اردو کی شمالی ہند کی صورت میں خرق پیدا ہونے لگا۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کی زبان مکہ سے متاثر اردو ہے اور اس کے برخلاف دکنی قدیم اردو کی قدرتی طور پر ترقی یافتہ صورت جس میں بہت سی اہلی صفات و خصوصیات موجود ہیں۔

عبد اللہ حسینی

حضرت خواجہ بندہ نواز کی اولاد نے عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں کے زوال تک کن کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں بڑا حصہ لیا۔ انکی سرگرمیوں اور کاموں کو مورخین نے تفصیل سے قلمبند کیا ہے ان میں سے بہت سے بڑے عالم صوفی اور مقدس بزرگ تھے جنکو نے سیاسی زندگی میں بھی حصہ لیا انہوں نے شاہی خاندانوں میں شادیاں کیں اور بڑے بڑے صاحب منصب اور بادشاہوں کے مشیر بنے ان اسکا بے قدر تاثر و ہدایت کے لئے اردو ہی کو ذریعہ بنایا ہوگا اور اگر کسی کو انکا خاندانی کتب خانہ اور دیوڑھی میں جو حضرت خواجہ بندہ نواز کی درگاہ کے احاطہ میں بھی موجود ہے، قدیم کاغذات دیکھنے کا موقع ملے تو بہت سی قدیم اردو تحریرات کے دستیاب ہو سکی تو یہ ہے چونکہ نظام ایک مقدس جگہ اور خانقاہ ہونیک وجہ سے سیاسی تبدیلی سے بھی متاثر نہیں ہو سکا تو یہ ممکن ہے کہ یہاں سے بہت سا مواد برآمد ہو سکیگا۔ جی الوقت اس خاندان کی اردو پیداوار کا ہمیں بہت ہی محدود علم ہے۔ یہ شہسوار کہ حضرت خواجہ بندہ نواز کے کس مرید نے آپ کے ساتھ اقوال کی ایک طویل تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ یہ ”بغت امرار“ کے نام سے مشہور اور غالباً اس وقت بالکل ناپید ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کے پوتے سید محمد عبدالرحمن حسینی بھی اپنے جد بزرگوار کی طرح مقبولی نام وہ بھی بڑے صوفی اور بزرگ مانے جاتے ہیں۔ وہ احمد شاہ بہمنی ثانی کے عہد میں حضرت عبدالقادر رحمی الدین جیلانی کی مشہور کتاب نفاط العاشقین کا ترجمہ تفسیر اردو میں کیا تھا۔ اس کا ایک نہایت نفیس مخطوطہ میونسپل لائبریری کتب خانہ میں محفوظ تھا مگر غالباً اب یہ ناپید ہے۔

باب دوم

اُردو ادب بیجا پور میں

(۱۶۸۶-۱۴۶۰)

(۱۰۹۵-۱۰۹۰)

فہرست

(۱)۔ ابتدائی تحریکات پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۱۸ - ۱۴۹۰	۸۹۵ - ۸۹۶	۱۴۹۰ تا ۱۵۸۰	۱۔ یوسف عادل شاہ
۹۱۶ - ۸۹۵			شاہ میراں جی
۱۵۳۳ - ۱۵۱۰			۲۔ اسماعیل عادل شاہ
۹۱۶ - ۹۱۴			۳۔ ابراہیم عادل شاہ
۱۵۵۶ - ۱۵۳۳			۴۔ علی عادل شاہ
۹۱۶ - ۹۱۵			شاہ برہان الدین بانم
۱۵۸۰ - ۱۵۵۶			(ب)۔ اردو ادب کا نہری دور آخری چار تاجداروں کے عہد میں
۹۱۶ - ۹۱۵			

۱۶۲۶ - ۱۵۸۰	۱۵۸۰ - ۱۵۹۶	۱۶۸۶ - ۱۵۸۰	۱۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی
۱۰۳۶ - ۹۸۸			نصرتی
توری	ایمن	میتھی	۲۔ محمد عادل شاہ
۱۶۵۶ - ۱۶۲۶			اور اس کی ملکہ خدیجہ سلطان
۱۰۶۶ - ۱۰۳۶			صنعتی
	دولت	خوشنود	رشتی
۱۶۶۳ - ۱۶۵۶			۳۔ علی عادل شاہ ثانی
۱۰۶۶ - ۱۰۳۶			نصرتی
ایمانی	مرزا	ہاشمی	ایمن
۱۶۵۶ - ۱۶۶۳			۴۔ سکندر عادل شاہ
۱۰۶۶ - ۱۰۳۶			سپہا
			موسن

ابتدائی تحریر کا

پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۷۹۰ء تا ۱۸۵۸ء

۱۸۵۸ء تا ۱۸۹۵ء

طویل خانہ جنگیوں کے باعث جب بہمنی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگی تھیں اس وقت سب سے پہلا آدمی جس کے دل میں ایک نئی سلطنت کا ڈول ڈالنے کا خیال پیدا ہوا یوسف عادل خاں تھا جس نے آخر کار بیجا پور میں عادل شاہی سلطنت کی بنیاد ڈالی اس خاندان نے تقریباً دو سو سال تک حکومت کی اور بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب کی بہادر اور طاقتور فوجوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس دوران میں عادل شاہیوں نے نہ صرف بہمنی ادبی پیداوار کی تفصیلیں کاٹیں بلکہ خود بھی کئی شاعریاں اور آویسوں کی پرورش کی اور ادبی ذوق کو اس قدر عام کر دیا کہ اس کے زوال کے وقت درباروں اور گلی کوچوں میں ہر جگہ شاعر ہی شاعر اور ادیب ہی ادیب نظر آتے تھے۔ اگرچہ آجکل گو لکھنؤ کی پیداوار کے مقابلہ میں بیجا پور کا سرمایہ بہت کم محفوظ ہے تاہم جو کچھ بھی ہے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ رزمیہ شاعری کے بہترین نمونے صرف بیجا پور ہی کی پیداوار ہیں اور شاعری کی یہ وہ قسم ہے جس میں اردو بے حد مفلس اور محتاج ہے۔

سلطنت بیجا پور کو حقیقی معنوں میں سلطنت بہمنیہ کا جانشین کہا جاسکتا ہے یوسف کے اعلان خود مختاری نے سوائے فوجیوں اور فوجی عہدہ داروں کے متعدد عاملوں اور آویسوں کو اس کے دربار میں حاضر ہونے کی تحریک دلائی، انہیں امید بندھ گئی کہ بیجا پور میں ان پر مال و دولت کے پھول بنجھا کر رکھے جائیں گے اس کے برخلاف بہمنی دار السلطنت کی غیر مطمئن حالت اور بادشاہوں کی کمزوریوں کے باعث ان کی ساری امیدیں پر پانی پھر گیا تھا مگر چونکہ وہیں کوئی اور قوت ایسی نہ تھی جس کی

سرپرستی میں وہ زندگی بسر کرتے اسی لئے انہوں نے عادل شاہی دربار ہی میں رہنا پسند کیا۔ اور انہیں کو اپنے علم و ادب سے زینت دی۔

یوسف عادل شاہ (۸۹۵-۹۱۶)

اس مشہور و معروف بانی سلطنت کی ابتدائی زندگی کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں تاہم یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا بچپن نہایت ہی عسرت اور بے اطمینانی کی حالت میں گزرا اور وہ بہمنی گٹر میں بحیثیت ایک ترکی غلام کے داخل ہوا۔

اس کی شہرت اور بادشاہ کی نظروں میں وقعت اُس وقت سے شروع ہوئی جب کہ اسکا آقا نظام الملک ترک لڑائی میں مارا گیا اور یوسف نے اُس کے بعد اُسکے کام کو نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔

یوسف کے مربی سلطان کے انتقال کے بعد جب سلطنت میں ہر طرف جھگڑے پیدا ہو گئے تو اُس نے غیر ملکی سپاہیوں اور افسروں سے مدد لے کر شاہ تیر میں نزدیک سلطنت کی بنا ڈالی، اُس کے زمانہ کا سب سے اہم واقعہ جس سے اُردو پر بالواسطہ اثر پڑا یہ ہے کہ اُس نے بجائے سنی مذہب کے شیعیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا، اور اس طرح تمام سیاسی اختیارات شیعوں کو دے دیئے گئے جن میں اکثر غیر ملکی تھے اور جنہیں ظاہر ہے اُردو زبان سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یوسف نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، اس اثنا میں اسے نہ صرف دارالسلطنت ہی کی مختلف مشکلات کا سامنا کرنا بلکہ ہمایہ سلطنتوں سے بھی کافی ہوشیار رہنا پڑا جو اس کے مقبوضات پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن اُس نے بہادری کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کر کے اپنی سلطنت کو بہت زیادہ وسیع اور مستحکم بنا لیا چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اس کی مقبوضات استقدر وسیع تھیں کہ میں میں بہمنی سلطنت کے بعد اس کے مقابلہ کی کوئی اور حکومت نہ تھی۔

تاریخ ہمیں اس بات کی علانیہ شہادت دیتی ہے کہ یوسف ایک عقل مند اور مردم شناس بادشاہ اور ایک اچھا مقرر تھا، یاقوت، سخاوت اور بہادری میں اُس کے ڈنکے بچے ہوئے تھے، وہ بے شکان لکھتا درشاہانہ قابلیت کو نہایت نزاکت سے پرکھتا تھا، خود بھی اکثر شعر کہتا تھا، موسیقی میں خاصہ کمال اور اچھا

وق رکھتا تھا، ہمعصروں میں اس کے مقابل کا کوئی نہ تھا، اس نے بیش بہا تحفوں سے شاعروں اور مغنیوں کی دست افزائی کی اور خود بھی موسیقی کے جلسوں میں فی البدیہہ نظمیں پڑھتا تھا، ترکستان اور ایران کے علماء و شعراء اور جن کا رد کو اس نے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تھی۔

بدقسمتی سے ہمارے پاس اس زمانہ کا کچھ ایسا زیادہ سواد موجود نہیں ہے جس سے ہم اس کے عہد حکومت میں اردو کی ترقی کا اندازہ لگا سکیں، اس میں شک نہیں کہ اس وقت اردو زبان بولی جاتی تھی اور اس کا ادبی زبانوں میں شمار ہوتا جا رہا تھا چنانچہ فارسی کی قدیم تاریخوں میں اکثر اہم واقعات پر اردو زبان میں لکھے ہوئے تاریخی شعرا و قطعے دستیاب ہوتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور پر زندگی کے اہم واقعات پر سہار کبا کی نظمیں یا مرثیے اردو زبان میں بھی لکھے جاتے تھے مگر یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مورخین نے اپنی تاریخوں میں پوری پوری نظمیں نہیں درج کی ہیں بلکہ چند اقتباسات ہی کا اکتفا کیا گیا ہے، اس کے دو وجوہات ہوں گے ایک تو یہ کہ تواریخ فارسی زبان میں لکھی جاتی تھیں اور دوسرے یہ کہ اکثر مورخین غیر ملکی ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ فارسی تصانیف میں اردو نظمیں درج کی جائیں۔

راقم نے قدیم تواریخ اور خصوصاً پیرزادہ غلام محی الدین کی کتاب احوال سلاطین بیجاپور میں جن تاریخی مصرعوں کا مطالعہ کیا ہے اس سے سلطنت بیجاپور کے قیام سے قبل یعنی سترہویں صدی کے حالات کا بھی پتہ چلتا ہے، یوسف کے دور کی صرف تین تاریخوں کا حال معلوم ہے جن پر سن ۹۱۶ھ سے ۹۱۷ھ درج ہیں۔

اردو تاریخوں کے علاوہ ہیں یوسف کے عہد حکومت کے ایک اردو مصنف شاہ میراں جی کا بھی پتہ چلتا ہے جن کی اب تک صرف چار کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔

شاہ میراں جی (۱۶۰۲ء)

عام طور پر شاہ میراں جی اپنے لقب ”شمس العشاق“ سے مشہور ہیں، وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صوفی تھے، دکنی علماء کی صحبت میں تحصیل علم کر کے ملک عرب کے سفر کو روانہ ہوئے اور وہاں ایک کافی مدت تک بود و باش کی چنانچہ صرف مدینہ منورہ میں انہوں نے بارہ سال گزارے، واپس آکر شہر بیجاپور کے باہر مستقل سکونت اختیار کر لی اور خواجہ کمال الدین بیابانی کے مرید ہو گئے جو خواجہ بندہ

کے خلیفہ دوم تھے، اُن کی زندگی کا مقصد فقرا اور طالبان علم کو تعلیم دینا تھا۔
 اُن کی تیاریچ پیدائش کا صحیح علم نہیں البتہ اُن کی وفات ۹۲۲ھ میں ہوئی جس کا ثبوت ذوقی کے لکھے
 ہوئے تاریخی نام ”شمس العشاق“ سے ملتا ہے، نیز اس پر کسی غیر معلوم شاعر نے ایک مرثیہ بھی لکھا تھا، سجاپور
 کے اکناف شاہ پور میں اُن کو دفن کیا گیا جہاں اب تک ہر سال برابر اُن کا عرس ہوتا ہے۔
 شاہ میراں جی اگرچہ عسکری اور فارسی کے استاد تھے لیکن اپنے مریدوں کو اردو زبان میں تلقین
 کیا کرتے تھے، نہ صرف یہی بلکہ انہوں نے اس زبان میں نثر اور نظم میں کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں سے
 چند مولوی عبدالحی صاحب انجمن ترقی اردو کے سکریٹری اور مولوی آغا جید حسن صاحب کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں
 ۱۔ خوش نامہ ایک سوترہ شعر کی ایک ثنوی ہے جو شمس الثانی میں نقل کی گئی، اس میں ایک نوجوان لڑکی
 کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو شاہ پور میں سترہ سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ اس میں اس کو اپنے مرشد کا پرستار
 بتلایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مرشد کی خصوصیات کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔
 ۲۔ محوش نغز اس میں بھی اسی دوشیزہ کا ذکر ہے لیکن یہ ۲۷ شعر کی چھوٹی سی ثنوی ہے، نو ابواب
 منقسم ہے اور ہر ایک باب ایک علیحدہ مذہبی موضوع پر لکھا گیا ہے، ان موضوعوں پر لڑکی میراں جی سے سوال
 کرتی ہے اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔
 ۳۔ شہادت الحقیقت۔ میراں جی کی سب سے اہم اور طویل نظم یہی ہے، اس میں ۵۶۲ بند ہیں، ہندی بحر میں لکھی
 گئی ہے اور تصوف سے متعلق ہے، اس کا اسلوب بیان اور زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔
 ۴۔ مستخرج مرغوب القلوب۔ یہ کتاب نثر میں ہے، ایک قدیم ترین دکنی نثر ہونے کے
 باعث اس کو بہت اہمیت حاصل ہے، لمبسی چوڑی تمہید کے بعد آل کتاب شروع ہوتی ہے جو نو ابواب
 پر منقسم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف مذہبی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔
 ۵۔ باب رس۔ یہ کتاب دکنی نثر میں ہے۔ اور شاہ جہیہ الدین کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ موجود
 ہے، آغا جید صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے، کل ریکسٹو آٹھاسی ورق ہیں۔ ہر ورق میں ۲۶ سطر۔ زبان بہت
 پاکیزہ، ادبیلیس ہے۔ چونکہ اردو کی ابتدائی نثری کتابوں میں سے ہے اسلئے یہ مخطوطہ خاص طور پر قابل قدر ہے۔
 میراں جی کے کارنامے اگرچہ ادبی حیثیت سے زیادہ اہم نہیں لیکن انسانیاتی نقطہ نظر سے بے حد وقعت
 حاصل ہے۔

اسمیل عادل شاہ

۱۵۱۰ - ۱۵۳۴

۹۱۶ - ۹۴۱

اسمیل بہت چھوٹی عمر میں تخت نشین ہوا جس کی وجہ سے ابتدا میں حکومت کی باگ امارت کے ہاتھوں میں رہی اس کی پرورش اس کی چچی کے گود میں ہوئی جو بذات خود ایک قابل ایرانی خاتون تھی وہ بہت ہی دورانیہ اور سخی بادشاہ تھا، مصوری میں اس کو خاص دخل تھا اور موسیقی اور شاعری کے میدان میں اس کی ٹھکر کا کوئی دوسرا موجود نہ تھا، وفائی اس کا تخلص ہے، علماء اور شعرا کی صحبت سے اسے بے حد دلچسپی تھی اور وہ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے اس کی حکومت کے پچیس سال کے عرصہ میں دربار بیجا پور میں اردو کی کچھ ایسی زیادہ نشوونما نہ ہوئی اسلئے کہ اسمیل پر ایرانی خاتون کی گود میں پرورش پانے کے باعث فارسی کا اثر بہت چھایا ہوا تھا حالانکہ اس کی ماں وکن کی ایک ہندو شہزادی تھی۔ اس ایرانی اثر کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ ایرانی اور ترکی رسومات، موسیقی اور زبان کا کھنسی سے زیادہ دلدادہ تھا مگر لہذا ذکر کو اس نے شاید ہی استعمال کیا ہو۔

۱۵۱۰ء۔ اسی سلسلہ میں یہ قصہ بڑی دلچسپی سے پڑھا جائے گا جس کو ابراہیم شیرازی نے اپنی تاریخ فتوحات عادل شاہی میں بیان کیا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں وکن میں فارسی سے زیادہ ہندی زبان رائج تھی۔ اگر کوئی فارسی میں شگرت کرنا یا سخن فنی دکھانا تو غالباً تعجب کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ نیز اس زمانہ میں ہندی یعنی (اردو) عام ہو گئی تھی امرابھی ہندی کے ماہر ہوتے تھے۔ لیکن زمانہ اور ملک کے اس رجحان کے خلاف یوسف عادل شاہ نے اپنے لڑکے اسمیل کو ہندی سے باز رکھنے کی کوشش کی تو اس کو شہادت دیتا ہے کہ کام لیا ہوا۔ باقی صفحہ ۲۷ پر۔

تاہم اس دور میں اردو عام لوگوں میں ترقی کر رہی تھی چنانچہ ہم کو اس زمانے کے تاریخی مصرعے و شہادتیں
ہوئے ہیں جن پر یہ سنین درج ہیں۔

۹۱۹ء و ۹۲۵ء مر اس سن کے دو تاریخیں ہیں ۹۱۹ء، ۹۲۰ء، ۹۲۱ء، ۹۲۲ء، ۹۲۳ء
علاوہ ان کے اس عہد میں شاہ برہان الدین جانشین نے چند کتابیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر ہم آگے چلکر
کرینگے۔

سلسلہ زوت صفحہ ۲۰۔ بہت ممکن ہے کہ یوسف نے اسماعیل کو اس لئے ہندی سے باز رکھا ہو کہ اسکی بیوی خود ہندو تھی اور اسلئے وہ
سرائے ہندی کے اور کوئی زبان نہ سیکھتا اور اس طرح درباری امرا میں کم لیاقت سمجھا اور بری نظروں سے دیکھا جاتا۔ مونی لکھتا ہے
”آوردہ اند کہ مولانا شہیدی تھی در خدمت این بادشاہ بجاہ کمال تنزیب داشت۔ و اکثر نسبت بد دیگر ہمارے کارا گاہ
گستاخی کا زیادہ بود۔ روزے از روئے نشاط مقرران تعین از تصانیف بادشاہ راجی آسودند و کمر آ حضرت فی زمرود
دفعے کو این دقیقہ و امان آن فن بردہ می توانستند فرگفت و تحینہا میکردند و ہر چند کہ بنوا استند شل بادشاہ بیاموزند و ہندو
شان بنو ہلا شہیدی بگستاخی و آردہ از روئے اوپ عرض کرد کہ شہر یار صاحب قدر سلامت باشد تو لہ خسر و افاق و دلک
و کن واقع شدہ و دلک دیگر نمیدہ اند۔ این قدر حقان و وقایع فارسی و ترکی و غیرہ را چنان ضبط نمودہ اند و اصلاً متوجہ
زبان ہندی نشدہ اند۔“

بادشاہ فرشتہ خصال فرمودند کہ در ان حین کہ من طفل بودم پدر بزرگوار من خواجہ سلطان محمد کاشی را استدعا و سفر
کردہ بلکہ سادہ فرستادہ قریبے مارا طلب نمودند۔ و ایشان بانکہ زمانے با قبیلہ غو متوجہ ہندوستان شدہ نہ۔
و غلام کبیر نغمہ پرداز از کچی و کس انقد ہمراہ آوردند کہ خدمتگاران ہندی مردود شدہ نہ۔

و ہم تکفل خدمت میں کرو چوں بن شش ساگی رسیدیم بہ کتب فرستادہ ملاے فارسی زبان قرار داد و انکہ و انکہ
ترکی زبان صاحب حیثیت برین نگاشت۔ و مرا از اخطا و ہمزبانی اہل ہند مانع آمد بر تہ کہ احدے را نہ مرہ آن جو کہ
در مجلس میں غیر از ترکی و فارسی حرف زد۔ و چون پدرم بہ اہل تجارت رتی و فتنی بہات میں بدست محمد آغا کے ذوالقدر ہو کہ
زبان ہندی را بیکو میدانت۔ انچہ ہندی می شنود بلکہ ترکی میں می گفت۔ بدین سبب جمع را بہمت اہل ہند ر فتنیست از نقش
و صورت ایشان محفوظ نمیت۔“

ابراہیم عادل شاہ اول

۱۵۳۷-۱۵۵۷

۹۴۱-۹۶۵

ابراہیم اسماعیل کاسب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ مذہب، عادات و اطوار اور خیالات کے لحاظ سے وہ اپنے باپ دادا کی بالکل ضد تھا؛ اُس نے علانیہ طور پر شیعہ مذہب کی تردید کی اور خطبوں و اماموں کے ناموں کو نظر آکر اہل سنت و اکبریت کے رسومات کو جاری کر دیا، وہ ایرانی رسم و رواج کا بالکل خلاف تھا، اُس نے اکثر دکنیوں ہی کو اپنے دائرہ ملازمت میں جگہ دی، عہد بہمنہ کی طرح اس نے بھی ملکی حسابات کو جو فارسی زبان میں تحریر کئے جاتے تھے اُردو میں تبدیل کر دیا، یہ کام برہمنوں کے سپرد کیا گیا تھا جنہوں نے بہت جلد حکومت میں اپنا وقار قائم کر لیا۔

یہ ایک مکملی ہوئی حقیقت ہے کہ اس بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے بیجا پور میں اُردو کی نشوونما ہونے لگی، اور اگر ابراہیم دکن میں فارسی اثر کی مخالفت کی ہمت نہ کرتا تو بیجا پور میں اُردو کو شاید ہی چلنا پھوٹنا نصیب ہوتا۔

ابراہیم کے بعد اگرچہ اس کے بیٹے اور حقیقی وارث علی نے اس بات کی مکذ کو شش کی کہ پھر سے فارسی کو دکن میں رائج کیا جائے لیکن ابراہیم کی ان ان تحک کو ششوں کا اثر استغراق غالب تھا کہ علی کی مخالفت سے اُردو کی شہرت اور مقبولیت کو کوئی گزند نہ پہنچ سکا۔

تاہم یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ باوجود ابراہیم کی سسر پرستی کے ہیں اس دور کا کوئی اُردو کارنامہ نہیں ملتا۔ البتہ شاہ برہان الدین جہانم کی چند تصانیف دستیاب ہوتی ہیں جن کا ذکر

ہم علی کے دور میں بالتفصیل کرینگے کیونکہ اُنہوں نے اس دور کے آخر آخریں انتقال کیا ہے ابراہیم
 کے عہد کے دو تاریخی قطعے ہیں جن پر سنیں ۹۵۳ھ اور ۹۶۵ھ درج ہیں۔

۱۔ علی عادل شاہ کی علم دوستی و فیض کے متعلق فتوحات مادل شاہی میں لکھا ہے کہ ”چون آوازہ جود و سخاوت او در عرصہ بیحسب شہرت کرد۔ از اقطار عالم ارباب استعداد رو برآوردند۔ بعضیں ہائے کلی رسید تا بحد کے کہ وہ ایام از شیراز قریب بدہ ہزار نفر از ارباب استحقاق آمد و با تجمل تمام بازگشتہ بدیار خود۔ روزے درویشے مراد نام از بہدان برسہ راہ جهان پناہ آمدہ معصے گذرانید۔ فرمودہ پاؤشاہ اور راجخانہ عامرہ بردہ سرحد و تبا کشوروند وغلو کہ از میں ساختہ بودند و ملع کوہ بودند در بعضی پنجہزار ہون و در بعضی دہ ہزار ہون۔ فرمودند انچی توانی بردار۔“

خوفنے پنج ہزار ہون برداشت۔ مثل این بخشش کر از اس بادشاہ واقع شد۔..... اگر کتب شرح

شاہ برہان الدین جانم (۹۹۰ھ)

شاہ برہان الدین جانم، شاہ میراں جی کے بیٹے اور خلیفہ تھے باپ کی تعلیم و ترتیب سے وہ بہت جلد ایک جید عالم اور بڑے صوفی بن گئے، اُردو زبان ہی میں تلمیقین کیا کرتے تھے، انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

- ۱۔ صیت الہادی۔ ایک مثنوی ہے جس کا موضوع تصوف ہے۔
- ۲۔ سکھ ہیللا۔ ۵۶ شعروں کا ایک ترکیب بند ہے جس میں ایک خاص مصرع ہر تین بند کے بعد دہرایا جاتا ہے اس میں مریدوں کو خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی گئی ہے۔
- ۳۔ شفقت الایمان۔ ۱۲۰ اشعار کی ایک مثنوی ہے اس میں دہریوں کے اعتقادات بیان کئے گئے ہیں اور مریدوں کو ان سے پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اسلوب بیان کے لحاظ سے یہ شاہ برہان الدین کا بہترین کارنامہ ہے۔
- ۴۔ نکتہ واحد۔ خدا کی توحید پر لکھی گئی ہے۔ اس قسم کی دو نظمیں ہیں ایک بارہ اور دوسری انیس شعری۔
- ۵۔ نسیم الکلام۔ ۵۴ شعروں کی ایک نظم ہے جس میں قسم آتی آیات اور احادیث پر شیعہ لکھی گئی ہے۔
- ۶۔ رمزا الواصلین { ان دونوں تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں
- ۷۔ بشارت الذکر
- ۸۔ حجت البقاء۔ ۱۰۵ شعروں کی بزرگی اور اسکی وحدانیت اسکا موضوع ہے ایک لڑکے معتقد کے مکالمہ کے پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔
- ۹۔ بیان خلاصہ۔ اس نظم کے تعلق انجمن ترقی اُردو کے سکریٹری کو بن کے یہاں بھی یہاں نسخے محفوظ ہیں انجمن

لاحظہ ہو نوٹ صفحہ ۳۱ سخاوت این بادشاہ را بنویسد و خاتر دیگر بایک کہ اسچہ بادریشان وطن و فضلا کمال مرحمت و شہت و اکثر اوقات با ایں طبقہ صحبت می داشت“ (درق ۱۲۳)

”در مکتب میل تمام دانشمند از این جملہ چار صد صدوقی کتاب و سفر با ہمراہ میداشتند کہ انچندین ہزار جلد کتاب برچیدہ بودند“ (درق ۱۲۹)

اُن پر ایک مضمون بھی لکھا ہے یہ شبہ ہے کہ آیا یہ شاہ برہان الدین جی کی نظم ہے یا اُن کے پیرو کی، بہر حال اتنا تو نہ دریقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسی دو کی تصنیف ہے۔

۱۰۔ ارشاد نامہ۔ شاہ برہان کی اب تک متبنی نظمیں حاصل ہوئی ہیں اُن میں سب سے طویل اور مکمل نظم ہی سب سے اس میں دو ہزار پانسو شعر ہیں۔ خدا رسول اور شاہ میراں جی کے نام سے یہ کتاب شہ جمع ہوتی ہے، اُن کے بعد شاعر نے اپنے باپ کی طرز پر اس نظم کو اردو میں منظوم کرنے کے وجوہات بیان کی ہیں، نظم کا زیادہ حصہ مکالمہ کی صورت میں ہے، اس میں صوفیانہ اصول اور اعتقادات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان کی تمام نظموں کا قریب قریب ہی موضوع ہے ختم پر شاہ برہان الدین نے منظوم کرنے کی تاریخ ۹۹۹ھ ورج کی ہے ان کی وفات کی تاریخ بھی غالباً یہی ہے۔

۱۱۔ شاہ برہان نے دوسرے اور غزلیں بھی لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک صوفی بلکہ ایک باندق شاعر بھی تھے۔ انہوں نے اردو نثر میں ”کلمات الحق“ کے نام سے ایک قابل ذکر کتاب بھی تصنیف کی ہے اس کو زیادہ اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ دکنی زبان کی تحقیق کرنے والوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی ہے۔

شاہ برہان الدین کے کارناموں کی چند خصوصیات

- ۱۔ ان کا اسلوب بیان میراں جی کی تصانیف سے زیادہ سادہ ہے۔
- ۲۔ انہوں نے حتی الوسع فارسی اور عربی الفاظ کو استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے۔
- ۳۔ باپ کی طرح ان کی نظمیں بالکل صوفیانہ خیالات اور اعتقادات سے مملو نہیں ہیں بلکہ ان کے پڑھنے سے شاہ برہان کے ذوق شعری کا بھی پتہ چلتا ہے۔
- ۴۔ ان کے نظموں کے لفظوں کے لئے کافی مواد پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اس وقت بھی ہم کو ان کے ... اشعار محفوظ ملتے ہیں۔

اُردو ادب کا سنہری دور

آخری چار تاجداروں کے عہدیں

۱۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی

اس بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے بیجاپور میں اُردو پہلنے پھولنے لگی، اُس نے ۲۶ برس تک حکومت کی، اس طویل مدت کی وجہ سے حکومت کی جڑیں اس قدر مضبوط ہوئیں کہ مہاراجہ حکومتوں کو بیجاپور کے معاملات میں دخل دینے کی کبھی جرات نہ ہوئی، اس بادشاہ کا آخری زمانہ بیجاپور کے لئے واقعی سنہری دور ہے کچھ کم نہ تھا اور اس کے فرزند محمد کے عہد میں تو یہ تمدن معراج کمال پر پہنچ گیا تھا۔

ابراہیم نہ صرف اپنے فیاض اور علم دوست چچا، علی کا جانشین ہی تھا بلکہ بحیثیت ایک عالم، ادیب اور شاعر اور ماہر موسیقی ہونے کے اس کو کافی شہرت حاصل تھی، فارسی زبان کے علماء اور شعراء سے اس کا دربار بھر اہوا تھا اس واسطے دربار اکبری کے ہندوستان میں اُس بیجا شاہنشاہ اور دربار کوئی اور نہ تھا چنانچہ ابوالقاسم فرشتہ اور رفیع الدین ابراہیم شیرازی جیسی معروف ہستیاں جن کے کارنامہ اس زمانہ کی مستند تواریخ ہیں داخل ہیں اس کے دربار کے رکن تھے، بڑے بڑے شعراء و مصنفین جن میں ملاظہری، ملا باقر، ملک قسمی، عبدالقادر نورسی شامل ہیں اس کے دربار میں موجود تھے، علماء میں رشید ابستگی، مولانا حیدر زہنی، مرزا عظیم، حکیم آتش کی نام قابل ذکر ہیں، شاہ خلیل اللہ خطاطی کے ماہر تھے، خود ابراہیم نے موسیقی پر نورس نامی ایک کتاب تصنیف کی ہے جس پر ظہودی جیسے بلند پایہ شاعر نے قدیم لہجے

ابراہیم اردو کا زبردست سرپرست تھا چنانچہ جب اپنا دارالسلطنت تبدیل کیا ہے تو اُس نے خود اُس کا، اور محلوں باغوں اور گلی کوچوں کے خاص اُردو نام رکھے۔

اُس نے اُردو زبان کی جو سب سے اعلیٰ خدمت انجام دی ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام اُردو زبان کے محسنوں کی فہرست میں سب سے اول آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے گجراتی شاعروں اور محلوں کو بیجا پور میں آبنے کی دعوت دی۔

ان دنوں گجرات ایک ایسا مقام تھا جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے جلتے رہتے تھے اور فی الحقیقت یہی وجہ اُردو زبان کے ارتقا کا باعث ہوئی، نیز گجرات میں مسلمان بادشاہوں کی طویل اور اطمینان کی حکومت نے مصنفین کو تالیف و تصنیف کا کافی موقع دیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں خاصی ادبی پیداوار ہوئی جس کے چند نمونے یورپ کے بعض کتب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔

لیکن اکبر کی فرستادہ مغل فوجوں کے حملوں نے گجرات میں اُردو کی اس دن دونی اور رات چوٹی ترقی میں روزے اٹکائے اور اس پر ہی کیا منحصر ہے ان حملوں نے تو سلطنت ہی کے شیرازہ کو درہم و درہم کر دیا۔ جب گجرات سے امن و امان رخصت ہو گیا اور شاہی دربار کا بھی خاتمہ ہو گیا تو شاعر اور ادیب بے سروسامانی کی حالت میں ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے، ان میں سے جو اپنے وطن ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے اُن کو مغلوں نے کئی طرح کی سختیوں کی تھالیوں پر بچائیں اور اُن بیچاروں کو ”قبر درویش برجان درویش“ کے بمصداق طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہونا پڑا۔ ایسے نازک موقع پر ابراہیم نے نہایت عقل مندی اور فیاضی کا کام کیا، اس نے اپنے آدمیوں کو پیش بہا تحائف اور سوغات دیکر گجرات روانہ کیا تاکہ وہاں کے علماء اور شعرا کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیں، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہم گجرات کی ادبی عظمت کے چمچم کو بیجا پور پر لہراتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مشہور و معروف ہستیوں کے علاوہ اکثر عام لوگ بھی بیجا پور بھاگ آئے تھے اور ان گجراتیوں کا اس قدر اثر ہو گیا تھا کہ بعض دہشت بھی اپنی گجراتی آمیز زبان کو گجری کے نام سے موسوم کرنے لگے۔

ابراہیم پہلا بادشاہ تھا جس نے اُردو میں ایک لمبی نظم لکھی ہے اس کا نام ”نورس“ اور موضوع موسیقی سنسکرت اور ہندی جو کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور جو ہندوستانی جامعات کے نصابوں میں داخل ہے، اسی

اردو کا رنار کے دیباچہ کے طور پر لکھی گئی ہے اور اس میں اس کے ابواب پر نہایت وضاحت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں بہت سے اردو مصنفین موجود تھے لیکن بد قسمتی سے ان سے متعلق بہت کم مواد موجود ہے، بہر حال راقم نے بارشاعروں کا پتہ چلایا ہے جنہوں نے ابراہیم کے زمانہ میں عروج پایا۔ قبل اس کے کہ ان شاعروں کا ذکر کیا جائے بہتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اردو تاریخی مصوروں کے سین بچ کر رہے ہیں جو اس زمانہ سے متعلق ہیں اور جن کو راقم نے فارسی خطوط سے حاصل کیا ہے، ایسے صرف دس مصرعے ہیں جن میں ذیل شامل ہوتے ہیں۔

۹۹۲ھ، ۹۹۳ھ، ۹۹۴ھ، ۹۹۵ھ، ۹۹۶ھ، ۹۹۷ھ، ۹۹۸ھ، ۹۹۹ھ، ۱۰۰۰ھ اور ۱۰۰۱ھ (اس سن کے چار تاریخی قطعے ہیں)۔

آتش

حکیم سید آتش ایک بہت بڑا فارسی شاعر، عالم اور طبیب تھا، اور دیوانہ اور گلاستہ عیاویں صاف طور پر مذکور ہے یہ اردو میں بھی نہیں لکھا کرتا تھا۔

راقم نے اس کی زندگی کے حالات کا پتہ دستند ذریعوں سے چلایا ہے، ایک تو ”فتوحات عادل شاہی“ ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ آتش جوان تھا اور دوسری ایک تاریخ ہے جس کا ذکر ”احوال“ کے مصنف نے کیا ہے یہ اس وقت لکھی گئی تھی جبکہ آتش بوڑھا ہو گیا تھا۔

پہلی کتاب سے ہیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آتش کا تعلق شیراز کے ایک معزز یہ خاندان سے تھا۔ آتش اس کا خاندانی نام تھا اس کی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ آتش کے اجداد میں سے کوئی یہ قیامت کرنے کے لئے کہ وہ بچا یہ سب سے آگ میں کود گیا تھا اور بغیر کسی ضرر کے باہر نکل آیا اس وقت سے اس خاندان کا نام آتش پڑ گیا، جس وقت یہ کتاب لکھی گئی ہے (اس وقت) اگرچہ آتش بہت ہی نوجوان تھا تاہم اس کی اعلیٰ قابلیت اور اخلاق نے اسے لوگوں میں بہت مشہور کر رکھا تھا۔ فتوحات کا مصنف جو اس وقت بہت بوڑھا آدمی تھا نوجوان آتش کی قابلیت سے بے حد مرعوب معلوم ہوتا ہے اس نے خود آتش کے بے مد شعر پڑھے ہیں اس کی رائے ہے کہ آتش نے شاعری کے تمام اقسام مثلاً

غزل قصیدہ مثنوی رباعی وغیرہ پر خام فرسائی کی ہے لیکن باوجود اس قدر بلند پایہ شاعر ہونے کے اس کے مزاج میں تکبر اور غرور نام کو موجود نہ تھا۔

اس کی شاعری کی خصوصیات اور شخصی کردار کی تعریف کرنے کے بعد مورخ نے اس کی طبی قابلیت کا ذکر کیا: آتش شہابی بلیب تھا اور شاہی محل میں اس کی بے حد آؤ بھگت ہوتی تھی ایک دفعہ وزیر اعظم سخت بیمار ہو گیا تھا تمام حکیموں نے آس چھوڑ دی اس وقت بادشاہ نے آتش کو اس کے علاج کا حکم دیا وہ اس کے علاوہ سے دو تین ہفتہ کے اندر اچھا ہو گیا اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام کے علاوہ اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا۔ وزیر اعظم نے بھی دو بڑے ہاتھی، کئی عربی النسل گھوڑے، قیمتی پوشاک اور جواہرات عطا کیے آتش نے اس وقت اپنی کتاب ”عادل نامہ“ ختم کی تھی یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں شاہی بیجا پور کی لڑائیوں کا ذکر ہے۔

دوسری کتاب میں آتش کے متعلق اور کچھ مواد نہیں ملتا البتہ اس میں اتنا ضرور لکھا ہوا ہے کہ فارسی شاعری کے علاوہ اردو میں بھی لکھتا تھا اس کتاب میں اگرچہ اس کی زندگی کے کچھ ایسے زیادہ واقعات بیان نہیں کیے گئے ہیں تاہم آتش کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اردو کارناموں کی ان دنوں کافی شہرت تھی مگر قسمتی سے اس وقت کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

مقامی

آتش کی طرح مرزا محمد مقیم بھی بہت بڑا فارسی شاعر تھا استرآباد (ایران) کے ایک سید خاندان کا رکن تھا بچپن ہی میں اس کا باپ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے اسے اپنے ساتھ عربستان لے گیا تھا زیارت کرنے کے بعد وہ شہر ازہر پہنچے جو اس وقت فارسی علم و ادب کا مرکز بنا ہوا تھا، بد قسمتی سے یہاں اسے باپ کا انتقال ہو گیا اور مقیم کو کسی سرپرست کی ضرورت لاحق ہوئی اس نے فوراً ہندوستان کا رخ کر لیا اور یہاں پہنچ کر بیجا پور کے فیاض دربار میں پرورش پائی جس وقت فرزدنی نے اپنی تاریخ ختم کی ہے تقریباً نوجوان تھا لیکن اس پر بھی اس تاریخ میں اس کا ذکر ہے اور اس میں مقیم کو عالم تو نہیں البتہ اچھا شاعر ضرور بتلایا گیا ہے۔

احوال میں بھی شاعری کی بہت کچھ توصیف کی گئی ہے، اس کی ترتیب کے وقت یہ بلند پایہ شاعروں میں شمار کیا جاتا تھا اس کے فارسی دیوان نے ادبی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور وہ اردو میں بھی نظمیں لکھتا تھا۔

ہمعصر موزنین نے مقیمی کے اردو کارناموں کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا لیکن اس کے ہمعصر بیجا پور کے شاعر امین نے اس کی ایک مثنوی کا ذکر اپنی کتاب ”بہرام و بانوسن“ میں کیا ہے جس کی تکمیل ایک دوسرے شاعر دولت کے ہاتھوں ۱۸۵۷ء میں ہوئی، امین کہتا ہے کہ جب میں نے مقیمی کی نظمیں پڑیں تو مجھے بھی اردو میں نظم لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ لیکن اس نے مقیمی کی مثنوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ البتہ اسپرنگر کے کینلاگ میں دو دکنی مثنویوں کا ترجمہ چلتا ہے جو ایک قدیم شاعر مقیمی نے نظم کئے ہیں، ایک ”چندر بدن و ماہیار“ ہے جس میں تقریباً ۵۵۰ شعر ہیں اور دوسری سوہار کی کہانی ہے جس میں ۲۵۰ شعر ہیں۔

پہلی مثنوی تو انڈیا آفس لائبریری میں بھی محفوظ ہے لیکن کینلاگ میں غلطی سے اس کو کسی شاعر عزیز سے متعلق کیا گیا ہے، شاید یہ غلطی ورق ۱۰۶ پر ملے ہوئے ایک شعر سے ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے ”اب اسے میرے دوست، اس قصہ کا مقصد بیان کر“ نہ یہ کہ ”شاعر عزیز اس قصہ کے لکھنے کا مقصد بیان کرتا ہے“ مصنف کا حقیقی غلط اور اوراق ۱۰۵، ۱۰۶ اور ۱۰۷ پر تحریر ہے۔

مثنوی میں ایک جگہ مصنف غواصی کی کتاب ”سیف الملوک و بدیع البحال“ کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ گویا اس نے دیکھا ہے۔ اس سے یہاں ایک یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا مقیمی گوگلنگ کا شاعر تو نہیں تھا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے راقم نے اس زمانہ کی گوگلنگ کی تاریخوں کا مطالعہ کیا لیکن کافی تحقیق کرنے کے بعد بھی اس نام کا کوئی شاعر نہ ملا۔ عہد افند قلع شاہ کی سہ کاری سواخمتری مولفہ نظام الدین احمد کے مطالعہ سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک درباری طاہرہ متیم کا ذکر ہے جس پر اکثر بادشاہ کی عنایت و نوازش رہا کرتی تھی، اس کو مغلوں کے پاس اور بالخصوص اورنگ زیب کے پاس جہنیت ایک سیفر کے روانہ کیا گیا تھا لیکن کہیں بھی اس کو شاعر نہیں بتلایا گیا ہے تاہم برہن ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ مقیمی جس نے ”چندر بدن و ماہیار“ لکھی ہے بیجا پور کا شاعر تھا اور بلاشبہ وہ اردو نظمیں لکھتا تھا۔

۱۔ دیکھ برٹش میوزیم مخطوطہ انڈین فہرست ۲۶۲ ورق ۳۰ تا ۳۱۔
۲۔ دیکھ بہرام و بانوسن برٹش میوزیم مخطوطہ انڈین فہرست ۲۶۵ ورق ۲۱۔

یہ بہت ممکن ہے کہ غوامی کی ثمنوی استاد شہور ہو گئی تھی کہ اس کو بیجا پور کے شاعر بھی بڑا کرتے تھے اور نصرتی کی طرح
تبعی نے بھی اپنی کتاب میں اسکا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

انڈیا آفس کے مخطوط میں اس کے منطوم کرنے کی تاریخ درج نہیں ہے لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ
چندربدن ۱۰۳۵ھ جبکہ سیف الملوک و بدیع الجلال لکھی گئی اور جس کا اس میں ذکر بھی ہے (۱۰۳۸ھ) جب کہ دولت
نئے بہرام دہانوس کی تحویل کی اور جس میں اس کا بھی ذکر کیا ہے اس کے در بیان نظم کی گئی ہے۔

یہ ثمنوی دکن کے جدا و بچہ پیداواروں سے ہے مصنف اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے یہ کہانی کہیں
سے چرا کر نہیں لکھی، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی آپ تعریف کرنا بھی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ ”ایسا کرنا ادنیٰ اوچھا
حاشیہ ہے“ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بحیثیت فارسی زبان کے ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے وہ اپنے اردو کارنامہ پر فخر
کرنا نامناسب سمجھتا ہو۔

مقامی کا اسلوب بیان زیادہ دیکھ اور شاندار نہیں ہے مخطوطے میں خطاطی کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ قصہ با
نظر تی اور روزمرہ زندگی کے واقعات سے تعلق ہے ”قطب شتری“ سے کہیں زیادہ اس میں ایچ سے کام
لیا گیا ہے لیکن مؤرخ الذکر فن شاعری کے لحاظ سے بہت اہم اور برتر ہے چندربدن کا پلاٹ میر کی ثمنوی ”شعلہ
مشتق“ سے بہت ملتا جلتا ہے۔

امین

(قبل ۱۰۳۸ھ)

دکن کے ایک سے زیادہ شاعروں کا تخلص امین ہے جس کی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی
ہیں، اب تک کسی مصنف نے ان گتھیوں کو سلجھانے کی کوئی سہل نہیں نکالی راقم نے ان مشکلات کو دور کرنے کی اصلاح
کوشش کی ہے پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اہل ہے۔
راقم کے خیال میں چار مختلف شاعروں کا تخلص امین ہے اور شاید پہلے دو کا تعلق بیجا پور سے اور باقی
دو کا گوکنڈہ سے ہے۔

۱۔ امین۔ ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کا دہلی ۹۸۸ھ (۱۵۷۵ء) مصنف بہرام دہانوس۔

۲۔ شاہ دین، عام طور پر شاہ امین الدین اعلیٰ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں) علی عادل شاہ کے زمانہ کے (دع)

۱۰۶-۸۳ متقدم مذہبی اردو کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ امین عبدالمطلب شاہ کے زمانہ کا (۱۰۳۵-۸۳) مصنف قصہ یوسف

۲۔ شیخ محمد امین جس نے مغلوں کی فتح دکن کے بعد عروج پایا مصنف ”یوسف زلیخا“

آخری تین شاعروں کا ہم مناسب موقعوں پر ذکر کریں گے لیکن یہاں صرف پہلے امین سے بحث کیجاتی ہے
برٹش میوزیم کے کیٹلاگ میں اس کی مثنوی بہرام و بانو سے حن کا ذکر ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اس کا
مصنف دولت نامی شاعر تھا لیکن راقم نے اس کے دیباچہ اور خاتمہ سے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ اس کا
مصنف دولت نہیں بلکہ امین ہے۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امین نے اس کام کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل دولت کے ہاتھوں ہوئی
جس کا ذکر ہم آگے چل کر محمد عادل شاہ کے دور میں کریں گے اس نے خاتمہ پر امین کا ذکر کیا۔
امین کے بیجا پوری شاعر ہونے کا ثبوت ذیل کے واقعات سے ملتا ہے:

۱۔ دیباچہ میں اس نے بیجا پور کے کارنامہ یعنی مرزا میقم کی مثنوی کا ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا
۲۔ دولت جس نے اس کی کتاب کی تکمیل کی بیجا پوری شاعر تھا گو لکندہ میں اس نام کا کوئی شاعر نہ تھا
مزید براں یہ کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا کہ گو لکندہ کا ایک شاعر اس کو ختم کرے جسکی بنا بیجا پور کے شاعر نے دلی
امین کی مثنوی سے اس کی زندگی کے حالات پر کچھ ایسی زیادہ روشنی نہیں پڑتی صرف اتنا معلوم ہوا
ہے کہ وہ مذہب اسلام کے حنفی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور ایک صوفی بزرگ شاہ عالم کا مرید تھا اس نے اپنے
متعلق جو حالات لکھے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا دار آدمی نہیں تھا مگر شاعری کا اچھا ذوق رکھتا
اس نے اس مثنوی کے لکھنے میں اسی موضوع پر لکھی ہوئی ایک فارسی مثنوی کی تقلید کی ہے۔

برٹش میوزیم میں فارسی مثنوی کا ایک نسخہ ہے اس کا مصنف بھی امین ہے غالباً اردو شاعر امین نے
بھی اس مثنوی کو دیکھا ہو گا راقم نے فارسی مثنوی کا امین کی اس اردو مثنوی سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ
وہ فارسی تقریباً ترجمہ ہے۔

۱۔ دیکھو فہرست ہند۔ دستاویزات صفحہ ۲۰ محظوظ نمبر ۳

۲۔ دیکھو اس موضوع پر راقم کا تفصیلی مقالہ مطبوعہ محلہ مکتبہ بابت ۱۹۶۸ء نومبر صفحات ۲۷-۲۵

ایہ حقیقی معنوں میں شاعر تھا اس کے اسلوب بیان میں دانی اور سادگی پائی جاتی ہے۔

نوری

(تقریباً ۸۰۰-۸۱۰ م)

بعض مصنفین اس شاعر کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں بالعموم اس کو اس کے بعد کے نوری سے ملا دیا گیا ہے اس کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔
یہ نوری فارسی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ شہنشاہ اکبر کے دربار کے ملک الشعرا فیضی کا دوست تھا۔ قائم کہتا ہے کہ نوری شمالی ہند کے ایک شہر اعظم پور کے قاضی کا لڑکا تھا اور اس کی چند غزلیں جو قدیم طرز شاعری (اس کا مطلب یہ ہے کہ دکھتی شاعری میں بھی کمی لگتی ہیں اس زمانہ میں بے حد مقبول تھیں) سے

بعض مصنفین کا خیال ہے کہ یہ نوری ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں بیجا پور کو آیا اور چند اردو مرثیہ لکھ کر دکن میں اردو مرثیہ گوئی کی ابتدا ڈالی لیکن راقم کے پاس اس کو ماننے کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

محمد عادل شاہ

(۱۰۳۶-۱۰۶۶ھ)

محمد کا عہد حکومت ہر لحاظ سے بیجا پور کا سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے، اس نے نہایت شاندار اور پُر امن زندگی بسر کی، اُس کے زمانہ میں آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور ہندو مسلم اتحاد اپنے معراج پر تھا، بہر مضمون اور ہر زبان کی تعلیم کے لئے مدارس کھولے گئے اور ہر فن کا ایک علیحدہ استاد مقرر کیا گیا تھا۔ طالب علم کو ہر قسم کی مدد دی جاتی تھی، بادشاہ روز آٹھ صبح تین گھنٹے علماء اور شعراء سے ملا کرتا تھا، ہر سال محرم کے مہینہ میں، طالب علموں، عالموں اور ہندو ہی پیشواؤں کو نہایت فیاضی کے ساتھ تحفہ تحائف تقسیم کئے جلتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ابراہیم کے زمانہ کے علماء و فضلا، اس کے دربار میں بھی موجود تھے لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا ادبی دائرہ مقابلہ بہت وسیع تھا اس لئے کہ اس کے دربار میں علماء میں سے شاہ نور اللہ ملا محمد حسن اور ملا حبیب اللہ فارسی اور اردو شعراء میں سے ابراہیم صنعتی، مرزا دولت شاہ کمال خاں رستی اور ملک خوشنود جیسی مشہور و معروف ہستیاں موجود تھیں، ان کے علاوہ ظہوری کا لڑکا ظہور بھی اس کے دربار کا رکن تھا جس نے ”محمود نامہ“ کے نام سے اس دور کی ایک عمدہ تاریخ لکھی ہے۔

پانچ اُردو تاریخی قطعے جن پر سنیں ۱۰۳۶-۱۰۴۱ھ، ۱۰۴۱-۱۰۴۶ھ، ۱۰۴۶-۱۰۵۱ھ اور ۱۰۵۱-۱۰۵۶ھ درج ہیں۔ کے علاوہ اس عہد کی اردو کتابیں بھی اس وقت مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ لیکن ان کا بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطان کا ذکر کیا جائے۔

خدیجہ سلطان

بیجاپور میں ادب اردو کا نہری دور اس طویل القدر ملکہ کامنوں احسان ہے جس نے عرصہ دراز تک سلطنت عاقل شاہی کی ادبی اور سیاسی کارروائیوں میں زبردست حصہ لیا ہے، اس کا پورا نام خدیجہ سلطان شہر بانو تھا اور اس کو اکثر بڑے صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا، ملکہ قطب شاہ کی دختر اور عبداللہ قطب شاہ کی بہن تھیں۔ کی وجہ سے اس کا بچپن گولکنڈہ کی ادبی فضا میں گزرا اور اس کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی جو ابراہیم قطب شاہ کی آبیاریوں کی وجہ سے ادب اردو کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔

ملکہ عادل شاہ سے شادی ہونے کے بعد وہ بیجاپور آئی تو یہاں ہی اسے وہی ادبی ماحول نظر آیا کیونکہ اس کے خسر ابراہیم عادل شاہ نے بیجاپور کی ادبی فضا کو عربی پرست بنادیا تھا خدیجہ سلطان نے یہاں آکر بہت بلند سیاسی اہمیت بھی پیدا کر لی اور خاص طور پر عالموں اور ادیبوں کی سرپرست ثابت ہوئی۔

اگرچہ اس کی ادبی کارگزاریوں کی کوئی فہرست اس وقت ہمارے پاس موجود نہیں ہے تاہم اس بات کا کافی ثبوت یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانہ کی ادبی شخصیتوں کی زبردست سرپرستی کی ہے خود اس کے دربار میں کئی شاعر موجود تھے مگر خوشنود اس کا پسندیدہ شاعر اور ملازم تھا، آخر عمر میں جب کہ اس کا بیٹا علی عادل شاہ تخت نشین ہوا تو حج اور زیارت کے لئے عرب کے مقامات مقدسہ کو روانہ ہوئی، اس اہم واقعہ پر بیجاپوری شاعروں نے کئی نظمیں اور بیشمار تاریخی قطعے لکھے ہیں جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کو کستہ رہا تھے اور کتنی عزت کرتے تھے۔

خاور نامہ سے اس کی ادبی و فکری کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ یہ خود اسی کے ایما سے لکھا گیا تھا۔ اس اردو مثنوی کے فارسی خاتمہ سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ خدیجہ سلطان نے کسی خاص شاعر کو اس فارسی کتاب کے ترجمہ کرنے کے لئے نہیں کہا تھا بلکہ اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ جو کوئی بھی اس کتاب کا ترجمہ کرے گا اس کو بیش بہا انعام دیے جائیں گے اور وہ اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تصور کیا جائیگا۔

صنعتی

ابراہیم صنعتی بیجاپور کے اچھے شاعروں میں تھایہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی اس کی تصنیف ”قصہ حضرت تیمم انصاری“ کے دیباچہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں اس کی نشوونما ہوئی سلطان محمد عادل شاہ کا عہد حکومت بھی اُس نے دیکھا اسی آخری بادشاہ کے دربار کے اچھے شاعروں میں اس کا شمار ہوتا ہے جس کا ثبوت اس کی ان شاعرانہ قوتوں سے ملتا ہے جو قصہ ”حضرت تیمم“ میں ظاہر ہوئی ہیں۔

”صنعت“ و ”بساتین السلطین“ نے محمد عادل شاہ کے دربار کے علمائے ایک شخص مولانا ابراہیم صبیحی کا ذکر کیا ہے جس کا اثر نہ صرف دربار کے شعرا بلکہ خود سلطان محمد عادل شاہ پر بھی بے حد متاثر تھا چنانچہ اس کا نام ”بساتین“ میں سہ فہرست علمائے لکھا گیا ہے۔ بساتین کا مصنف نہایت عزت کے ساتھ اس کے علمی سحر اور انغلی قابلیتوں کا ذکر کرتا ہے غالباً یہ صنعتی ہی ہے جو کاتب کی غلطی سے بگڑ کر صبیحی ہو گیا ہے۔

صنعتی کا کلام بلند پایہ ہے۔ لطیف اور برجستہ تشبیہوں اور مصورانہ بیانات کے لحاظ سے قدیم شعراء میں۔ کسی کا کلام سوائے وحشی کے اس رتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اس کے محفوظ کتب خانہ سلیم جامعہ عثمانیہ اور نواب عنایت جنگ بہادر کے یہاں محفوظ ہیں۔

کمال خاں رستمی

(۱۸۱۰ء)

رستمی کو اکثر رسمی کہا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے اس کا اصل تخلص رستمی ہے رستمی اسماعیل خطاط خان کا بیٹا تھا جو بیجا پور کے دربار میں ملازم تھا اس کے آباد اجداد چچ پشت سے برہمیت خوشنویس کے یہاں ملازم تھے اسی لئے ان کو خطاط خاں کا خطاب دیا گیا تھا۔

رستمی نے بہت سے اردو قصیدے اور غزلیں لکھی ہیں مگر افسوس کہ اس وقت ان کا کہیں تپہ نہیں چلتا البتہ ثنوی ”خاور نامہ“ کے اختتام پر اس کا ذکر ہے یہ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک اچھا شاعر بلکہ ایک نثر نگار تھا اور فن شاعری کے لحاظ سے اس کے فارسی اور دکنی قصیدے اور غزلیں بہت جامع تھیں۔

خاور نامہ ابن حسام کی ایک فارسی نظم کا لفظی ترجمہ ہے یہ ایک رزمیہ نظم ہے جس میں حضرت علی اور آپ کے ہم عصروں کے درمیان جو لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے ان کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ نظم ۱۷۸۱ء میں بڑے صاحب خدیجہ سلطان کے ایامے لکھی گئی اور ڈیڑھ سال کے اندر پوری ہوئی اس میں چوبیس ہزار شعر ہیں اور شاید یہ دکنی زبان کی سب سے بڑی نظم ہے۔

یہ کتاب فردوسی کے شاہنامہ یا مولانا روم کی ثنوی کی طرز پر اصلی اپیانہ پر اور بڑی تقطیع پر لکھی گئی ہے اس میں تقریباً ہر صفحہ پر رنگین تصاویر ہیں اور بعض جگہ تو پورے صفحہ پر تصاویر اتری ہوئی ہیں اکثر تصویروں پر اشخاص کے نام درج ہیں اس مخطوطہ میں کہیں نہ تو کاتب ہی کا نام ہے اور نہ تو تاریخ کا حوالہ اس کی تقطیع

کاغذ خطاطی اور تصاویر کے دیکھنے سے اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ بجا پور کے شاہی کتب خانہ کے لئے لکھی گئی تھی مگر اس طرح کے اعلیٰ اور عمدہ مخطوطہ کو دیکھ کر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس میں عمدہ عمدہ تصاویر ہوں گی لیکن افسوس ہے کہ جب ہم اس کا گوگلنڈہ کے مخطوطوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ چیز بالکل بیہودہ معلوم ہوتی ہے یہ نظم خدا کی حمد اور اس کی مخلوق کی تعریف سے شروع ہوتی ہے جس میں شاعر نے آسمان اور ستاروں کا ذکر علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت کیا ہے دیگر منونات "انسان کی خصوصیات" "اس کی افضلیت" اور "مناجات" سے متعلق ہیں، موزن الذکر کی قدرنا مکمل نظر آتا ہے "مدینہ کی تعریف" پر بھی ایک علیحدہ عنوان قرار دیا گیا ہے، یہ نعت کا آخری حصہ ہے جس کے چند صفحات غالباً غائب ہیں۔

"راست" پر بھی رتھی نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے، حیرت اڑم ہے اس میں فردوسی کی تعریف کی گئی ہے اور شاعر یہ تصور کرتا ہے کہ وہ جنت میں ہے فردوسی کی تہ ویر بھی دی گئی ہے اس طرح ہے کہ ایک نوجوان آدمی، مختصر مویچہ اور ڈرامی کے ساتھ جنت میں دست بدعا ہے، اختتام پر رتھی نے اس نظم کی وجہ فصیف بھی بتلائی ہے۔ دیگر کئی شاعروں کی طرح رتھی نے بھی شاعری اور بلند پایہ شاعروں کی ابد الابد شہرت کے متعلق اپنے اعتقادات کا اظہار کیا ہے، اگرچہ اس نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں تاہم اس کے خیال میں کوئی بڑا اور مستقل کارنامہ دنیا کے آگے پیش نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جب کبھی وہ کچھ لکھنا چاہتا ہے خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کے پیشروں نے سب چیزوں کو بیان کر دیا ہے اور کوئی چیز ان سے نہیں چھوٹی اسی وجہ سے وہ کسی اچھی چیز کے ترجمہ کرنے ہی کو بہت مناسب سمجھتا ہے، چنانچہ جب خدیجہ بانو نے فارنامہ کے ترجمہ کے لئے اعلان کیا تو اس کے خیالات اور بھی مستقل ہو گئے، اور فارنامہ کا ترجمہ عمل میں آیا۔

ایک عجیب غریب بات یہ ہے کہ اس مثنوی میں بادشاہ کی تعریف نہیں کی گئی ہے مالا محکہ یہ چیز دکنی مثنویوں کی خصوصیات سے ہے۔ اختتام پر جب شاعر اپنی اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ چیز اس کے روزی پیدا کرنے کا باعث ہوگی تو اس وقت بھی وہ مبالغہ اور بڑائی سے کام نہیں لیتا اور صرف اتنا لکھتا ہے کہ یہ ایک شاہ نامہ ہے اور امید ہے کہ بادشاہ کو پسند آئیگا۔

اس مثنوی کی خوبی یہ ہے کہ زبان اور اسلوب بیان کے لحاظ سے یہ ان مثنویوں سے سادہ اور سلیس ہے جس کے ایک نامہ بدکھی گئیں۔ اتنی بڑی مثنوی ایسی استادانہ زبان میں لکھنا صرف شیخ کا حصہ ہے جس نے فنکاری میں بخت کی ہو اس کے اکثر حصے بیان نظم کے بہترین علوم ہوتے ہیں اس لحاظ سے بلاشبہ یہ مثنوی بجا پور کی تمام مثنویوں میں سب سے بڑی اور سب سے سادہ ہے۔

ملک خوشنود

(۱۰۳۵-۱۰۶۷ء)

یہ شاعر پہلے گوکنڈہ کا ایک غلام تھا اس کی پرورش محمد قلی قطب شاہ کے محل میں ہوئی، ایک ہوشیار نوجوان ہونے کی وجہ سے اسے محمد قلی قطب شاہ کی تہنادی، خدیجہ سلطان کے ہمراہ ظانگی نوکر کی حیثیت سے بجا پور روانہ کیا گیا تھا۔ جس وقت دہلیں دہا کے شہر کو روانہ ہو رہی تھی تو اثنائے سفر میں خدیجہ سلطان، ملک خوشنود کے من انتظام (یعنی جہیز کی حفاظت اور دیگر احکام کی تعمیل) سے اتنی خوش ہوئی کہ بجا پور آکر اس کی عزت افزائی کی اور محل ہی میں ایک اعلیٰ خدمت پر مقرر کیا۔

چونکہ ملکہ ادبیات کی سرپرست تھی خوشنود نے اس ماحول میں رہ کر بہت جلد ترقی کر لی جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ اس کی اعلیٰ شخصی خصوصیات نے اس کی معاشرتی حیثیت کو بھی بہت بلند کر دیا اور تصور ہے ہی عرصہ کے اندر اندر وہ درباریوں میں شمار کیا جانے لگا اور یہاں تک کہ ۱۰۳۵ء میں تو اس کو سفارت کا بھی اہل سمجھا گیا۔

گوکنڈہ کی مستند تاریخ حدیقتہ السلاطین میں خوشنود کے ان اعلیٰ خدمات کا ذکر ہے جو اس نے بحیثیت سفیر کے انجام دی تھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انکا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱۰۳۵ء میں محمد عادل شاہ، شاہ بجا پور نے اپنے وزیر اعظم خواص خاں کی خود سری سے تنگ آ کر اپنے سالے عبداللہ قطب شاہ کو گوکنڈہ پر امداد کی درخواست کرنی چاہی، اس مقصد کے لئے اس نے اپنے درباری شاعر ملک خوشنود کو تحفے تحائف دیکر گوکنڈہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر سارے ماجرایان کر کے ملک خوشنود کو

دولت

مرزا دولت شاہ، عادل شاہی دور میں، فارسی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا اور جیسا کہ احوال میں گورجی اردو زبان میں بھی نظمیں لکھا کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو نصرانی کا ہمصر بتلایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے پہلے کا شاعر ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ دولت علی شاہ کی سرپرستی کے اثر سے فارسی لکھنا چھوڑ کر نصرانی کی زیر نگرانی اردو لکھنے لگا ہو۔

چونکہ اس دولت کے علاوہ بجا پور کے شاعروں میں اس نام کے کسی دوسرے شاعر کا پتہ نہیں چلتا اس لئے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شاعر ہے جس نے ۱۷۷۸ء میں زمین کی ہیرام دباؤ سے حسن کی تکمیل کی ہے، اختتام پر دولت نے اپنے متعلق بہت کم باتیں لکھی ہیں اس سے صرف اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ دولت سیدوں کا بے حد شیدائی ہونے کے علاوہ بہت غلیظ آدمی بھی تھا۔

احوال کے مصنف نے اس کی شاعری کی جی کمال کر تعریف کی اور اس کے خیال میں دولت ایک بخمیدہ اور با مذاق شاعر تھا، اس کو استاد فن مانا جاتا تھا اور اس کے بہت متقدروں کا گرو تھے۔

اردو شہ پارٹ



علی عادل شاہ دہلی

علی عادل شاہ ثانی

(۱۰۶۷ - ۱۰۸۳)

باپ کے عہد حکومت میں، علی کی پرورش چونکہ نہایت ہی ہتم با نشان ادبی ماحول میں ہوئی اس لئے بچپن ہی سے اس کا سیلان طبع ادب کی طرف تھا، اس کی ماں ندیچہ سلطان ایک علم دوست عورت تھی علی پر اس کا بہت اثر تھا حتیٰ کہ علی جب بڑا ہو گیا اور بادشاہ بن بیٹھا تب بھی اس کا وہی اثر برابر قائم رہا۔ اس کی تعلیم اردو داں علماء کی صحبت میں ہوئی اور وہ دلی عہد کے زمانہ ہی میں ایک اچھا شاعر بن گیا۔ اسی زمانہ سے وہ علماء اور شعراء کو اپنے پاس بلاتا اور ان کی خوب آؤ بگت کرتا تھا اسے ادب سے استقدر شغف تھا کہ اپنے ساتھیوں اور حتیٰ کہ ملازموں کو بھی شعر کہنے پر مجبور کرتا تھا۔ مزید برآں شعر کہنے کی اسے خود اُمتشق ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی نظمیں خود درست کرتا تھا اسی لئے وہ "استاد عالم" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کا تخلص "شاہی" ہے۔

جب وہ تخت نشین ہوا تو اس کے باپ کے دربار کے فارسی گو شاعر بن میں مرزا مقیم شاہ نور اللہ مرزا دوست شاہ اور یکیم آتشی شامل ہیں اردو زبان میں شعر کہنے لگے، اس کا ثبوت اس زمانہ کی مستند تواریخ سے ملتا ہے ان تواریخ میں اس بات کا بھی حوالہ ہے کہ اس نے اردو زبان کے متعدد شاعروں کی سرپرستی کی اور نصرتی حکومت کی جانب سے ملک اشعار کا خطاب ملایا۔

یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ علی کے کارناموں کا کہیں پہ نہیں ملتا حالانکہ اس کے دربار کا مورخ نور اللہ

لکھتا ہے کہ شاہ ابو المعالی کے ذمہ اس کی تمام نغلیں جمع کرنے کا کام تھا رنم نے ایڈنبرا یونیورسٹی کے میاض مراٹھی میں شاہی یا شہی نامی شاعر کے دو مرثیے دیکھے ہیں جن میں ۱۰ شعر ہیں چونکہ علی عادل شاہ کا تخلص بھی شاہی تھا اس لئے ممکن ہے کہ یہ مرثیے اس کے نتیجہ فکر ہوں۔ اس عہد کے شعراء میں ہم کو ذوقی شاہ ملاک شاہ امین، ہاشمی، مرزا اور ایامی کے متعلق معلومات حاصل ہیں۔

نصرتی

اس کے والدین۔ ان کا مذہب اور پیشہ۔
نصرتی کے متعلق اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ یا تو برہمن تھا یا نو مسلم بکارسان داسی جس نے سب سے پہلے یہ بتلایا ہے کہ وہ برہمن تھا اپنے خیال کے ثبوت میں کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کرتا قدیم فارسی تواریخ میں صرف نصرتی کی شاعری کا ذکر ہے کہیں کسی نے بھی اس کے نسب پر کچھ نہ لکھا حالانکہ یہ اس زمانہ کے مورخین کا دستور تھا۔
دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ ہندو یا نو مسلم ہوتا تو مسلمان مورخین مثلاً صاحب حضرت غلام مرتضیٰ اوسہیرزادہ غلام محی الدین کبھی اس کی اس قدر تعریف نہ کرتے۔
جہاں تک خارجی شہادتوں کا تعلق ہے نصرتی کے اجداد کے متعلق سوائے مسلمان ہونے کے اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا علاوہ اذین اندرونی شہادتیں بھی ان کی تائید کرتی ہیں مثلاً۔
۱۔ فارسی اور عربی ادب میں نصرتی کی اعلیٰ معلومات، مذہب اسلام کی خصوصیات کا علم اور صوفیانہ عقائد پر عبور جس کا اس کی شاعری سے پتہ چلتا ہے اور خصوصاً مثنوی کے وہ حصے جو باکلیک مذہبی باتوں پر لکھے ہوئے ہیں اس بات کے علانیہ ثبوت ہے کہ وہ ہرگز نو مسلم نہیں تھا اور عادل شاہی دور میں ایک نو مسلم سے ان باتوں کی توقع کرنا بے جا ہے۔

۲۔ ”گلشن عشق“ میں نصرتی نے خواجہ بندہ نواز رحمہ کی مدح کے بعد اپنے اجداد کے متعلق لکھا ہے۔

۱۔ دیکھو تاریخ ادبیات ہندوستانی جلد دوم ص ۴۴۲۔۴۴۳

۲۔ دیکھو ۱۔ باتین۔ برٹش میوزیم۔ مخطوطہ اڈیشنل نمبر ۲۵ ص ۱۰۳

۲۔ احوال مولفہ غلام محی الدین برٹش میوزیم مخطوطہ اڈیشنل (۲۶۲۴۰)

۳۔ واقعات مرکزہ قاضی شیخ ابوالحسن مخطوطہ اڈیشنل (۲۶۲۴۰)

بہمہ اندھ کرسی بہ کرسی میری چلی آئی ہے بندگی میں تری
 جو ہوں میں بھی بندہ اسیر ہوا جو آیا ہوں تجہ بندگی میں سدا
 ۳۔ اسی میں علی عادل شاہ کی مدح کے سلسلہ میں وہ اپنے حقیقی پیشہ کا ذکر اس طور پر کرتا ہے:
 جو میں یک اہل میں سپاہی تھا فدا در گہے بادشاہی اتھا
 منجے تربیت کرتوں غاہر کیا شورا میں ہنر کا دے شاعر کیا
 ”گلشن عشق“ میں ایک اور جگہ اسی قسم کی ایک اہم شہادت ملتی ہے نصرتی لکھتا ہے کہ اس کا باپ ایک
 بیادرا در فرما نہر دار سپاہی تھا اور بادشاہ کے لئے ہمیشہ سرشار کر لئے کو تیار تھا، نصرتی کو وہ اعلیٰ سوسائٹی میں لیجاتا تھا
 اور قابل قابل استادوں کو مقرر کر کے اُس نے اسے تعلیم بھی دلانی۔

جو تھا منجہ پدریک خجاست آب قدیم یک سلمدار جمع رکاب
 اوٹ کام پر زندگانی سنے کر بستہ تھا جانفشانی سنے
 بنجانے بنم آپ نانیک کام اپس زندگی میں کیا خوب کام
 نظر دھر کے منج تربیت میں سدا رکیا میں بنجے اپستے کر جدا
 سکچہ منجہ تھے جانے کون ن ترسے پھرے لے بزرگاں کے مجلس سنے
 معلم جو میرے جتنے خاص تھے دھرن ہارا دمنج سول خلاص تھے
 بنجانے سبق کوئی میرا بار دل دھرن ہار تھے پیار ہو یا دل

ان تمام شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) نصرتی کے باپ دادا مسلمان سپاہی تھے۔

(ب) خواجہ بندہ نواز کے دل سے متفق تھے

(ج) اس کا باپ شاہی فوج میں سلح داری کے عہدہ پر مامور تھا۔

(د) وہ خود بھی بادشاہ کا سپاہی تھا اور شاید شہزادہ کے ہمرکاب رہا کرتا تھا اس کے بعد علی نے

اپنی دلی عہدی کے زمانہ ہی میں اس کو شاعری کی تعلیم دلوائی۔

۲۔ اس کی ابتدائی زندگی۔

نصرتی ان چند قدیم شاعروں سے ہے جنہوں نے اپنی زندگی کے متعلق کچھ حالات چھوڑے ہیں گلشن عشق

عنوانِ حبِ حال خود کے تحت اُس نے صاف طور پر یہ بتلایا ہے کہ اس کا باپ اس کی کافی دیکھ بھال کرتا تھا، اسے اپنے ساتھ رکھا کرتا اور جہاں جاتا بھی اپنے ہمراہ لے جاتا کرتا اس نے اُس کی تعلیم کے لئے کئی اُستاد مقرر کئے جو اس پر خاص طور سے مہربان تھے اور اسی وجہ سے تعلیم سے اس کا جی اُکتا تا نہیں تھا، علاوہ ازیں اُس نے بچپن ہی میں کئی ایک کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس میں شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا۔

کچھ یک جب بے حال میں اپنا شعور
گیا کر گستاخاں پہ اکشر عبور
نمایا ہر یک طسبع کا پھول بن
رکھا دل میں قس باغبانی کے فن
دیکھا جوں جو ہر بزم میں کر خیال
حرفیاں کئے ہیں سو سرت مال
بھی بیخ پر معشوق ہو شوق تھا
اپس کے نظارے میں نہتِ ذوق تھا

16079

اس کی شاعری سے بھی ان واقعات کی تائید ہوتی ہے جن سے فی الحقیقت یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی میں اسے کافی مہارت حاصل تھی اور اس کی مذہبی معلومات بھی نہایت پختہ تھیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نصر قی بہت دنوں تک سپاہی نہیں رہا اس لئے کہ شہزادہ علی نے اس کو اس زمانہ ہی میں تعلیم دلوائی جب کہ دلاؤ نوجوان تھے، شہزادہ کی عمر اس وقت شاید سولہ یا ستر برس کی تھی کیونکہ وہ انیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا نیز نصر قی بھی جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جوان تھا۔

انگی تب نخل بیخ او پر تھے چلی
سکی تلخ جب بار دھرتے چلی
مرا سن دسیا صاف گوہر کا کمن
انگے دینھارا اسو لک رتن
رتن کمن تھے نکلے جو اول سنو
بجا دیں شہاں کے انگے راہ رو
مرا شاہ یو جک اہے جو ہری
دوشہزادگی میں اتھا شستری
نوسے چاند سا بھجوا لال اتھا
چرنت بدردن دن اجالا اتھا
میری طبع کی کمن کوں قابل بچاں
نکوئی کمن ہے کہ اس متال بچاں
دہر نہارا کشر اثر ہر کی
رکھا سنجہ طرف نت نفسہ ہر کی
جرجنٹا جم اس مہرنے آب و تاب
ہر اک فعل رنگیں ہوا آفتاب
رتن یو جو دیک زمن کے ہوئے
سزاوارشہ انجمن کے ہوئے

جیسے ہی نصر قی شہزادہ کا رفیق اور مصاحب بن گیا اُس کی شاعری پھولنے لگی اور وہ بہت جلد

عوام میں مشہور ہو گیا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مشہور اعلیٰ خود بھی ایک شاعر تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے تمام ملازم بھی اسکی تقلید کریں نہ صرف یہی بلکہ شوق استاد زبردست تھا کہ وہ خود ان کی لغتیں درست کرنا تھا، چنانچہ نصرتی اس کو نہ صرف بحیثیت ایک سرپرست پادشاہ کے بلکہ اپنے استاد کی حیثیت سے بھی پیش کرتا ہے۔ اس کا مدحیہ کلام دوسرے شاعروں کے بیانیہ نہیں ہے جس میں شاعر اپنے سرپرست کی مدح صرف مدح کی خاطر کرتے ہیں بلکہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ پادشاہ سے اسے بہت خلوص تھا اور وہ سچے دل سے پادشاہ کی عزت کرتا تھا، اس کا ہر جگہ ثبوت ملتا ہے چنانچہ۔

(۱)۔ دیکھو گلشن عشق میں، راج عادل شاہ۔

بچے کو سخن بادشاہ یاد ہے
مجم استاد استاد عالم اچھے
مجھے تربیت توں کیا ہے اگر
مرا مے یک بلع محبوب ہے
گایا ترا تو نچہ اپس تب سوں پال
بچے تربیت کرتوں ظاہر کیا
وگر نہ تھا سنجیوں کب کمال
(مب)۔ دیکھو گلشن عشق کے آخری شعر۔

جنم خام تھا سو دکن کا کلام
ترے شاعراں شعر نازک بناے
خصوصاً جو میں تجھ تے پایا ہوں فیض
(ج)۔ دیکھو اسی نظم کے دیباچہ میں عنوان منقبت کے تحت۔

نصرت علی شاہ عادل علی
اونچ من کون پروردہ بہتر کیا
ترانا تو کا رہی ہو سہارت ملی
سرباساں سوں سب جگ معذ کیا

(د)۔ دیکھو دیباچہ میں۔

سورج باج تارنگ پرکے رتن چند ربن نہ خوشبود ہرے پولین
کئے باج استاد کوئی تربیت نہ کوئی ہو سکے قابلِ شیت
بجھدا ضریر کیا بڑے بخت آج نہ استاد کوئی مجھ علی شہ کے باج
کہ شہ مجھ طبیعت کی نیڑی کوں پال سکایا ہے جب تے بڑے دُر چال
جب علی تخت نشین ہوا تو نصرتی کو اپنے دربار میں بلا کر اس کی بہت عورت کی اس کو درباری شاعر مقرر
کیا اس کی شاعری میں بے حد دلچسپی لینے لگا اور اس کی تنخواہ اس قدر بڑی ہو گئی کہ کبھی اسے اپنی گزراوقات کے
متعلق غور و فکر کرنا ہی پڑا۔

سنگ تخت شہ کوں مبارک ہوا اپنک سایہ حق تبارکٹ ہوا
تو تھامین شہ کا مانی سنے جہا نبانی دشا دمانی سنے
بلا بھیجے بندے کو تس مال میں نظر رکھ مرے بے بہا مال میں
پرکتا چلیا یوں رتن سر بسر تھکے ایک پارک یو ایل اہل نظر
وہیں جگ میں بندہ لہنے بے نیاز رکھیا اپنی خدمت سنے سر فراز

۳۔ اس کا مذہب اور کردار۔

نصرتی غالباً سنی مسلمان تھا کیونکہ

۱۔ وہ اپنی شیخیوں میں پہلے تین خلفاء کی تعریف کرتا ہے اگرچہ حضرت علی کی تعریف میں بھی
بہت کچھ لکھا ہے۔

۲۔ اپنے ہر دو کارناموں میں اُس نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی تعریف کی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے
بھی اس کا ذکر کر دیا ہے۔ وہ اور اس کا خاندان حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مرید تھا۔

۳۔ وہ صوفیانہ عقائد کا پیرو تھا اور اکثراً شریٰ اور کھل صوفیانہ اصطلاحات کا بھی استعمال کرتا ہے
اور خود کو بھی ایک صوفی تصور کرتا ہے۔

ذیل کے بیانات سے مذکورہ بالا دلائل اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔

(۱) گلشنِ عشق کے دیباچہ میں۔

• مرے سن کا طوطی توجے کا ہے کہ اتنا سوا بات اسکو اہام ہے

نکلتا ہے جوں نے تے آواز بجا رہا
اچھے دم میں دو بجے کے بلے لیتا

(سب) علی نامہ کے دیباچہ ہیں۔

مرے کہ تے کا تر اس اثر کا کلام
کہ ہر حرف ہوے ہے پرستار کلام
دہرن ہا اثر حال کا قال دے
دلاں کوں جم اس قال تے مال دے
مرے قول انگے بحث کر سب کی رو
سخن کر مار غاں میں سمد
سیاہی کوں کر میری غلامت دے
قلم میں میری خضر کی دے صفات
گلستان میں ہر انجمن کے دھرا
مرے خوش بیغیے کا بتاں سرا

(ج)۔ اس کے تمام دوست مثلاً قاضی کریم اللہ شاہ ابو المعالی اور شاہ نور اللہ جٹکا ہم آگے چل کر ذکر کرینگے سبھی نے اور نصرتی اُن کے ساتھ نماز کو پایا کرتا تھا۔

نصرتی فرائض نہ بھی کاسختی کے ساتھ پابند نہیں تھا چنانچہ قہر الہی سے خوف زدہ ہو کر وہ اکثر اپنے آپ کو کلامت کرتا ہے، گلشن عشق کے ابتدائی حصہ میں وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور خدا کا شکر بجا لاتا ہے کہ باوجود گناہگار اور مدہ بھی فرائض کی ادائی سے غافل ہونے کے خدا نے اس کو دنیا میں سرخوردہ صوفیانہ اعتماد رکھنے کے باعث اس کا اخلاقی معیار بھی بہت بلند ہو گیا، اگر یہ دنیا میں اُس نے بہت شان کی زندگی بسر کی اور بے حیثیت ایک شاعر کے اس کو زندگی ہی میں کافی شہرت ہو گئی تھی تاہم وہ خود کو دنیا دار تصور نہیں کرتا تھا فقیرانہ زندگی کا خد اہاں تھا اور آرزو تھی کہ صوفی اس کی شاعری کو پسند کریں وہ شاعری کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس طرح نظریہ تھا کہ عوام اور ہمعصر شعراء اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی ہمت بڑھے۔

علی نامہ کی ابتدا میں۔

مجھے خوب کاماں کی تو فیت دے
اچھے حق سو کر مجھ پر تحقیق دے
مرے شعروں زندہ دہر ہر شعور
سبوح بچن تے تو کر ملک میں پور
خیالوں کوں مجھ باؤ کی اوج دے
طبیعت کوں دریا کی نت بیج دے
گلشن عشق کی ابتدا میں۔

زبان پر اسے بیان ہارا تہیں
سخن دل میں ابھان ہارا تہیں

عطا ان گنت تیری پایا ہوں میں تجھے ہر باں کر بچا نیا ہوں میں
 معانی کے کھن کی بجے دے دوتا جو ہر بات میں کئی رتن آئیں بات
 دے ایسا سخن کے جہاں میں قلم جو الہام کی فوج کا ہوے علم
 دیکھا یوں جو تیغ نیض تے کر جال کر اس شعر کوں مین سحر ملال
 ہر اک حرف تیں کر دکھا جام جسم معانی میں تیں بھر سیما کا دم
 جب کبھی وہ اپنی شاعری کی تعریف کرتا ہے تو صاف طور پر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس تعریف کی وجہ خود نہی
 نہیں ہے بلکہ یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جو دکھنی شاعری کو ناقابل توجہ اور بیکار سمجھتے ہیں۔
 (۱)۔ "علی نامہ" کو منظوم کرنے کے وجوہات بیان کرتے وقت

مری بات میں لاف نہیں بے غلاف کہ نادان کا ہے ہنر عین لاف
 کہ یو شعر میں آج اس دصات ست کیا۔ و بڑے دبدبے کے سنگت
 کیا میں تو قطع نظر لاف سوں دے داد ہے اہل انصاف سوں
 کہ کیوں میں پکڑاں بات یک نوی زبوں بات کوں کر دکھایا قوی
 کہ بات انگے کوئی جو دکھیا بد سندلیا کے یو شعر کرنا ہے بد
 اول کے اگر لوگ برنا دہمیسہ کتے تھے کہ ہے شعر دکھنی حقیر
 حقیقت میں ان کی طرف حق اتھا کہ تب شعر بے مایہ مطلق اتھا
 ہوا جب تے استاد عالم سلی سخن کوں نکلت دے کیا مہ بلی
 سزا از تحسین ہے یی شعر آج نکوئی رکھ سکے بات ماسک کج بلیج
 پسند شعر کرنا ہے بس عاتلاں اپس ٹھارا اچھو حاسداں جاہلاں

(مب)۔ گلشن مشت میں علی عادل شاہ کی تعریف کرتے وقت۔

جنم عام تھا سود کھن کا کلام ہو اپنہ تجہ تربیت تے تمام
 بڑے شاعر ایں شعر نازک نکلتے کہ جس وصف غالب میں خبراں کے جائے
 سمجھنا ہے بار۔ دیناں کا فن جو اول تھا کیا سو شعر دکھن
 اتا کے جو کہیں شعر سو سہری سونے تو کہے مرعبا انوری

دکن کا کہیں شراب بے عدد
نکھیں کہنہ تقویم مانسہ رو
بجا پور کے شاعروں میں نصرتی ہی ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنے وطن کے ساتھ خاص دلچسپی کا اظہار کیا ہے
وہ اس کی وقعت کرتا ہے اور اس کی غموں میں اکثر جگہ اس کی اس حب الوطنی کے ثبوت ملتے ہیں۔

۴۔ اس کی درباری زندگی اور احباب۔
اگرچہ نصرتی کی ادبی کوشش محدود دل شاہ کے زمانہ ہی میں شروع ہوئیں تھیں تاہم اس زمانہ میں اس کو
اس قدر شہرت حاصل نہ تھی چنانچہ وہ کہتا ہے ”جب علی بادشاہ ہوا“ اس نے مجھے طلب کیا اور اس قدر سردار
کیا کہ میں دنیوی جھگڑوں سے بالکل آزاد ہو گیا۔

ایک سایہ حق تبارک ہوا	ملک تخت شہ کوں مبارک ہوا
جہاں بانی و شادمانی نے	کو تمامین شہ کا مرانی سے
نظر رکھ مرے بے بہا مال میں	بلا بیج بندے کوں تہس حال میں
رکھا اپنی خدمت میں کمر سرفراز	وہیں جگ میں بندہ رہا بے نیاز
سمجھ بلع کے بنجے گہر کوں کنکر	فلک یوں نیکی چال کا کم نظر
رکھا تھا ادک ہت سوں تبت پیا	نہ سمجھے گہر کوئی مراقبہ ربار

اسی بہت افزائی نے اسے گلشن عشق کے گلشن کی بہت بندہائی جو ایک سال کے اندر ہی یعنی سن ۱۶۷۸ء
میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اس میں اس نے اظہارِ شکر کیا ہے اور نہایت عاجزانہ انداز میں کہتا ہے کہ اگرچہ اس کی
شاعری کچھ بھی نہ تھی تاہم ماحم شاہ نے اس کی قدر افزائی کی اور اس کو اس قدر عالی شان رتبہ بخشا۔

جواو جوہری جگ کوں ہوے ہر نال	نکایا ترا تو پرخ اپس بہت سوں پال
وے نالوں سوں تہ بکاتا ہوں میں	نہا اگرچہ یک جو نہ پاتا ہوں میں
جو تیر سچ خاصہ کا ہوں مل میں	نہ تو باناتا ہے کہ ہر حال میں

ایک اور جگہ کہتا ہے۔
مجھے تربیت توں کیسے ہے مگر
جو تعریف سن جس کی دھڑشتیاں
ترے دور میں بے ہنر باد ہے
دکھایا ہوں کراچ ایسا ہنر
شکاوں سمجھتے اہل صداق
ہنر مند ہے سو جتنے شاہ ہے

جنامول کون تو سنہ ادا رہے جوتوں شاہ عارف خریدار ہے
نصرتی کتنے عرصہ تک شاہی دربار میں رہا اس کا جواب قدرے مشکل ہے تاہم اتنا ضرور یقین کے ساتھ
کہا جاسکتا ہے کہ اس کام کو ختم کرنے کے بعد بھی وہ آٹھ برس تک شاہی دربار میں خراج تحسین وصول کرتا رہا۔
اس کا ثبوت علی نامہ اور مختلف قصائد سے ملتا ہے جو اس زمانہ میں لکھے گئے تھے اور دوسری بات یہ ہے
کہ دربار سے علیحدہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں، جب تک علی عادل شاہ زندہ تھا وہ برابر اس کے دربار میں رہتا
لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سے پہلے لمبی یعنی لسنہ میں نصرتی کا انتقال ہو گیا۔

”علی نامہ“ میں اس کے منطوق کرنے کے وجوہات بہت اہمیت رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
شاعر کو لکھنے کے لئے کس طرح فرمائش کی گئی، کون کون اس کے دربار میں دوست تھے اور شاہی دربار میں اسے
کیا رتبہ حاصل تھا ان سے پتہ چلتا ہے کہ سرپرست اور شاعر کے درمیان نہایت دوستانہ اور بے تکلفانہ تعلق
تھے۔ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور اس کی حیثیت مصاحب اور درباری شاعر سے کہیں زیادہ بھی
بعض دفعہ تو وہ دیگر علماء اور شعراء کے ساتھ رات رات بھر بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا۔

وے اس بڑے فن کے ڈونگر انگے	کھنکھناک قصدا ناکر انگے
مرے پر یو فکر مشکل پڑی	طبیعت چلانے کوں اوکل کھڑی
ایسا سوں اسی اڑکے میرت میں جاؤں	کرن شکل آسان سنگیا حق تے یوں
ٹلی رات بعد از ہوا صبح دین	اتھا تب تلک نہ کی درگہ میں ہیں
دیکھت مج زخن شاہ عالم نواز	بڑے نیکے خدمت کرن سسر نواز
مئے سوں نیں ہر اشارت کئے	وے دل سوں دل کوں بشارت کئے
گہیا میں کہ بندے میں یو کاں پچے	کہوں تب جو استاد کا ہوے مدد
دیکھیا جو میں جو مجھ دل طرف کر خیال	لگی مجھ طبیعت کی چڑنے ابدال
سمندر تے نہ فیض کی ہو ہو کے سیر	ہنر کا لگیا مہینوں برسن ابیر
بیٹنے کے اوراق کے خوش چین	ہوے سر بسر قابل پو لبین

لیکن ساتھ ہی اس نظم میں چند عجیب باتیں لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ کیسے قدر غیر
مطمئن تھا، اس کی اصل وجہ معلوم نہیں ہوتی البتہ اس بات کا امکان ہے کہ اس وقت اس کے کسی عزیز یا دوست

کا انتقال ہو گیا ہو۔ گئی تھی دے تو مرے ہات تے طبیعت زمانے کے است گھاتے
 دو بازو مرے دین و دنیا کے زور لٹے تھے سو تھا جیو میں مہیں شور
 حقیقت میں میں مجھ گیا تھا بسہ طبیعت تے ہرگز نہ تھی کج خبر
 ایک اور جگہ بھی ہیں اس کی خانگی زندگی کا پتہ پلتا ہے، پانچویں قصیدہ کے اختتام پر وہ یہ عذر پیش کرے کہ
 کہ بعض تکالیف کی وجہ سے وہ اس سے بہتر قصیدہ نہ لکھ سکا۔ لیکن اس نے ایک ہی بات بیان کی ہے جس سے
 اس تکلیف کی حقیقت پر کچھ روشنی پڑتی ہے یعنی یہ کہ اس کی درباری زندگی تو فیہ بہت ہی شاندار تھی لیکن خانگی
 زندگی تکلیف دہ تھی۔

- ۱۔ اسکا لڑکا بے حد شہریر تھا کثرت بھاگ جایا کرتا اور بالعموم اپنے باپ کی چیزوں کو بیچ دیا کرتا تھا۔
- ۲۔ اس کا مکان بہت ہی مختصر اور آرام دہ تھا بارش کے زمانہ میں سر چھپانے کو جگہ نہ تھی، انا نہ بھی کچھ ایسا
 زیادہ نہ تھا، (اس نے اپنے مکان کا دلچسپ نقشہ بالکل میرے انداز میں کھینچا ہے)۔
- ۳۔ اس کے ہمالیے ادنیٰ درجہ کے اور بد سعاتش لوگ تھے، ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑا کرتے اور اس کے امن
 میں خلل پیدا کرتے تھے۔

اے شہ زتن کا کھن ہوا چمن سو تیرا فیض ہے
 کب کب سور وشی نہوے تھا کج یو شاعری
 جن جن کے آن یوں قافیہ قصیدے میں کیسا
 یو بار نا ہکا لکے پن طبع کی زور آوری
 تھا کہ ظاہریوں کروں کمر طال اس بات میں
 جو مج قلم ہوا اثر دعا بسراے سحر سامری
 پن کیا کروں اے شاہ میں کئی بات بے سانا ہوں
 اول تو ایسا گھر نہیں جہاں ثعار ہو راحت بھری
 مگر بی ہننا یک ہے ولے دایم میں کئی علت آئے
 لکھا ہوسوں ہمایہ بد و سچ پھوئیں کی بد معوی

مطلق اراذل قوم دو ہیں گرد ایسے بے جیسا
 سمجھیں دو گالی کھاؤ کون سمجھیں گت ہو مہتری
 جنکی زبان تے لام کاف آتا ہے شیطان یکنے
 سانچی بنے جب کریں تعلیم جنگ زرگری
 سونے سنگے تو گھر میں تک ناتن میں اپری ہرچنگ

ہو جو ک لگتا ہر کمن کرتا ہے ہر پویش ستری
 نصرتی کی وسیع نظری اور شریف کردار نے اس کی شہرت اور عزت میں چار پاند لگا دیئے اس مادہ
 کی ممتاز ترین ہستیوں میں وہ حد درجہ ہر دل عزیز تھا۔ خارجی شہادتوں کو چھوڑ دیجئے خود اس کی ثنوی گلشن عشق
 میں ہیں اُس کی شہرت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے منظوم کرنے کی وجہ بیان کرتے وقت وہ اپنے دوست
 ابن عبد الصمد کے الفاظ دہراتا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے وہ اپنے ہمعصروں میں کس قدر ہر دلعزیز تھا

دکن میں تو ہے آج نصرت قریں بلند شعر کے فن کا سحر آفرین
 جو جس نثار پر گت تراچند ہوئے دہاں حاسدوں کی زباں بند ہوئے
 غنم کا غنیاں میں تجرہ فن اپنے ترے سامنے طعنہ زن زن اپنے
 دندے تری شہرت سو بڑے ہیں دیکھے انکھیاں روکھ پھورے رہیں
 رکھیکھاؤں جس نثار پر آ قدم سکت کس جو واں اسکے ماروم
 ہیں نہ تو اس کی نظموں کے پڑھنے سے اور نہ کسی اور جگہ اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ دیگر معاصر شاعر
 شاعروں کی طرح ادبی میدان میں کوئی اس کا مد مقابل تھا یا اس کی خوش بختی پر رشک کرتا تھا، بلکہ اس کے
 اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے سب دوست ادب کے سرپرست تھے شعراء کو دربار میں پیش
 کرا کے اُن کی ہمت بڑاتے اور ان میں شاعری کا شوق پیدا کراتے تھے۔

ہر اکٹ مر اعلا مہ دہر تھا فیضیت میں استاد ہر شہر تھا
 یک یک فن میں انشا کے یوں بے نظیر کہ جہاں طفل کتب ملک کا دبیر
 یک یک شاعر اس دھات صاف سخن کہے فخر جن کے ہنر کا زین
 مجلس کے اس شمع لامع اے وہ ہر فن میں استاد جامع اے

جو خوش جو ہر اں کا ہے شہِ مشتہری تو ہر یک ہنر کے لول جو ہری
پہچان اس بزرگاں کوں جو ہر لے آویں پر کھنے اول اُن کے پاس
نیوچی جہد تن خوش کریں گے تمیز ملاویں لجا شہ سوں کر اُس عزیز
نصرتی کے اُن دوستوں میں جنکا خود اس نے اپنی نظموں میں ذکر کیا ہے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ قاضی سید کریم اللہ۔
شاید یہ اس زمانہ میں بیجا پور کی عدالتِ عالیہ کے میجسٹریٹ اور نصرتی کے بیان کے مطابق پکے پید اور
بڑے عالم تھے، اہو شخص ہی نصرتی کو بادشاہ کی اُن لڑائیوں کا قصہ لکھنے کے لئے ابھارا جو مغلوں سے ہوئی تھیں۔

۲۔ شاہ نور اللہ۔
شاہ نور اللہ تاج عادل شاہی کے مصنف ہیں، یہ تاج فارسی زبان میں سرکاری طور پر لکھوائی گئی
تھی جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، اُن کی اور ان کی تاج کی خصوصیات کے متعلق نصرتی نے بہت
کچھ تعریف کی ہے۔

۳۔ شاہ ابوالوہابی۔
یہ بہت بڑے عالم اور شاعر تھے، نصرتی نے کئی ایک جگہ اُن کی تعریف کی ہے، وہ نہ صرف علی عادل شاہ
کی نظموں کے مرتب اور محافظ تھے بلکہ خود بھی ایک شاعر اور شاعر نگار تھے۔

۴۔ ابن عبد الصمد۔
بدستہ سے ان بزرگ کا حقیقی نام معلوم نہیں، نصرتی سے بے حد ملاقات تھی، شاعری سے کافی ذوق تھا
اور بہت ہی سنجیدہ آدمی تھے، نصرتی کی طبیعت سے وہ خوب واقف تھے اور نصرتی بھی اکثر خانگی معاملات میں
ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

نصرتی کی تصانیف

اس کی تصانیف کے منظومات میں دو مثنویاں، نو قصائد اور چند قطعے موجود ہیں، شیو سلطان کے کتب خانہ
میں اس کی غزلوں کا مجموعہ دستیاب ہوا تھا لیکن اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس وقت محفوظ بھی ہے
یا تباہ ہو گیا۔

انگلش عشق۔

انگلش عشق نصرانی کی بہت اہم تصنیف ہے، علی کے تحت نشین ہونے کے بعد ہی مشنری میں نصرانی نے اس نظم کو لکھنا شروع کر دیا اور ایک سال کے اندر وہ پوری ہی ہو گئی۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ نصرانی نے تمہید میں صرف غواہی کی مثنوی ”سیف الملوک و بدیع البحال“ کا ذکر کیا ہے اور خود اس کے شہر میں لکھی ہوئی مثنویوں کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا بہر حال اسے کم از کم ”خادر نامہ“ کا تو ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ مثنوی بہت ہی معرکتہ الار اور مقابلہ کی مثنوی تھی بات یہ ہے کہ وہ بہت ہی فیاض طبیعت کا انسان تھا ایک غیر ملک میں لکھی ہوئی مثنوی کی تعریف کرنے میں اس نے اس لئے دریغ نہیں کیا کہ ”سیف الملوک و بدیع البحال“ کی اس وقت بجا پور کی علمی حلقوں میں کافی شہرت تھی اور اسی وجہ سے بجا پور کے پرستار ان علم و ادب اس کی نقل کرنے پر مجبور ہو گئے ایک دفعہ جب سب دوست احباب فارسی قصوں کے ترجمہ پر بحث کر رہے تھے تو ابن عبدالعزیز نے نصرانی سے درخواست کی کہ وہ شاہ منوہر کے قصہ کو دیکھی زبان میں ترجمہ کریں۔

چنانچہ مثنوی کے ابتدائی حصہ میں فارسی کی تقلید میں ایک لمبا چوڑا دیباچہ لکھا گیا ہے جس میں خدا کی حمد اور خیر حضرت علی اور خواجہ بندہ نوازؒ کی تعریف شامل ہے اس کے بعد بجا پور کے بادشاہ علی کی بھی مدح کی گئی ہے۔

انگلش عشق کو خاص امتیاز حاصل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ملک خوشنود کی مثنوی ”ہشت بہشت“ کے طرز پر لکھی گئی ہے مثنوی کے خادر نامہ سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو زبان کی سلاست کے لحاظ سے اول الذکر کا رتبہ بڑھ جاتا ہے لیکن اس میں انسانی جذبات کو بس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کا حصہ تھا وہ اس زمانہ کی گو لکھنؤ کی پیداواروں کے مقابلہ میں تو بلاشبہ بہت ہی ممتاز ہے۔

۲۔ علی نامہ۔

یہ مثنوی مشنری سے یکسر مشنری ملک کی تبلیغ ہے اس میں بجا پور کے بادشاہ علی عادل شاہ کی تمام لڑائیوں کا ذکر ہے اس کو نہ صرف بحیثیت نصرانی کی تصنیف ہونے کے امتیاز حاصل ہے بلکہ بجا پور کے ادبی کارناموں میں سب سے زیادہ اہم مثنوی بھی ہے نظم کے درمیان جگہ جگہ شاعر نے قصائد اور قطعات شامل کئے ہیں جن سے بادشاہ کے دربار اور اسکی جنگی جدوجہد کا پتہ ملتا ہے۔

یہ نظم سننے میں پاپائے تکمیل کو نہیں پہنچی جیسا کہ انڈیا آئنس لائبریری کے مخطوطہ میں غلطی سے درج ہے بلکہ اصل سن سن ہے جس کا پتہ برٹش میوزیم کے مخطوطہ سے چلتا ہے اور شاید موجودہ مخطوطات میں سب سے زیادہ مکمل اور صحیح نسخہ ہی ہے۔

گلشنِ عشق کے مقابل میں علی نامہ کا حجم بہت زیادہ ہے لیکن اگر قصیدوں کو اس سے علیحدہ کر لیا جائے تو اس کا حجم مقابلہ کم ہو جائیگا، مثنوی بجائے خود نہ تو طویل ہے اور نہ کوئی خاص ادبی امتیاز رکھتی ہے۔ اس کا دیباچہ بھی گلشنِ عشق کی طرح ہمدردی سے ملبوس ہے اور پس تو یہ ہے دیباچہ ہی کی مدد سے ہم شاعر کے حالات کا پتہ چلا سکتے ہیں۔

علی نامہ کم و بیش ایک رزمیہ نظم ہے مگر ”خاور نامہ“ کی پہلی کہیں ہے، اس میں شک نہیں کہ ماریخی اور اور اپجی تصنیف کی حیثیت سے یہ اس سے بڑھ کر ہے اس کا اسلوب بیان گلشنِ عشق کے مقابل میں نہایت سادہ اور اردو میں یہ سب سے پہلی سوانح عمری ہے اور عادل شاہی خاندان کے آخری زمانہ کی اس سے زیادہ مستند اور کوئی دوسری تاریخ نہیں ہے۔

یوں تو اس کے مطالعہ سے بجا پور میں ادبِ اردو کے فروغ کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں لیکن خاص طور پر بحیثیت سرپرستِ اردو مسلمانی عادل شاہ کی شخصیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۳۔ قصائد۔
نصرتی کے کل ۹ قصیدے محفوظ ہیں۔ یہ سن سن اور سن کے درمیان متفرق زمانوں میں لکھے گئے تھے ان کا کوئی علیحدہ مجموعہ نہیں ہے۔ ان میں سے سات تو علی نامہ میں نقل کئے گئے ہیں اور ڈاؤ اس کی دو نوٹوں یعنی علی نامہ اور گلشنِ عشق کے منظوم منونات کے جمع کرنے سے بن جاتے ہیں۔ قصائد نصرتی کی عام خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ بلاشبہ یہ قصائد فارسی کی تقلید میں لکھے گئے لیکن شاعرانہ حیثیت سے بالکل اچھی ہیں اور ناکہ تعلقات سے بالکل معز ہیں۔

۲۔ قصائد کی زمین یعنی بحرِ ردیف اور قافیہ اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے کہ ہم خیال نہیں کر سکتے کہ اردو کے اس ابتدائی زمانہ میں کس طرح اس کو برقرار رکھا گیا ہوگا۔

۳۔ اس زمانہ کے شعر کا کلام نہایت ہی پیچیدہ ہے لیکن ان قصائد کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نصرتی کو زبان اور محاوروں پر عبور تھا اور وہ بلا تعلف لکھا کرتا تھا۔

زبان اور اسلوب بیان کی خصوصیات کے علاوہ نفس مضمون اور خیالات کی نزاکت کے لحاظ سے نعتی شاعری ہند کے اردو قصیدہ گو شعراء کے مقابل میں ایک خاص ایسا زمرہ رکھتا ہے۔

- ۱۔ اُن میں مدحیہ اشعار نسبتاً کم ہوتے ہیں۔
- ۲۔ اُن میں حقیقی اور سچے واقعات سے بحث کی گئی ہے اور مبالغہ اور تصنع سے بالکل پاک ہیں۔
- ۳۔ رزمیہ نظموں کی حیثیت سے اُن کو طرہ امتیاز حاصل ہے اور اُن میں میدان جنگ کا جو حقیقی نقشہ کھینچا گیا ہے وہ سودا اور ذوق کے اردو قصائد میں بھی پایا نہیں جاتا۔

قصائد کی تفصیلی فہرست

۱۔ پہلا قصیدہ برٹش میوزیم کے نسخہ میں ورق ۳۲ ب سے شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ”پنالا کی فتح“ ہے۔ شمس الدین میں منظوم کیا گیا اور اس میں ۵۰ اشعار ہیں، دو مختلف مطلقوں پر منقسم ہے اور اس میں جنگ پنالا کا مفصل ذکر ہے۔

۲۔ دوسرے میں صرف ۵۵ اشعار ہیں، اس میں صلابت خان کے زوال کا حال و برج ہے جو علی عادل شاہ کی فوج کا ایک بیوفاسپہ سالار تھا، اس کی تاریخ تصنیف شمس الدین ہے۔

۳۔ ”فتح بادشاہ کی جنگ سے واپسی“ کے عنوان سے ایک قصیدہ شمس الدین میں لکھا گیا تھا جس میں ۲۸ اشعار ہیں۔

۴۔ موسم سرما کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا گیا ہے اس کا شمار اس کے بہترین قصیدوں میں ہے، اس میں ۲۴ اشعار ہیں اور یہ شمس الدین میں لکھا گیا۔

۵۔ بادشاہ کی واپسی کے جشن پر جو قصیدہ لکھا گیا ہے وہ حقیقت میں تیسرے قصیدہ کا ایک نگر اس ہے قصیدہ نمبر ۴ کی وجہ سے اس کو جمعہ اول سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور اس کا موضوع بالکل جدا گانہ ہے۔ یہاں اس کو ایک علیحدہ قصیدہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ۹۵ اشعار ہیں۔

۶۔ ”وہ مجالس محرم“ والا قصیدہ اگرچہ مرثیہ کے رنگ میں لکھا گیا ہے مگر اس کو بحیثیت قصیدہ کے بھی بہت اہمیت حاصل ہے اس میں کھلے لفظوں میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ بجا پور کے بانی پیر اور اُن کا بادشاہ محرم کے دس دن کے غم کیا کرتے تھے، اس سے تاریخی اور معاشرتی حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی

یہ قصیدہ مختلف مطلعوں پر منقسم ہے اور اس میں ۱۴ اشعار ہیں اور شاید اس کا سن تصنیف ۱۰۹۰ء ہے۔
 ، علی نامہ میں آخری اور مستقل قصیدہ ”فتح ملکہ“ ہے نصرتی کا یہ بہت اہم اور طویل قصیدہ ہے، یہ بھی دو مختلف
 مطلعوں پر منقسم ہے اور اس میں ۲۲ اشعار ہیں اس کا سن تصنیف ۱۰۹۰ء ہے، ان قصائد میں میدان جنگ کا حال
 فوجوں کی خصوصیات، بیجا پور کے افسروں اور سپہ سالاروں کے کردار اور روزمرہ زندگی کے مختلف واقعات
 کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ ہم نصرتی کو اردو زبان کا بہترین قصیدہ گو کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
 دو نوٹوں کے مختلف عنوانات علیحدہ علیحدہ، اشعار کی صورت میں لکھے ہوئے ہیں اور دو مختلف
 زمینوں میں منظم کئے گئے ہیں۔ اگر ان تمام عنوانات کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو دو مختلف مستقل قصیدے بن جاتے
 ہیں، اس طرح سے ہم ایک کو علی نامہ کا اور دوسرے کو گلشن عشق کا منظم ناکہ کہہ سکتے ہیں۔ ان میں کسی نہ کسی طرح ایک
 مستقل مضمون تو پیدا ہو جائے گا لیکن شاعری کی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ رکھیں گے۔

نصرتی کی غزلیں

بالعموم خیال کیا جاتا ہے کہ نصرتی نے ایک اورثنوی گلدستہ عشق بھی لکھی۔ مالا لکھ یہ بات کسی طبع
 ثابت نہیں ہوتی خود نصرتی جب علی نامہ کے اختتام پر اپنی ثنویوں اور قصیدوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ
 نہ صرف رزمیہ ثنوی کا مالک ہے بلکہ ایک کامیاب رزمیہ ثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام گلشن عشق ہے، اس امر کی طرف
 کوئی اشارہ نہیں کرتا کہ اس نے ایک اور ثنوی بھی لکھی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اُس نے اس وقت تک کوئی اور ثنوی گلدستہ عشق نہیں لکھی تھی۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے
 بعد لکھی ہو ورنہ بیجا پور کے وہ مورخین جو نصرتی کے بے حد مداح ہیں ضرور ایک اور سبب نصرتی کی تعریف
 کے لئے نکالتے۔ بات میں صاف طور پر لکھا ہے کہ نصرتی نے دو ثنویاں لکھیں گلدستہ عشق کا ذکر سب سے پہلی دفعہ
 اسٹیوارٹ کے کٹلاگ میں کیا گیا ہے۔ جہاں صاف طور پر لکھا ہے کہ یثقیۃ نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ گلدستہ عشق ایک ثنوی نہیں بلکہ غزلوں وغیرہ کا مجموعہ تھی۔

شاہ ملک

(۱۰۰۰۰)

اس شاعر کے حالات کے متعلق خود اس کی مثنوی شریعت نامہ میں بھی کہیں کچھ ذکر نہیں ہے، یہ ایک اچھا مخطوط ہے جو انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے، اردو سے قدیم میں اس کو نیجا پوری شاعر بتلایا گیا ہے لیکن راقم کو اس بیان کے سوائے اور کہیں اس کا ثبوت نہیں ملا۔

اردو سے قدیم کے مصنف کی نظر سے اس کی کتاب ”احکام الصلوٰۃ“ گزری ہے اور اسی لئے اس کو علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ کا شاعر بتلایا گیا ہے، اس مصنف نے اپنی تصنیف میں احکام الصلوٰۃ کے چند آخری شعر نقل کئے ہیں، یہ اشعار بالکل وہی ہیں جو شریعت نامہ کے آخر میں موجود ہیں۔

شاہ ملک نے اسلامی اصولوں کو اپنی کتاب شریعت نامہ میں بیان کیا ہے، یہ اسکی مکمل تصنیف ہے اور بلاشبہ احکام الصلوٰۃ اس کا ایک حصہ ہے۔ اس کی یہ مذہبی مثنوی اس زمانہ میں بہت مقبول عام ہو گئی تھی اور مذہبی لوگ اس کی جزو یا کٹیہ نقل و اتارنے کی کوشش کرتے تھے۔

سنہ ۱۲۵۴ میں اس کی تکمیل ہوئی، اس میں ۲۵ اشعار ہیں ان باتوں کو شاعر نے خود مثنوی کے آخر میں بیان کیا ہے انڈیا آفس لائبریری میں جو نسخہ پایا جاتا ہے اس میں ہر شعر کے نیچے اسکا دھکی نسخہ میں ترجمہ بھی موجود ہے اور یہ ترجمہ شاید سنہ ۱۲۸۰ء میں کیا گیا ہے یعنی اس کتاب کے منظر ہونے کے ستر سال بعد۔

نظم کے پہلے ایک دیباچہ ہے جس میں ”مناجات“ ”بیان شریعت“ ”نعت پیغمبر“ آپ کے اصحاب و ائمہ و اقربا کی مدح“ اور ”کتاب لکھنے کی وجوہات“ بیان کی گئی ہیں لیکن اس موخر الذکر عنوان پر

کسی بات کا پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ شاعر ایک حنفی مسلمان تھا، اور کتاب لکھنے کا مقصد صرف اپنے مذہب والوں کے خیالات کو درست کرنا تھا۔

اصل کتاب ورق ۱۰۸ سے شروع ہوتی ہے، پہلا عنوان ”ایمان کے ارکان“ ہے سینوں کی روزمرہ کی مذہبی ضروریات بیان کی گئی ہیں۔ اس کا اسلوب بیان غیر معمولی طور پر سادہ ہے اور اگرچہ اس شاعر کی غیر معمولی ادبی قابلیت کا اظہار تو نہیں ہوتا البتہ اس کی روانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنف بے تکلف نظم لکھ سکتا تھا۔

شاہ امین الدین اعلیٰ

(۱۰۸۰ھ)

شاہ امین الدین اعلیٰ مشہور و معروف شاعر شاہ برہان الدین کے فرزند تھے، والد کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کو مادر زاد ادبی تصور کیا جاتا ہے اور ان کے عجیب و غریب کرامات اور صوفیانہ مراتب کو قدیم زمانہ کے مورخین نے نہایت ہی عزت اور احترام کے ساتھ بیان کیا ہے، مثلاً میں انتقال ہوا، اس کے بعد ان کے کئی ایک زبردست خلیفے ہوئے جو آردو شاعر بھی تھے۔

شاہ امین ایک فطری شاعر تھے اور آردو زبان میں انہوں نے کئی ایک کتابیں تصنیف کی ہیں۔

- ۱۔ اُن کے دو قصیدے دستیاب ہوئے ہیں، ایک تو اپنے والد شاہ برہان الدین کی مدح میں ہے اور دوسرا ”محب نامہ“ یا ”محبت نامہ“ ہے یہ ایک عشقہ نظم ہے جو قصیدے کی صورت میں لکھی گئی ہے۔
- ۲۔ چند مثنویاں ہیں جن میں ”رموز السالکین“ اور ”نظم وجود“ کو بہت اہمیت حاصل ہے اور

۳۔ راقم نے شاہ امین، اُن کے والد شاہ برہان اور دادا میراں جی کے متعلق ہوا داغمن ترقی اُردو کے سکرٹری کے ایک مفصل مضمون سے حاصل کیا ہے جنہوں نے اُن کی تصانیف انجمن کے کتب خانہ کے لئے جمع کی ہیں، انہم کے پاس تحقیق کیلئے فی الحال سوائے اس کے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے کہ ان سنیوں کی تحقیق کرے اور ثبوت ہم پہنچائے کیونکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ دادا کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا۔ اور شاہ امین ۱۰۸۰ھ میں۔

ان دنوں کے موضوع صوفیانہ ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ کئی ایک دوہرے اور غزلیں بھی ہیں۔

۴۔ شاہ امین نے نثر میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں گفتار شاہ امین اور گنج مخفی قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام کتابیں انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سکرٹری صاحب کے ذہن تو ان کے حجم و غیرہ کے متعلق کوئی تفصیلی حالات تحریر کئے ہیں اور نہ ان کے دیگر خصوصیات سے بحث کی ہے۔ کتب خانہ کلیہ جاسعہ ثنائیہ میں ان کے ارشادات کچھ رسالوں کی شکل میں محفوظ ہیں جن میں ”نور نامہ“ ”رموز العارفین“ ”ایارموز السالکین“ اور ایک شتوی حضرت شاہ برہان الدین جانشین کی مدح میں قابل ذکر ہیں۔ ان کا مجموعی حجم تقریباً (۱۰۰) صفحات کے قریب ہے۔ اس کی تحقیق مولوی عبد القادر صاحب نے کی ہے۔ چہر انہوں نے ایک تفصیلی مضمون علیحدہ اور اپنی مرتبہ تفصیلی فہرست اردو مخطوطات کتب خانہ کلیہ جاسعہ ثنائیہ (حیدر آباد دکن) میں لکھا ہے۔

باپ اور دادا کے مقابلہ میں شاہ امین کے اسلوب بیان میں بہت روانی اور نزاکت پائی جاتی ہے دوسرے ہمسفر شعرا کے مقابلہ میں ان کی شاعری فطری اور قیود شعری سے آزاد ہے۔

ہاشمی

(۱۱۰۹)

اس کا نام سید میرزا تھا، سید شاہ ہاشم کا پیر و ہونے کی وجہ سے، جو بجا پور کے ایک ولی تھے، اُس نے اپنا تخلص ہاشمی رکھا، وہ بجا پور کا باشندہ تھا بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بالکل اندھا تھا، اس نے ایک حویل زندگی گزاری ہے، اگرچہ وہ علی مدارل شاہ کا دربار ہی شاعر تھا لیکن شہزادہ کا زندہ تھا اسی سن میں اُس نے یوسف زلیخا کی تصنیف کی، بزرگان کے مصنف کے قوال کے مطابق شہزادہ میں کمال افعال ہوا۔

ہاشمی پرنس تھا کیونکہ اس زمانہ میں جی اس کی تین ضخیم کتابوں کے متعلق کچھ پتہ چلتا ہے۔

۱۔ ترجمہ احسن القصص۔

قدیم تاریخوں میں اس قصہ کا ذکر ہے، پیر زادہ غلام محی الدین اپنی کتاب احوال السلاطین بجا پور میں نصرتی کے متعلق کچھ لکھنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ "ہاشمی ہندی زبان (اردو) کا دوسرا شاعر تھا جس نے اردو میں احسن القصص کا ترجمہ کیا نیز اس میں اپنے کمال کو ظاہر کیا، باتیں کے مصنف نے ہاشمی کی دوسری مثنوی یوسف زلیخا کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور کہتا ہے کہ "ردفۃ الشہد ار کا ترجمہ ہے، اور ردفۃ الشہد ار در حقیقت احسن القصص کا دوسرا نام ہے، اس تصنیف کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، شاید یہ کسی عام کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ یوسف زلیخا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۰۹ء میں ختم ہوئی اور اس کا ایک نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے لیکن چونکہ راقم کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے وہ اس کے متعلق تفصیلی حالات پیش کرنے سے مجبور ہے۔ معلوم ہوا کہ آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کے کتب خانہ میں بھی اس کا مخطوطہ محفوظ ہے۔

۳۔ عنبر لکھنؤ کا دیوان۔

بساتین میں یوسف زینما کے ساتھ اس کتاب کا بھی ذکر ہے، یہ اس زمانہ میں بہت مقبول تھی مستقیم کی غزلوں کی طرح ہاشمی کی غزلوں میں زیادہ تر ظرافت و فحش البتہ اسلوب بیان اور جذباتی نقطہ نظر سے ان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

راقم نے ہاشمی کے رفعتی دیوان کا مطالعہ آغا حیدر حسن صاحب کے یہاں کیا ہے۔ چنانچہ اس سے چند انتخابات بھی اس مجموعہ میں شامل کئے گئے ہیں۔

۴۔ مرثیے۔

ہاشمی کو بیجا پور کا قدیم ترین مرثیہ گو بتلایا جاتا ہے لیکن اس قسم کو کسی قدیم تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملا۔ اس میں صرف ۷۸ شعر ہیں اور وہ بھی کسی اعلیٰ معیار کے نہیں البتہ طرز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف ایک تجربہ کار مرثیہ گو تھا۔

مرزا (قبل سلسلہ)

مرزا علی عادل شاہ کے عہد کا سب سے بڑا مرثیہ گو تھا اس نے سوائے مرثیہ کے اور کچھ نہ لکھا حتیٰ کہ ایک دفعہ جب خود بادشاہ نے اسے اپنی مدح میں لکھنے کے لئے کہا تو اس نے ایک مرثیہ لکھا اور بادشاہ کے نام معنون کر دیا۔ اس نے مرثیہ گوئی کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا، اور آخر میں تو اپنا مذہبی فرض سمجھ کر کہنے لگا، اس کے انہماک کی حالت ملاحظہ ہو کہ ایک مرثیہ کا عنوان لکھتے لکھتے اس نے انتقال کیا چنانچہ اس کو شہید کا رتبہ دیا جاتا ہے۔ اس کی تصانیف کا کچھ پتہ نہیں، ایڈن براؤس مرثیوں کے مجموعہ میں مرزا نامی ایک شاعر کے ادبیہ لٹریچر ہوتے ہیں جن میں ۱۵۰ شعر ہیں لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فی الحقیقت بجا پور کے مرثیہ گو مرزا کے ہیں یا گوگلکندہ وہ اسے مرزا کے یہ جو کچھ، مرزا کے صنعت گوگلکندہ کی زوال کے بعد ہی زندہ تھا!

ایڈن براؤس مرزا کے جو مرثیہ پائے جاتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس مرزا نے لکھے ہیں جو شہداد میں زندہ تھا کیونکہ ان میں شاعر نے ایک دوسرے مرثیہ گو کا ذکر کی موت پر اظہار رنج و غم کیا ہے اور قافوؤں کے انداز میں زندہ تھا، اس بات کا ثبوت اس کے ایک اور مرثیہ کی تاریخ تصنیف سے بھی ملتا ہے جو اسی جہود میں موجود ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علی عادل شاہ کی عہد حکومت کا مرزا نہیں ہے کیونکہ اس کا انتقال سلسلہ کے قبل ہی ہوا ہے نیز یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تمام مرثیہ گو ایک ہی مرزا کے لکھے ہوئے ہیں یا ان دو مرزا کے مرثیوں کے انتخابات ہیں۔

باب سوم

اُردو ادب گوکنفٹہ میں

۶۱۶۸۷-۱۵۰۸

۱۰۹۸-۹۱۶

فہرست

(۱)۔ ابتدائی تحریکات پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۰۰-۱۵۸۰ م ۹۱۶-۹۸۸

۱۔ سلطان قلی قطب شاہ - ۱۵۰۸-۹۲۳ ع - ۹۱۶-۹۵۰

۲۔ حبیب قلی قطب شاہ اور بجان قلی - ۱۵۲۳-۱۵۵۰-۹۵۰-۹۵۶

۳۔ ابراہیم قلی قطب شاہ - ۱۵۵۰-۱۵۸۰-۹۵۶-۹۸۸

۱۔ فیروز - (۲) محمود

(ب)۔ آردو ادب کا نہری دور - آخری چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۸۰-۱۶۸۶-۹۸۸-۱۰۹۸

۱۔ محمد قلی قطب شاہ - ۱۵۸۰-۱۶۱۱-۹۸۸-۱۰۲۰

۱۔ وجہی (۲) احمد (۳) خدا نیا

۲۔ محمد قطب شاہ - ۱۶۱۱-۱۶۲۲-۱۰۲۰-۱۰۳۵

۱۔ شوتی (۲) خیالی

۳۔ عبداللہ قطب شاہ - ۱۶۲۲-۱۶۶۲-۱۰۳۵-۱۰۸۳

(۱) غوامی - (۲) قطبی (۳) سلطان (۴) جنیدی - (۵) ابن نفاطی (۶) میراں یعقوب

(۷) طبعی (۸) امین -

۴۔ ابوالحسن تانا شاہ - ۱۶۶۲-۱۰۸۳-۱۰۹۸

(۱) فائز (۲) لطیف (۳) نوری (۴) شاہی (۵) مرزا

(۶) غلام علی

ابتدائی تحریکات

پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۰۸-۱۵۸۰ء
۹۱۶-۹۸۸ھ

سلطنت بجا پور کے قیام کے اٹھارہ سال بعد سلطنت گوکنڈہ کی بنیاد رکھی گئی، گوکنڈہ، گملبرگہ اور دولت آباد جو اس زمانہ میں دو ادبی مرکز بنے ہوئے تھے بجا پور کی بہ نسبت زیادہ فاصلہ پر واقع تھے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان دونوں سلطنتوں میں اُردو کا سُنہری دور ایک ہی وقت شروع ہوتا ہے اور مشرق کے بعد سے تو ان سلطنتوں کی سیاسی، معاشی اور ادبی جدوجہد ایک ساتھ اور یکساں رفتار سے جاری رہتی ہے اور سلف یہ کہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں یہ دونوں سلطنتیں ویران ہو جاتی ہیں یہاں یہ بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے کہ سلطنت بجا پور کے زوال کے ساتھ ہی وہاں سے علم و ادب بھی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ لیکن سلطنت گوکنڈہ کے زوال کے بعد ادبی پیداوار بالکل منقطع نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادل شاہی خاندان کے زوال کے بعد بجا پور کے درباری شاعر اور ادیب گوکنڈہ میں پناہ کی خاطر بھاگ آئے اور اس طرح سے بجا پور کی ادبی فضا میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ برخلاف اس کے گوکنڈہ کے ادیب خاندان قطب شاہیہ کے زوال کے بعد شہر حیدرآباد ہی میں رہنے پر مجبور تھے اس لئے کہیں بھی انہیں کسی قسم کی سرپرستی کی اُمید نہ تھی، دوری کے باعث وہ دہلی کو بھی اپنا آس نہیں بنا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں ایسے شہر میں ان کی سرپرستی کی کیا توقع ہو سکتی تھی

جہاں کی عام زبان فارسی ہو اس لحاظ سے اردو شاعری کا ایسے ماحول میں مقبول ہونا ایک خیال خام تھا۔ ایک اور وجہ جس نے بالواسطہ قلب شاہی پائے تخت حیدر آباد کی ادبی فضا کو تباہ ہونے سے بچایا یہ تھی کہ باآخسر حیدر آباد مغلوں کی فتوحات کا دار الحکومت بن گیا اور اس طرح اگرچہ اس نے اپنی مقامی اور قدیم حکومت کھودی تھی تاہم وہ اجنبیوں کا پایہ تخت تھا جنہوں نے اردو ادب کی بزرگداشت نہیں کی لیکن ان کے قیام کی وجہ سے شہر کی رونق ایک حد تک باقی رہ گئی۔

اس کے برخلاف اورنگ زیب نے جب بیجا پور کو فتح کیا تو اس کو بالکل تباہ و برباد کر کے پھونکا۔ کسی ضلع کا مستقر نہیں بنایا گیا وہاں کی پوری مقبوضات کو دکن کے صوبہ میں شامل کر دیا ان کے نظم و نسق کا تعلق پہلے تو اورنگ آباد سے تھا پھر حیدر آباد سے ہو گیا جو نظام الملک کے اعلان خود مختاری کے بعد تمام دکن کا دار السلطنت قرار دیا گیا اور پھر اسی طرح سے صوبہ دکن دوبارہ ایک سلطنت میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح سے دن بدن بیجا پور کی شہرت گھٹتی گئی اور اس وقت اس کی حیثیت ایک گاؤں سے زیادہ نہیں ہے، حال ہی میں حکومت برطانیہ نے قدیم محلات اور عالیشان عمارتوں کو محفوظ کرنا شروع کیا ہے اور اسی سلسلہ میں اس کو ایک تعلقہ کا مستقر بھی بنا دیا گیا ہے۔

بیجا پور اور گولکنڈہ کی اردو پیداوار کے مقابلہ کے لئے اور چند واقعات کا بیان کر دینا ضروری ہے اگرچہ دونوں جگہوں پر اردو ادب کی پیداوار ایک ساتھ ہوئی اور دونوں نے ایک ہی زمانہ میں اردو مصنفین پیدا کئے لیکن بلحاظ مقدار و نوعیت گولکنڈہ کی پیداوار کو بیجا پور کے کارناموں پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۔ موجودہ زمانہ میں ہم کو بیجا پور کے مینٹل اور اور گولکنڈہ کے بحیش مسنفین کا حال معلوم ہے۔
۲۔ بلحاظ نوعیت گولکنڈہ نے بہت سی اور پمفل (پمچی) چیزیں پیش کی ہیں۔

۳۔ اس میں شک نہیں کہ بیجا پور نے بہت سی رزمیہ نظمیں پیش کیں اور اس لحاظ سے گولکنڈہ پر اس کو فوقیت حاصل ہے لیکن جہاں تک رزمیہ مثنویوں کا تعلق ہے گولکنڈہ کی ادبی پیداوار بیجا پور سے زیادہ اہم ہے۔

۴۔ دونوں سلطنتوں میں نشر کئی گئی لیکن گولکنڈہ کی نشر بلحاظ اسلوب بیان اور موضوع بیجا پور کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

۵۔ بیجا پور کے دو تین پادشاہوں نے اردو میں لکھا ہے لیکن بد قسمتی سے ان کے کارنامے اس وقت

منفقو وہیں۔ برخلاف اس کے گو لکندہ کے چار بادشاہ اچھے شاعر تھے اور اب بھی ان کی شاعری کے نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کریں یہ بتلادینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ مواد کی بنیاد پر ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بیجا پور کی پیداوار بہت اچھی ہوگی لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ نہا کے ترم شمار ہاتھوں نے اُسے تباہ و برباد کر دیا اور اب ہمارے پاس ثبوت میں کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

سلطان قلی قطب شاہ

(۱۶۹۱ء-۱۶۵۰ء)

سلطان قلی ان پانچ بھی امیروں میں سے ہے جنہوں نے اپنے آقاؤں کے زوال کے بعد اپنی اپنی مملکتوں میں سلطنت قائم کر لی۔ عادل شاہیوں کے بانی کی طرح اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق بھی قسم قسم کے بیانات ہیں۔ بہر حال یہ اس قدر مقررہ تھا کہ یوسف کے ساتھ ۱۶۵۰ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا۔ سلطان قلی نے اس وقت اپنی خود مختاری کا اعلان کیا جبکہ یوسف کا انتقال ہو چکا تھا۔

اپنے بہ مقابل یوسف سے کہیں زیادہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ اپنی قوت کے بڑھانے اور وقار قائم رکھنے کے لئے میدان جنگ ہی میں گزرا۔ اسی وجہ سے اس کے ہمدیں ادب کی طرف بہت کم توجہ کی گئی چنانچہ اس زمانہ میں گو لکندہ میں اردو کی کچھ ایسی زیادہ نشوونما نہیں ہوئی۔ یوں بھی اسکا دارالاسلام ان علمی مرکوزوں سے فاصلہ پر واقع تھا جہاں ادب کی سہ پرستی کی جاتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس نے آتش خانہ کے نام سے ایک مقام مقرر کر رکھا تھا جہاں شاعر اور ادیب جمع ہوا کرتے تھے لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا انہوں نے اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ وہ بذات خود ایک قابل آدمی تھا۔ اس نے ۳۵ سال تک حکومت کی اور آخر کار اس کے بیٹے جمشید نے اس کی طویل حکومت سے تنگ آکر ایک غلام کے ذریعہ اس کو مروا ڈالا۔

جمشید اور بھان (۱۶۵۰ء-۱۶۹۱ء)

باپ کو قتل کرانے کے بعد اُس نے اپنے بڑے بھائی ملک قطب الدین کو جو تخت کا حقیقی وارث

تھانداھا کرادیا اورخو بادشاہ بن بٹھا۔ اُس نے سات سال تک حکومت کی اور اس کا سارا وقت میدان جنگ ہی میں گزر گیا، چونکہ وہ زیادہ نیک نام نہیں تھا اس لئے مورخین نے اس کے زمانہ کی ادبی فضاء کے متعلق بہت ہی کم لکھا ہے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود شاعر تھا گو لکنڈہ کے قدیم مخطوطات میں اس کے فارسی قصیدوں اور غزلوں کے چند نمونے ملتے ہیں۔

اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سبجان جو ابھی بچہ تھا تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن چھ ماہ تک وہاں بیٹا ابراہیم جو اپنے باپ اور بڑے بھائی کا مال سنگریجا نگر بھاگ گیا تھا سات برس اس ہندوانی شہر میں رہ کر بجا نگر کی فوج کے ساتھ گو لکنڈہ آیا۔ چنانچہ سبجان چچا کے حق میں تخت سے سبکدوش ہو گیا۔

ابراہیم قلی قطب شاہ

(۹۵۷-۹۸۸)

اس بادشاہ کی تیس سالہ حکومت کے دوران میں سلطنت گو لکنڈہ میں خاصی سیاسی اور ادبی جو لانیوں و کھلائی گئیں، یہ بادشاہ بہت جست و چالاک اور عقلمند تھا لیکن ساتھ ہی بے حد سخت گیر بھی تھا۔ اس نے بے شمار مشہور و معروف ہستیوں کو جمع کیا اور ان کی کافی ہمت افزائی کی۔

عرصہ دراز تک ہندو علاقہ میں رہنے کی وجہ سے ان لوگوں سے اس کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ وہ انہیں کی مدد سے تخت پر بیٹھا اس وجہ سے بہت سے ہندوؤں کو اس نے اعلیٰ خدمات پر مامور کیا اور اس کے دور میں اردو کو بھی خاصی ترقی ہوئی۔

اس کی ادبی دیکھیوں کے متعلق بہت سے مستند بیانات ملتے ہیں، دکن کی تاریخوں میں اور خصوصاً بیجا پور کی تاریخ تذکرۃ الملوک میں جس کا ایک عمدہ مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، اس کی علم پروری کے تذکرے پائے جاتے ہیں چونکہ اُس کا مصنف رفیع الدین ابراہیم شیرازی ابراہیم عادل شاہ کا درباری مورخ تھا اور دو دفعہ گو لکنڈہ گیا تھا۔ ایک دفعہ ایرانی تاجر کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ دربار عادل شاہ کی

کے سیر کی حیثیت سے۔ اس لئے گوگلنڈہ کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا اس میں
مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے اس لئے کہ کسی کی خوشامد منظور نہیں تھی، مزید برآں اس مصنف نے سوائے
عادل شاہیوں کے باقی دوسرے بادشاہوں کے حالات خواہ وہ اچھے ہوں یا برے من و عن بیان کئے
ذیل میں ہم ابراہیم کے ادبی اور علمی کارناموں کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اس نے مدرسے قائم کئے جہاں مفت تعلیم کے علاوہ وظائف اور انعامات بھی دئے جاتے تھے
تاکہ ہمت افزائی ہو اور تعلیم عام ہو جائے۔

۲۔ وہ شاعروں اور عالموں کی اس قدر قدر کرتا تھا کہ جب کبھی اس کے باغ سے سیوہ آتا، اس میں سے
کچھ حصہ وہ ان کے لئے ضرور روانہ کر دیا کرتا تھا۔

۳۔ اس نے گھر خانہ کی امداد میں انصاف کر دیا جہاں علماء اور شراح اپنے اہل و عیال کے رکھتے۔
۴۔ یہ دینی علما کے اس لئے ماحول دے گئے تھے کہ وہ میں نقاش، سنگت تراش
اور سادہ، اگر سنے تھے جن کا کام ماہر نامہ کے کتب خانہ کو تفسیر دینا تھا، چوتھے حصہ میں درباری شعراء
اور مثنویوں رکھتے تھے ان کا کام پر جہاں تائیں لکھنا اور شاہ نامہ کے قصبے اور فسانوں کو تحریر کرنا
تھا چھٹا حصہ علما، شعراء اور مراد کے لئے وقف تھا جہاں وہ لوگ ادبی مباحثوں میں مشغول رہا کرتے
اور نظمیں و غیر منظوم کیا کرتے تھے۔

اس عہد کے اردو شعراء میں صرف محمود اور فیروز کے نام معلوم ہیں مگر قطب شہری کے دیباچہ
کے ایک حصے سے عارف طور پر اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ اس عہد میں بہت سے اردو شاعر تھے۔

فیروز اور محمود

(تقریباً ۹۸۰ء)

گوگلنڈہ کے شاعروں و جہی اور ابن ناطلی کے بیانات سے ہمیں ان دو شاعروں کا حال معلوم
ہوتا ہے۔ جہی ابراہیم کے عہد میں پیدا ہوا اس نے ان دونوں کو اپنا پیشرو بتایا ہے۔ لیکن چونکہ سلطان
قلی اور رشید کے دور میں علمی اور ادبی میدان بالکل شک تھا اس لئے اگر ان کو ابراہیم کا ہم عصر کہا جائے تو

بیجا نہ ہو گا۔

وجہی کے قول کے مطابق یہ دونوں اپنے زمانہ کے بہترین شاعر ہیں اور ان کی شاعری قابل یادگار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ اس کے زمانہ تک زندہ رہتے تو اردو شاعری میں معتد بہ اضافہ ہو جاتا۔ ابن نشا ملی کے بیان کے مطابق محمود کا پورا نام سید محمود ہے۔ اس کا شاعرانہ مذاق نہایت اچھا تھا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو ابن نشا ملی کی کتاب جو پھول بن کی تہہ شناسی میں نہایت درجہ انصاف سے کام لیتا۔ ابن نشا ملی فیروز کو استاد مانتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو اس کی شاعری کی کما حقہ تعریف کرتا۔

ان دونوں میں فیروز کا رتبہ بڑا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ ابن نشا ملی نے اس کو استاد کہا ہے بلکہ وجہی نے بھی قطب مشتری کے دیباچہ میں اس کو اردو شاعری کا استاد بتایا ہے۔ وجہی اپنی شاعری کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کا بیان ہے کہ فیروز نے خواب میں آکر اس کی شاعری کو تسلیم کیا اور اس کی صفتی شاعری سے خاصہ اثر لیا۔ وجہی جیسے مغرور شاعر کا جب یہ خیال ہو تو ظاہر ہے کہ فیروز بہت بڑا شاعر تھا۔ لیکن یہ نہایت بد قسمتی ہے کہ ان دونوں شعرا کے حالات اور ان کے کارناموں کے تعلق ہمیں اس سے یاد اور کچھ معلوم نہیں۔

اُردو کا سنہری دور

آخری چار تاجداروں کے عہد میں

(۹۸۸-۱۰۹۸ء)

محمد قلی قطب شاہ

(۹۸۸-۱۰۲۰ء)

یہ گو لکنڈہ کا سب سے مہتمم بالشان بادشاہ تھا جس نے ۳۱ سال تک نہایت کامیاب حکومت کی اس نے پہلے اپنے ہمایوں سے صلح کر لی اور پھر ساسنہرتی اور اصلاحی کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ ساتھ ہی ادب کے ارتقاء کے طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی۔ اس زمانہ میں گو لکنڈہ کی آبادی استدر بڑھ گئی تھی کہ اسے دوسرا شہر قائم کر نیکی ضرورت درپیش ہوئی جس میں پہلے تو بادشاہ، اس کے درباری اور دیگر امدار رہا کرتے تھے لیکن بالآخر وہ سلطنت کا پایہ تخت ہو گیا۔ بیرونی سیاحوں کے روزناموں اور ہم عصر تاریخوں میں اس خوبصورت شہر یعنی حیدر آباد کے محلوں، باغوں اور سڑکوں کا نہایت دلچسپ اور قابل قدر حال درج ہے۔

محمد قلی ایک فیاض، رحمدل اور صلح پسند بادشاہ تھا وہ ایک فاتح مکران سے زیادہ ایک شاعر اور ادیب تھا، اس نے نہ صرف شاعروں کی سہرستی ہی کی بلکہ خود بھی ایک بہت اچھا شاعر تھا، دکنی میں اس کا فخر صلابانی اور فارسی میں قطب شاہ تھا۔

2

3

4

5

6

7

8

9

10

11

12

13

14

15

16

17

18

19

20

21

22

23

24

25

26

27

28

29

30

31

32

33

34

حضور نظام کے خانگی کرتب خانے میں اس کے ظلم کا ایک عمدہ مخطوط موجود ہے۔ اس کے علاوہ آغا حیدر صاحب اور دیگر خانگی کرتب خانوں میں بھی اس کے نسخے محفوظ ہیں۔ محمد قلی کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمد نے اس مجموعہ کو ایسا بگاڑا ہے۔ اس نے دکنی زبان میں ایک خطبہ بھی لکھا ہے۔ حضور نظام کا نسخہ گوگفتہ کے شاہی کرتب خانے کے لیے اعلیٰ درجہ کے بڑی تختی کے کاغذ پر لکھوایا گیا تھا اس میں اٹھارہ سو صفحات ہیں نطسخ میں کافی صحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

اس کے بھتیجے محمد قطب رشادہ کے دکنی دیباچے نطسوں کی ترتیب کا حال معلوم ہوتا ہے نیز اس نے بھی ظاہر ہوا ہے کہ وہ فارسی اور لنگی میں بھی لکھاتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام لوگ اس کی کس قدر پرستش کرتے ہوں گے۔ اور وہ لوگوں سے کس قدر محبت کرتا ہوگا اس کے خیالات میں مذہبیت بھی پائی جاتی ہے۔ اس دیباچہ کی مدد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی نے پچاس شعر لکھے اور اس کے ظلم کو چھ حصوں میں اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے :-

۱. شغریہ ۲. قصیدہ ۳. ترجیع بند ۴. مرثیہ (فارسی و دکنی)

۵. غزل (فارسی و دکنی)

قلی کے شاہی کرتب کا اسلوب بیان نہایت سادہ ہے۔ زبان کی ارتقائی حالت کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ دکنی شاعر کی اولین پیداوار سے ہوگی۔ اس کی قادر الکلامی کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ اس ان خیالات کو بھی نہایت مروانی اور خوبی کے ساتھ دھنی میں ادا کیا ہے جو فارسی میں اسی وقت پیش نیے گئے تھے جبکہ اس کا خاصا لافانی ارتقا ہو چکا تھا۔

قلی کی غزلیہ کس ادگی اور لطافت کے اعتبار سے حافظ کی غزلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ خیالات میں عاشقانہ اور صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے انسانی زندگی اور قدرت کی گامکاریوں کے بیان میں وہ سودا اور نظیر پر بھی سبقت لے گیا ہے اس کا موضوع بالکل ہندوستانی ہے اس نے اپنے ملک کے میوہوں ترکاریوں پرندوں اور رسم و رواج کے متعلق بھی نطس لکھی ہیں اس نے نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو اور مسلمانوں کی شاہی بیابہ کی رسومات کو بیان کیا ہے۔ ہندی شاعر کا اس پر گہرا اثر ہے۔

چونکہ اس کے مخطوط کا راقم نے گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اس لیے وہ اس وقت صرف سرسری محسوسات پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ قلی کے ظلم کے متعلق تفصیلی تبصرہ لکھنا اس وقت ایک خیر امکان ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس کے دربار میں بہت سے دکنی شاعر موجود تھے لیکن بد قسمتی سے اکثر ان کے حالات تدیکی میں ہیں نہ الحال و جہی اور احمد ہی دو شاعر ہیں جن کے کلام اور حالات زندگی کے متعلق ہمیں کچھ علم ہے اور ان پر کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

دجہی

دجہی گو لکندہ کے نہایت قدیم اور اول درجہ کے ادیبوں اور شاعروں میں سے ہیں دکنی اور بکے قدر ان ان سے ضرور واقف ہوں گے، کیونکہ ان کی نثر سب میں ”کے متعلق دو تین دفعہ مضمون شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن شاید ہی کوئی ہوں جنہوں نے ان کی مثنوی ”قطب مشری“ کا ذکر کیا ہو، اس کو اردو زبان کی خوش قسمتی سمجھنا چاہئے کہ یہ اہم شعری کارنامہ زمانہ کی دست برد سے بچ گیا اور اس طرح اب ہم اس قابل ہیں کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین سو برس پہلے کی اردو کی ایک سے زیادہ تصنیفوں پر زبان اور ادب دونوں کے لحاظ سے تحقیقی اور تقابلی نظر ڈال سکیں۔

سب رس اور قطب مشری کا مصنف

قطب مشری جیسا کہ مثنوی کے آخری شعروں سے ظاہر ہے سنہ ۱۱۵۰ھ کی تصنیف ہے اور سب رس اس کے تقریباً ۱۲ سال بعد یعنی سنہ ۱۱۶۲ھ میں لکھی گئی۔ دو کتابوں کی تصنیف کے زبانوں میں اس قدر زیادہ فرق کا پایا جاتا ہے مصنف کے ایک ہی ہونے کے متعلق شبہ پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ

(۱) ”سب رس“ کا دجہی، خواصی، جامعہ مصر تھا کیونکہ ”سب رس“ کا مصنف سنہ ۱۱۴۵ھ ہے اور ”طوطی نامہ“ اور ”سیف الملوک“ کے مصنف سنہ ۱۱۴۹ھ اور سنہ ۱۱۵۰ھ ہیں۔

(۲) ”قطب مشری“ کا دجہی بھی اندرونی مشہاد توں کے لحاظ سے خواصی کا جامعہ مصر تھا ”قطب مشری“ کے حسب ذیل اشار اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ کس طرح اس کا مصنف اپنے ایک جامعہ خواصی کی طرف اشارے کرتا ہے۔

پناہ سے کہ میں اس چھپے گنج کون

خزینے لگیا عینب کے نکھولنے

جو لک برس کوئی سر لہوے رنج کون

ہو اوجو جب شعر یو بو لنے

اگر غوطے لک برس خواص کھائے
یو موتی نہیں وہ جو خواص پائیں
غواض اں کئی غوطے کھا کھائے کر
اپنے ہو کے یا سو ہے جھوٹ سب
تو یک گوہر اس نہ جات ابوالک پنا
یو موتی نہیں وہ جو کس امت آئیں
موتے ہیں سو اس سہد میں لکے کر
خدا غیب تے دیوے تو کیا عجب
مرے ڈوب مل سیرا پر پایوں ہو (ورق ۹۹)

۳۱ سنہ ۸۱۸ء میں ایک شخص وجہی زندہ تھا جو شاعر کی حیثیت سے مشہور تھا اور جو خواصی کے ساتھ کا درباری شاعر تھا۔ اس کا ثبوت نظام الدین احمد کی اس ہم تاریخ سے ملتا ہے جو سلطان عبدالعزیز قطب شاہ (سنہ ۸۲۵ تا ۸۳۸ء) کے عہد حکومت پر لکھی گئی ہے اور جس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزم میں محفوظ ہے۔ اس میں سنہ ۸۲۵ء میں بادشاہ کو لڑکا پیدا ہونے کے ذکر کو ذیل میں لکھا ہے۔
وجہی از شعرا تاریخاے کہ یافتہ بودند بہ مباح جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رہا نیند از ان

اس سے تاریخ مرقوم کر دید۔ اول تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ استع
”آفتاب از آفتاب آمد پدید“ (۱۰۴۱) و ملا خواصی کہ در شعر دکنی از مثال خود تمناز است اس حکم را
ادہ تاریخ ساخته است ”محمود باد“ (۱۰۴۱) ورق ۲۵۴ بیا یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ تاریخ وجہی کو شاعر لکھا ہے نہ صرف انشا پرداز ہیں ”سبب“ کا وجہی شاعر بھی تھا۔

(۱۰۴۱) ”سبب“ کے لکھے جانے کے پتہ مال بعد یعنی سنہ ۸۱۸ء میں گوکنڈہ کا ایک شاعر طبعی اپنی مثنوی ”بہرام گل اندام“ کے دیباچہ میں ایک شاعر وجہی کا ذکر کرتا ہے جس کی اندرونی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ قطب مشتری کا وجہی ہے کیونکہ طبعی نے وجہی کے حسب ذیل اشعار

کہ فیروز آ خواب میں راست کوں
کہا ہے توں یو شعر ایامد کس
تو یوں کر کہ خصلت یو تیج آے نا
توں ایسی طرز دل دیتے (پنچا؟) نوی
وجہی ترا ذہن جوں برق ہے
ترا شہر دل یوں گھٹا ہے دل
دعا ہے کہ چوے مرے ہوت کوں
کہ بڑنے کوں عالم کرے سب ہوں
کہ توں خوش رہے ہو رے کسے بھاتا
کہ دسے کریں سب تری پیر وی
تجے ہو رے بھیاں میں کئی فرق ہے
کہ پانی دیتے، ابوس گھٹا ہے جوں

دوں وجہی کھا شعر کئی دھاست کا
شعربون گرچہ اپرو سب ہے
ہوا زیارت تجھ تے مزا باست کھا
و لے مانا کہنے تے خوب ہے (دورق ۱۱)

کی تقلید میں اپنی مثنوی میں اس طرح بھی مطالب کو ادا کیا ہے۔
لیا میں جو یو مثنوی۔ نو لے
یو موتیاں نخل دھال یو رو لے
یو وجہی مرے خواب میں آئے کر
سراسر سنیا جو مری مثنوی
ہو خوش حال سن کر یو باتاں مرے
بڑے پیارو آ بنا یو منسل

پھر اسی سلسلہ میں وجہی کے حسب ذیل اشعار جو سینہ اپنے لہار میں لے کر لے رہے ہیں۔
کنا ہوں منو کمان دہر لوگ ہو
اگر شعر کوئی خوب ہے کہہ کر جو لائے
کیں کوں سو یک، دکھ کہتے نہیں
اگر کچھ کہے تو کدھر کا کدھر
ارانی (۹) میں املوں جیوں دھیر تھے
اگر خوب جو بولے تو دول رہے
دگر جو برابر بولے تو یوں اسے

اگر وجہی نام کے دو ادبی آدمی گزرے ہوتے تو طبعی اس قدر سادگی اور بے پروائی کے ساتھ اپنے
منظور نثر شاعر کا ذکر نہ کرتا وہ سب کس کے وجہی اور قطب مشہوری کے وجہی میں امتیاز کرنے کا ضرور
ہ۔ یوں ہی اس بات کو نقل نہیں کرتے کہ اپنے قریب کے زمانے میں ایک ہی دربار کے دو
مشاعر ایسے گزر سکتے ہیں جن کا تعلق ایک ہی ہوتا۔

۱۔ قطب مشہوری میں یہاں "جو ہے"

۲۔ قطب مشہوری میں یہاں "جو ہے"

۳۔ قطب مشہوری میں یہاں "جو ہے"

۴۔ قطب مشہوری میں یہاں "جو ہے"

۵۔ قطب مشہوری میں یہاں "جو ہے"

ان دلیلوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتے ہیں کہ :-

- ۱۔ سب برس اور قطب مشرقی دونوں کا مصنف ایک ہی شخص تھا جس کا تخلص وجہی تھا۔
- ۲۔ وجہی نے ابراہیم قطب شاہ (۱۷۹۵ء - ۱۸۱۷ء) کا زمانہ دیکھا تھا اور ممکن ہے کہ اُسی وقت سے شاعر و بھی مشرّع کر دی ہو کیونکہ قطب (شعری) بالکل وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ اس کا مصنف ایک شاعر اور مشہور شاعر ہے اگر ابراہیم کی وفات اور محمد علی کی تخت نشینی کے وقت (یعنی ۱۸۱۷ء میں) اسکی سیر سال کا فرض کی جائے تو قطب مشرقی کی تصنیف کے وقت (یعنی سن ۱۸۱۷ء میں وہ سال کا اور سب برس کی تصنیف کے وقت (یعنی سن ۱۸۱۷ء میں ۲۲ سال کا تھا۔
- ۳۔ خواصی نے بھی قطب کی قطب شاہ کے زمانہ ہی سے شاعر کی حیثیت سے چکنا شروع کر دیا تھا اور اس کا زمانہ پیدائش بھی وجہی کے قریب ہی ہو گا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ خواصی وجہی سے عمر میں بہت چھوٹا ہو کیونکہ اگر اس کی بھی عمر سن ۱۸۱۷ء میں ۱۰ سال کی ہوتی تو وہ غالباً اس قدر ضعیف العمری میں قطب شاہی دوبار لے لے لے کی حیثیت سے پیدا ہوا سفر نہ کر سکتا جس کی نسبت آئندہ ذکر کیا جائے گا۔
- ۴۔ وجہی نے اس کا شہرت حاصل کر لی تھی کہ اس کی وفات کے شاید کمپیس برس بعد بھی ایک شاعر اس کے قدم بدم قدم چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے خواب میں آکر تعریف کرنے کو اپنی شاعری کی خوبی و عمدگی کے لیے سند بھجھتا ہے۔

وجہی کی زندگی

وہ غالباً ابراہیم قطب شاہ کے ہند حکومت میں پیدا ہوا اور کم عمری ہی سے شاعری مشرّع کر دی اس کی نشوونما اس زمانے میں ہوئی جب کہ وہ لکھنؤ میں اردو ادبیات کا آغاز ہو چکا تھا اور غالباً چنداچھے شاعر بھی پیدا ہو چکے تھے۔ خصوصاً جب اس نے قطب مشرقی لکھی عام طور پر اردو شعرو شاعری کا بحر جاہر ہو چکا تھا اور کئی شاعروں سے وجہی کی چشمک بھی تھی جس کے متعلق اس کے ان شعروں سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جن کو طبعی نے اپنی تنویدی کے دیباچہ میں داخل کر لیا تھا اور جو اوپر پیش کیے جا چکے ہیں لیکن اس زمانہ کی علمی و ادبی فضا کے متعلق وجہی کے کلام سے اور جو روشنی پڑتی ہے اس کے ظاہر کرنے کے لیے ہم قطب مشرقی سے چند اور اقتابات یہاں پیش کرتے ہیں۔

اپنے ہمعصر عارف شاعروں کی نسبت وجہی کی یہ رائے تھی کہ :-
یوسف شعر کہتے یوسف شعر نہیں کہہ لالان کدھر ہو معنی کہیں
شعر گرچہ (پے) لوگ جوڑے ہیں بُرے بھوت ہو خوب تھوڑے ہیں
ایک جگہ اپنے کلام کا دوسرے شاعروں کی شاعری سے مقابلہ کرتے ہیں اور اس میں اپنی
خوبیاں بیان کرتے وقت اس بات پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں کہ خود ان کی شاعری انجی ہے
انہوں نے کسی اور جگہ سے اپنا مضمون اور خیالات اخذ نہیں کیے اس کے برخلاف ان کے ہم عصر دوسرے
کے ممنون منت تھے وہ اپنی ذات سے کچھ نہیں کہتے تھے اس بات سے ان کا اشارہ غالباً فارسی کے ترجموں
کی طرف ہو گا وجہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اب آگے کوئی شاعر انجی کتاب لکھے بھی تو اس کو کوئی غزلیں
حاصل ہو سکتا کیونکہ ایسے کام کی ابتدا کا سہرا تو صرف انہی کے سر رہنے کا بعض شعر یہ ہیں -

دو جگہ جس اتم ہیرے کا مول ہے
دو ہیرا سو ہراک مرا بول ہے
تن بے بدل یو مرے جاں بکائیں
وہاں چاند سوچ دلائی نہ پائیں
بچن موتی یو دیکھ نہ پائیں لاجتے
سدا پانی گل کر ہو اللج (ہے)
جکوئی جو ہری ہے سو بچیاں کر
ننگے کارتن کوں قدر بن کر
برابر نہ کر دو دو ہور چھپاچ کوں
لذت دیکھ تک دو دو ہور چھپاچ کوں
جہاں دو دل چھے گا وہاں چھپاچ کیا
جکوئی عارف ہے اس ہوں یو بات ہے
نہ یو بات ہر ایک کے سات ہے
تو پھل چاک دیکھ ہو لذت کوں نام
جو کرنا کہیں کا سہرہ دیکھ کر (نہم کر)
زاول تے یا نا ہے مشکل کہیں
جو کوئی یوں کہے اس میں کج فام نہیں
ہنر و نداءسی کوں آجائے گا (نہم کر)
فرق ہے اول اور اخیر میں

ہنر ویک سکتا ہے استاد کا فہم چور ہے آدمی زاد کا
اسی سلسلہ میں وہ اس کا بھی اظہار کر دیتے ہیں کہ میں اپنے کلام کو ناحق ترجیح نہیں دے رہا ہوں
بلکہ میں اپنے ہنر کی باریکیاں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ لوگ انصاف سے کام لیں اور کسی کی تدبیر
یا طعن واری خواہ خواہ نہ کریں۔

ہنر کیا ہے یو باریکیوں لاف بنینا دو آدمی نہیں جس میں انصاف میں
کہ انصاف طاعت تے بی زیارت ہے کہ انصاف دیوتے وہ خداست (ہیں)
مکرات توں نا سمجہ انسان بہت مشکل ہے بات کون سمجھا گامت
اسی سلسلہ میں حسب ذیل شعر بھی آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں کی ذاتی
کش مکش کہاں تک انھیں پریشان رکھتی تھیں نیز یہ کہ انھیں بعض وقت سرے سے شاعری ہی
ترک کر دینے کا خیال پیدا ہوتا تھا وہ کہتے ہیں کہ

ہو اشعر کا اس وضیہ کام جب تو اب شعر کہنا جھتی کیا سلب
ملے جیور تھا میں کہے باج یو عجب سرکش ہے انچو دی راج بو
شعر خوب کہہ کر جو کیا نا ہے اس پر بلا ایک بابا نا ہے
ہنر میں ہنر کوئی جو تا میں ترک کرنے لگے تو بھی ہوتا میں
یو بنو بند چن اس میں بل بھوت ہے سمجھے تھو ملی لوگاں میں جہل بھوت ہے

وجہی نے غالباً کسی شاعر کی شاگردی نہیں کی۔ کیونکہ انھوں نے اپنے ہم عصروں پر جو چوٹ
کی ہے اس سے کچھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ شاعری میں کسی کو استاد نہیں مانتے تھے۔
تاہم انھوں نے اپنے دیباچہ میں دو اردو شاعروں کے نام پیش کئے ہیں جو اس وقت زندہ نہیں
تھے لیکن ان کی وہ عزت کرتے تھے اور انھیں اس قابل سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعہ سے اردو شاعری
کو بہت رواج ہوتا نیز یہ کہ صرف وہ دونوں ہی ان کی نظروں میں اچھے شاعر تھے اور ان کے علاوہ
بچنے شاعروں کو وہ جانتے تھے یا جو اس وقت موجود تھے وہ ان کے بالکل پیچھے تھے وہ
کہتے ہیں۔

کہ فیروز محمود اپنے جو آج تو اس شعر کوں بھوت ہوتا وہ داج

کہ نادر حقے دونوں کی اس کام میں رکھیا میں کہنے بول انہوں نے تمام میں
فیروز اور محمود کی شہرت اور ان کے اردو ذوق ادب کی نسبت ہمیں ایک اور دکنی شاعر کے
ذریعہ سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ ابن شاطی نے بھول بن کے خاتمہ میں جہاں چند متوفی اردو شاعروں
اور قدردانوں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کا نام سب سے پہلے آتا ہے بھول بن کے حسب ذیل شعروں سے
فیروز اور محمود کے اوصاف کے متعلق ناظرین کی معلومات میں انہوں نے کچھ اضافہ ہو گا۔

انہیں دو کیا کروں فیروز استاد جو ریتے شاعری کا ج پر ہی داد
ہے صد حیف جو بین سید محمود کہنے پانی کوں پانی درد کوں دو دو
(مخطوطہ انڈیا انس ورک ۱۲)

قطب مشتری میں وجہی نے ابراہیم قطب شاہ کی اس طرح تعریف کی ہے کہ گویا وہ تعینف کے
وقت زندہ تھا چنانچہ وہ کہتا ہے۔

ابراہیم قطب شاہ راجا دہراج شہنشاہ بہ شاہ ارشادان میں آن
عدل بخش ہو داد اس تے اچھے رد اخلت سب شاہ اس تے اچھے
چنبے بادشاہاں نہیں سینار کے بھکاری ہیں سب اس کے دربار کے
شکشاں تے فائل ہے اس بخت بل پڑے دیوبند سب میں اس حکم تل
اسی شاہ عادل کے غصہ تے ڈر ایسا بہ گلن کوں پون پیٹ پر
تیا بل ہے اس عدل کے فن سے کہ بجلیاں کمرڈیان کا پیدیاں بن سے

لیکن اس کو دیکھ کر یہ سمجھنا لینا فی الحال خلاف تحقیق ہو گا کہ وجہی نے ابراہیم کی زندگی ہی سے
۶۰ مثنوی کہنی شہر مع روئی تھی۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ دو محقق علی قطب شاہ کی تخت نشینی کے
ساتھ ہی چکنے لگا ہو گا اور چونکہ بادشاہ خود دکنی زبان کا شاعر تھا اس کی رسائی بھی دربار میں بہت جلد
ہو گئی ہو گی۔ مثنوی قطب مشتری جس موضوع پر لکھی گئی ہے خود وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ کوئی شاعر خود
بادشاہ سلامت کو ہیر و نیا کر اس وقت تک کوئی حقیقہ قصہ نہیں لکھ سکتا جب تک کہ بادشاہ اس کے ساتھ
خاصیت درجہ بانس ہو گیا ہو۔

قطب مشتری کی تعینف کے وقت وجہی کی شہرت اور مقبولیت یقیناً عروج حال کر چکی تھی اگرچہ

اُس وقت کئی شاعر موجود تھے، اُن میں سے بہت سوں نے متعدد قہقے بھی نظم کئے، لیکن ان سب کا دجہی جس حقارت سے ذکر کرتا ہے۔ وہ شاید ہے کہ دربار میں کوئی اس کے پلے کا نہ تھا اگر اس کے سوا ایک بھی بادشاہ کا منظور ہوتا تو دجہی تمام شاعروں کی اس طرح بے وحرک مذمت کرنے کی ہرگز جرات نہ کرتا۔ اور غالباً ہی غیر معمولی قدر و منزلت اور احساس یکتائی ہوگا جس نے اسے ایک حد تک خود ستا اور مغرور بھی بنا دیا تھا۔ اگرچہ اکثر جگہ اس کی خود ستائی حق بہ جانب بھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس قسم کے شعر قطب مشتری کے دیباچہ میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ایک سرسری مطالعہ کرنے والا ان کو پڑھ لینے کے بعد دجہی کے اخلاق کے متعلق اول اول کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکیگا اس کی خود ستائیوں کے بعض نمونے یہ ہیں۔

- | | |
|--------------------------------------|----------------------------------|
| (۱) نہ پیچھے نہ پہنچا ہے گن گیاں میں | سوطولی منج ایسا ہندوستان میں |
| کہ باتان یونسن کمرے گیان گیان | رحیان تھک ہو قرباں خراسان گیان |
| جتنے شاعر ان شاعر ہو آئیں گے | سو منج تے طرز شعر کا پائیں گے |
| (۲) نہ منج کچھ بڑائی نہ منج لاف ہے | ولے مارغان پاس انصاف ہے |
| دکن میں اتنا کئی طرح ہو رہیں | ویا یوں سلاست کو بھی زور میں |
| (۳) جتنے قتل و دھڑاے انداز سوں | کیا نہیں کر سکتے یات اس ناز سوں |
| نہ کیوں ویک کر کس تے پایا ہوں میں | تو ناز اطرع دل تے پایا ہوں میں |
| جلوئی فہم میں ٹک فہمیاں رہیں | سو دوسریاں کے وہ خوشہ چنیاں ہیں |
| اگر ٹک جو دوڑوں بلند دھانوں کوں | اڑوں جگ کوں سب بانہ کر پانوں کوں |
| (۴) اگر کس نے تل خاص کچھ جانتا | اسے دل میں استاد کر مانتا |
| ہنر سے ہنر اس و ہنپا کس تے | نکر سے قدم کوئی انگے اس تے |
| اگر کوئی گیانی چتر گیان ہے | ید سے یا پچ گویا پچ میدان ہے |
| دکن میں جو دکنی شہی بات کا | ادائیں کیا کوئی اس دعائ کا |
| ادایوں اتال ہوے تو کیا عجب | کہ عالم سنیا ہے یو چو پیر سب |
| جو قاتل ہے یو بات مانے دہی | قدر اس ادا کی پچھانے وہی |

دیوانہ ہوں میں اس رنگی بات کا
کہاں بات دو چہل ہوا چلی
مری بات سن بات اس دھات بول
یونہ مول ہے بات اسے بول میں
سمن گوہی جس کی گفتار تھے
یو بولیا ہوں سب گنج ناسخ ہے
جو تک برس کوئی نہ یوں رسخ کوں
کہ ہر دل میں جیو ہو کھرے ٹھار آ
کہ دل کوں نہواں سوں کرے گدگی
کہ جیو کون خوشی ہو دل کوں کلول
ہر یک بول ہے وحی یو بول میں
او چہل کر پڑے آدمی ٹھار تھے
اجہوں میرے دل میں بہت گنج ہے
پناے کہ ہیں اس چہچہ گنج کوں
انہار خود نمائی اور ہم عصر شاعروں کی عام تحقیر کے باوجود یہ ضرور ہے کہ وجہی خواہی کی برہتی
ہوئی شہرت اور شاعری سے غافل نہ تھے وہ جانتے تھے کہ اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ زمانہ تک
تکے رہنا آسان کام نہیں ہے اگرچہ انہوں نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ اپنے ملامتی
نیروں کے آل کا نشانہ خواہی ہی کو نبائیں لیکن ان کی ہمت نہ ہوئی کہ صاف صاف ان کا اور ان کے
کارنامے کا دجو غائب کسی فارسی قصہ کا منظم ترجمہ ہوگا، مضحکہ اڑائیں انہوں نے خواہی کی نسبت
جن اشعار میں اشارہ کیا ہے وہ پیش کیے جا چکے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وجہی کی قدر و منزلت کی معراج اور ملک الشرائی محمد قلی ہی کے دم کے ساتھ
تمی محمد قطب شاہ (۱۱۷۵ تا ۱۱۸۳ھ) کے پندرہ سالہ زمانہ کی درباری قدردانیاں ابھی تک نامعلوم ہیں
لیکن عبدالقطب شاہ (۱۱۸۳ تا ۱۱۹۲ھ) کے عہد کے حالات ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت خواہی
نے وجہی کو بھیجے تھا کہ خود ان کی جگہ حاصل کر لی تھی اگرچہ وجہی بھی دربار میں موجود تھے تاریخی
قطعے اور قصیدے لکھا کرتے تھے اور موقع بہ موقع بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوا کرتے تھے لیکن
ان کے کم عمر و مقابل خواہی کی شہرت اور شاعری نے ان کی قدیم عظمت پر نقاب ڈال دیا تھا۔
اس کے ثبوت میں اس زمانہ کے مورخ نظام الدین احمد کا وہ بیان پیش کیا جا سکتا ہے جس میں ایک ہی
جگہ وجہی اور خواہی دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن خواہی کی زیادہ تعریف کی گئی ہے اس بارے میں
خود نظام الدین کے الفاظ پیش کیے جا چکے ہیں۔ اس امر کا ایک دھتوت نظام الدین احمد ہی کے بیان کردہ ایک دوسرے
واقعہ سے ملتا ہے یہ واقعہ خواہی کو بیجا پور کے مبارک شاہ میں انجمنی بنا کر رہانہ کرنے سے متعلق ہے اور جس کا خلاصہ ہو
ہے مرزا غلام شاہ نے اپنے دیوانے ایک مشہور شاعر ملک خوشنود کو وحلی نقوی کا میں نے مکتبہ ہی کے ایک مضمون میں

لوگنٹہ روانہ کیا تھا تاکہ جہانگیر قطب شاہ کی اس مدد کا محمد عادل شاہ کی جانب سے شکریہ ادا کرے جو خواجہ
وہجا پور کی حکومت سے بے اقتدار کرنے کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ ملک خوشنود کی عبداللہ نے خاصی قدر و منزلت
لی اور جب وہ واپس ہونے لگا تو اُس کے ساتھ خواجہ کو بھی بجا پور تک روانہ کیا۔ جس کا ذکر خود مورخ کے الفاظ
میں یہ ہے۔

”بعد از یک چندے ملا خواجہ شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تہنہ دیا و گار روانہ بجا پور ساختہ و بعد از
قتل خواجہ خاں حضرت عادل شاہ میرزین العابدین پسر شاہ ابوالحسن صاحب تعلیمی را ہمراہ ملا خواجہ
شاعر نمودہ و زنجیر فیل بزرگ شش را اس سپ عرقی و دو صندوق تھقل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشا را یہا
بشرف بساط بوسی مشرف و مرفراز شدند“

(دیکھو مدیقتہ السلاطین مغلطہ برٹش میوزیم ورق ۲۶۹ ب)

ان دونوں تاریخی بیانات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت خواجہ کی زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی حالانکہ
وہی زندہ تھا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ خواجہ کی ترقی اور وہجی کی کم قدری کرنے میں مورخ الدکن کی طویل عمری نے بھی
کوئی حصہ لیا ہو۔

وہجی کی شاعری

وہجی کئی باتوں کے لحاظ سے دکن کا ایک واحد ادیب ہے اُس کا موضوع خود اُسی کی دماغی پیداوار ہے
اُس کو اس بات پر فخر تھا کہ اُس نے اور شاعروں کی طرح دوسروں سے مضمون اخذ نہیں کیا۔ دوسری زبانوں سے
ترجمہ کرنا یا دوسرے مضمون کو نافذ قرار دینا اس کی نظروں میں چوری اور دغا بازی جیسا جرم تھا۔ چنانچہ اُس نے
اپنے موضوع کے پہنچے ہونے اور دوسروں کی تعنیفات کے ماخوذ ہونے کی نسبت جو خیالات ظاہر کئے ہیں
ان کو اوپر نقل کر دیا گیا ہے

وہجی وہ خوش قسمت شاعر ہے جس کے کلام سے نثر اور نظم دونوں کا نمونہ اس وقت موجود ہے اور جس اتفاق
سے دونوں اس کی ادبی قوتوں کے بہترین ثبوت ہیں اُس کی نثر ”سب رس“ کی خوبیوں سے اہل ذوق ناواقف
نہیں اور اس نظم ”قلب مشتری“ کی خصوصیات کی نسبت اگرچہ یہاں کوئی تفصیلی بحث نہیں کی گئی
تاہم جو کچھ لکھا گیا ہے اور اس کے متعلق شرویش کے لکھے ہیں ان کے مطالعہ سے ایک حد تک مزید اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وہ اس لحاظ سے بھی گو گنزدہ کا ایک واحد بڑے شاعر ہے کہ اقسام نظم میں سے اس کی صرف نمونہ ہی نہیں بلکہ غزل اور رباعیوں کے بھی چند نمونے قلب مشتری میں موجود ہیں جن کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ وہ دراصل دکن کا ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا اس کی اکثر غزلیں شعر و سہ سے آخر تک ایک ہی مضمون پر لکھی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ ان میں بالعموم جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے اور ان کا اسلوب نہایت پاکیزہ اور فطری ہے۔ ان میں تحلف اور رسمی خیالات کو کوئی دخل نہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول اردو شاعروں نے ہندی شاعری کی تقلید شعر و سہ کی تھی۔ اور یہ کہ اگر وہ اسی پر قائم رہتے تو شاید ان کی شاعری آج کسی دوسرے ہی رنگ میں ہوتی۔ وجہی کی غزلوں کے نمونے تو شہ پاروں کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں یہاں ان کی رباعیاں درج کی جاتی ہیں۔

رباعیوں کے نمونے

(۱) خوشحال ہو جیو آج خوشی پاتا نہیں پیتا ہوں شراب ہو راثر اتا نہیں
کاٹیلانکے صوبے ڈستے ہیں پول ب تاج باج سکی باغ بنے بھاتا نہیں

(۹۰-۱)

(۲) تاج یاد بنا ہو رہے کام نہیں نس جاگتے جاتی ہے دن آرام نہیں
میں تو تھے سنگتی او کہ جیو دے توں کیوں بنے سنگتا ہے سو کچ نام نہیں

(۱۰۰-۱)

دنیا کے سونگھوں میں فادستاہیں دمنڈ دیکھے جنف باج فادستاہیں
بے مہربانی آدم ہے اس سونگھیں دل بانہ نے میں کچ فادستاہیں

(۱۱۱-۱)

وجہی کی شاعری کے نمونوں کے سلسلہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر شعر و شاعری کے متعلق اس کے ذاتی خیالات بھی پیش کر دیئے جائیں۔ ذیل کے شعروں سے نہ صرف یہ معلوم ہوگا کہ وجہی کا میعار شاعری کیا تھا بلکہ یہ بھی کہ آج کے اور آج سے ساڑھے تین سو برس پہلے کے اردو شاعروں کے ذوق میں شعور و سیاسی اورسانی تبدیلیاں کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

کتا ہوں تجھے پنہ کی ایک بات کہ ہے فائدہ اس نئے دعوات
 جو بے ربط بولے تو بیتاں پھس بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس
 سلاست نہیں جس گھڑی بات میں پڑیا جائے کیوں جز لیکر بات میں
 جسے بات کے ربط کا کام نہیں اسے شعر کہنے سوں کچھ کام نہیں
 نگو کرتوں لے بولنے کا ہوس اگر خوب بولے تو یک بیت ہوس
 دو کچھ شعر کے فن میں شکل اچھے کہ لفظ ہو زمینی یو سب مل اچھے
 اسی لفظ کوں شعر میں لیاں توں کہ یا یا ہے استاد جس لفظ کوں
 اگر کام سے شعر کا تج کوں چہند چنے لفظ لیا ہو زمینی بلند
 رکھیا ایک معنی اگر زور ہے دے بھی مزا بات کا اور ہے
 اگر خوب محبوب جیوں سو رہے سنوارے تو نور علی نور ہے
 اگر لاکھ عیباں اچھے نار میں ہنس ہو دے سے خوب سنگار میں
 ہنس شکل اس شعر میں بوج ہے کہ تموزے اچھیں حرف معنی سکے
 دیوانا ہوں میں اس رنگی بات کا کہ ہر دل میں جیو ہو کرے ٹھارا
 کہاں بات وہ چنیل ہو چنیل کہ دل کوں خراں سوں کرے گدگلی
 سخن گو وہی جس کی گفتار تھے اچھل کر پڑے آدمی ٹھارے
 نگو بول مضمون توں ہو رکا کہ کالہے دو جگ میں موں چور کا
 جتا چوری کر چور ایسے ساوہرے دغا باز اچکے کوں مانے نکوٹے
 چرا کر جاتا نہ کچھے چور کوئی یو باتاں سمجھتے سو ہیں ہو رکوی

”قطب شتری“ کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ پاکیزہ نسخہ قلم سے لکھا گیا۔
 ثمنی تقریباً دو ہزار شعر پر ختم ہوئی ہے۔ اور اس کے آخری شعر جن میں تاریخ تصنیف اور اس کا نام وغیرہ با
 کئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

سہوی جگ میں روشن کہ جیوں تھا قطب شتری میں جو بولیا کتاب
 دنیا میں دکھیا ہوں میں اپنا نشان لعل جو داخر کے کا ماں پھپھان

نشانی رکھے باج چار اہیں کہ دالم کوئی رہنے دار اہیں
سنا رہو کے سنے کے نطقان گھڑا تن معنی چن چن ان پر جسٹیا
بنے شعر بویا اسے کیا ہے غم کہ میتا رہے ناون اس جگہ میں جم
تام اس کیا دیں بارہ سنے سندیک ہزار ہور اتھارا سنے

(دوقی ۱۲۱)

ثنوی کے قصہ کا پلاٹ طوالت کے خوف سے یہاں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ انڈیا آفس کے مرتب
کننگلنگ نے جنہیں ثنوی اور اس کے مصنف کے ناموں کا پتہ نہیں چل سکا اس کا مختصر سا پلاٹ نقل کیا ہے جس کے
دیکھنے سے اس ادبی شکار کی کم از کم نوعیت معلوم ہو سکتی ہے۔

آخر میں وہ چار شعر بھی لکھ دیے جاتے ہیں جو اپنے وطن مابون کی تعریف میں وجہی کے قلم سے
نکل پڑے ہیں۔

دکن سا نہیں ٹھہرا سینا میں پرچ فانیٹھارن کا ہے اس ٹھار میں
دکن ہے نگینا انگوٹھی ہے جگ انگوٹھی کوں حرمت نگینا ہی لگ
دکن ملک کوں دکن عجب سلج ہے کہ سب ملک سر ہور دکن تاج ہے
دکن ملک جو تیج خاصا الہ ہے تلنگانہ اس کا خلاصہ اس ہے

(دوقی ۱۱۵ اب)

احمد

سلطان محمد قلی کے زمانے کا یہ دوسرا مشہور شاعر ہے سب سے پہلے ابن نشاطی نے اپنی کتاب پھول بن میں
اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کو گو لکنڈہ کے بہترین شاعروں کے طبقے میں شمار کیا ہے۔ اس کی زندگی اور کلام
کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ وہ ایک درباری شاعر تھا اور اس نے محمد قلی
کی فرمائش پر بلی مجنوں کو نظم کیا ہے احمد کے بلی مجنوں کا ایک نامکمل مخطوطہ پروفیسر محمود شیرانی، مصنف پنجاب
میں اردو کے لیے محفوظ ہے۔

موجودہ حصہ صرف ۱۰۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور وہ بھی شکستہ خط نسخ میں تحریر ہے۔ تمہید سے کوئی مفید نکتہ

حاصل نہیں ہوئیں سوائے اس کے کہ یہ کام بادشاہ کی خواہش پر شروع کیا گیا تھا۔ زبان کم و بیش
وہی سے مشابہت رکھتی ہے اور ہندی الفاظ اور جملوں سے مالا مال ہے۔

(۳) میراں جی خدانا

شاہ میراں جی جن عام طور پر میراں صاحب اور خدانا کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے پہل عبد اللہ
قطب شاہ کے دربار کے محکمہ عالم روزگار میں ملازم تھے ایک مرتبہ جبکہ وہ کسی کام سے بیجا پور بھیجے
گئے تھے تو ان کی ملاقات شاہ امین الدین اعلیٰ سے ہوئی (جو زبان اردو کے ایک ادیب تھے)
اور وہ ان کے مرید ہو گئے۔ حیدر آباد واپس ہونے پر صوفیانہ زندگی اختیار کی اور جب
سختہ سبزی میں وفات پائی تو وہ ایک ولی مانے گئے۔

میراں جی نے بہت سے مقالے اردو و فارسی لکھے ہیں جن میں سے ایک ”شرح شریعت“
ہے جس کے دو خطوط اب تک موجود ہیں۔ اور جو ایک قدیم صوفیانہ فارسی تصنیف
”تمہیدات عین القفا“ مصنفہ عبد اللہ بن محمد ہدانی جو عام طور پر عین الغزالی کے نام سے
مشہور ہے اس کی شرح ہے وہ شیخ احمد غزالی کے شاگرد تھے (جو مشہور امام غزالی کے بھائی تھے)
اور انھوں نے بہت سی فارسی اور عربی تصانیف چھوڑی ہیں۔

میراں جی کی شرح کم و بیش اصل فارسی تصنیف کا ایک ترجمہ ہے اور اس ابواب پر
منقسم ہے۔ اس کے مسودے انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہیں۔

وہ آقبائات ”جو رسالہ اردو“ (جلد ۸ شمارہ ۳۰) میں دئے گئے ہیں بتلاتے ہیں کہ میراں جی
کا اسلوب نہایت سادہ اور اعلیٰ تھا یہ کتاب بہ نسبت سب رس کے جو پیش ۱۲ سال بعد تصنیف
ہوئی زیادہ حقیقی اور عیس ہے۔

محمد قطب شاہ

(۱۰۲۰ تا ۱۰۳۵ھ)

محمد نے جو محمد قلی کا بیٹا، داماد اور جانشین تھا، تیرا سال تک حکومت کی۔ یہ اپنے چچا کا حقیقی پیر و اور سچا مقلد تھا۔ اس نے اپنے عہد میں نہایت شاندار عمارتیں بنوا کر چچا کے عہد کی شان و شوکت میں اور چار چاند لگا دیئے۔ اس نے اپنے چچا کے پیدا کئے ہوئے امن و امان اور ادبی مذاق سے بھی بے حد استفادہ کیا۔ اور ان تمام شاعروں اور ادیبوں کی جو دربار حیدر آباد سے تعلق رکھتے تھے سر پرستی کی وہ خود ایک اچھا شاعر تھا اور دو دیوان چھوڑے ہیں جن میں سے ایک دکنی زبان میں اور دوسرا زبان فارسی میں ہے۔ یہ دو دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں، اردو دیوان آغا حیدر رحمن صاحب کے کتب خانہ میں بھی نظر سے گذرا ہے۔ محمد قطب شاہ دیوان دکنی میں ”قطب شاہ“ اور فارسی میں ظل اللہ تخلص کرتا تھا۔

محمد قطب شاہ کا کلام محمد قلی کے اشعار سے اسلوب کی خوبی اور سادگی میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ اپنے چچا کی مانند محمد قطب شاہ نے بھی نظم کی مختلف شکلوں یعنی رباعی، غزل، ترکیب بند اور مرثیہ میں کمال حاصل کیا لیکن کسی شکل میں بھی وہ اپنے چچا کی برابری نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے کہ اسے گہری علمی معلومات کی وجہ سے چچا پر سبقت حاصل ہے۔

اپنے کتب خانہ کی کتابوں کے سادہ اور اراق پر خود اپنے اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشتیں کتابوں اور ان کے مصنفوں کے متعلق نہایت مفید معلومات اور عمدہ تنقیدیں ہیں۔

ایک بہت مختصر مرنے کا یہ راسخ ظاہر کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان تمام یادداشتوں کو جمع کرے تو وہ ادب کی ایک عظیم فتح ہوگی

دکنی ادب اُس کے عہد میں

یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اگرچہ محمد خود شاہ اور ادب کا قدر دان تھا، اگرچہ اُس کا عہد محمد قلی کے بعد ہی شروع ہوا لیکن اس کے عہد کی بہت کم دکنی نظمیں اس زمانہ میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشہور شاعر وجہی اور اوس کے دوسرے ہم عصر خصوصاً غواصی، جنیدی اور قسطنطینی اور ابن نشاطی وغیرہ شعرا بن کا کلام اس کی وفات کے بعد لکھا گیا جو اب بھی موجود ہے (اُسی کے عہد میں تھے اور یقیناً اُس وقت بھی انہوں نے بہت کچھ لکھا ہوگا۔ لیکن اس کے دربار کے ادبی کارناموں کے متعلق بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں۔

یہ بہت ہی افسوسناک ہے کہ اس کے دربار کے مورخین جو اکثر اس کے مشاعروں، مبارکبادی کے قطعوں اور نظموں کا جو مختلف موقعوں پر لکھی گئی تھیں، اور اس کی داد و ہشس کا ذکر کرتے ہیں، کبھی نہ تو شاعر کا نام ہی بیان کرتے ہیں اور نہ اُن کی نظموں ہی کو نقل کرتے ہیں۔

وجہی، غواصی، جنیدی اور ابن نشاطی کے علاوہ جو یقیناً اس کے درباری شاعر تھے، اور جن کا ذکر بادشاہ عبداللہ کے عہد میں ہوگا، راقم نے تین اور شاعروں کا پتہ چلایا ہے جو اُس کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نام احمد، شوقی اور خیالی ہیں۔

ابن نشاطی نے اُن کا ذکر دوسرے مرحوم شعرا یعنی محمود اور فیروز کے ساتھ اپنی پھول بن میں کیا ہے۔ اپنی تالیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ابن نشاطی افسوس ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی کتاب اُن مرحوم شعرا کو نہ بتا سکا جنکی قابلیتوں کے متعلق بدقسمتی سے وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھتا کہ (۱) احمد کا پورا نام شیخ احمد تھا اور اگر وہ زندہ ہوتا تو وہ اُسکی کتاب کی اعلیٰ ماہیت، صیح اندازہ لگاتا (۲) شوقی کا نام حسن تھا اور وہ ابن نشاطی کی کتاب کو نہایت پسندیدہ نظر سے دیکھتا۔ (۳) مآخیالی اگر ہوتے تو وہ پھول بن کے کمال کو دیکھ کر حلقہ بھڑکتے۔

حسن شوقی

یہ دکن کا ایک عجیب و غریب شاعر تھا۔ یہاں کی تقریباً ہر اسلامی سلطنت کے ساتھ اس کا تعلق رہا۔ کبھی وہ نظام شاہیوں کے دربار میں تھا تو کبھی عادل شاہیوں کے یہاں۔ کسی وقت محمد عادل شاہ نے سرفراز کیا تو کبھی قطب شاہیوں نے۔

اس کا نام حسن تھا۔ اور اپنی زندگی ہی میں کافی مشہرت حاصل کر لی تھی۔ گو کلنڈہ کے خوش مذاق شاعر ابن نشاظمی نے اپنے قصہ چولیس میں جہاں اور مشہور و معروف شاعروں کا ذکر کیا ہے اس کا بھی نام لے لیا ہے۔ اور متوقع ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے کلام کی بہت داد دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوقی ۱۰۶۶ (پوہن کی تاریخ تصنیف) سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔

شوقی کی تصنیفات ہی سے اس وقت دو مکمل کتابیں اور چند غزلیں محفوظ ہیں۔ پہلی کتاب طغرائے نظام شاہ اس مشہور جنگ کی ایک شاعرانہ تاریخ ہے۔ جو والی و بیجا نگر رام راج اور دکن کے مسلمان حکمرانوں میں واقع ہوئی تھی۔ اور جس کی فتح کا سہرا مصنف نے نظام شاہ ہی کے سر باندھا ہے۔ حالانکہ اس میں دوسرے شہر کا بھی خاصہ جگہ تھا۔

اس کتاب سے نہ صرف اُس زمانہ کے تاریخی اور معاشرتی حالات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اُس دور کی ادبی ترقیوں کا خاصہ اندازہ قائم ہوتا ہے۔

شوقی کی دوسری شہنوی ”میزبانی نامہ“ سلطان محمد عادل شاہ ہے۔ اس میں محمد عادل شاہ کی اسکے وزیر مصلحتی خان کی لڑکی سے شادی ہونے کا بڑا پر لطف اور ادبی بیان لکھا ہے۔ اس سے اصل تاریخی واقعات سے زیادہ معاشرتی حالات کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ عیش و عشرت کے متئے لوازم ہیں ان سب پر نہایت استادانہ طریقہ پر شاعری کی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن نشاظمی شوقی سے داد کا خواہاں تھا۔ اس نے بھی شادی کی دھوم دھام اور عیش و عشرت کے بیانات نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں۔

بد قسمتی سے شوقی کے متعلق اس وقت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ اردو کا ایک اچھا شاعر ہے۔ اس کے کلام سے غلوئے سخن ترقی اردو میں بھی محفوظ ہیں۔

عبد اللہ قطب شاہ

(۱۰۳۵ تا ۱۰۸۲ھ)

عبد اللہ قطب شاہ اس خاندان کا ساتواں بادشاہ ہے۔ اُس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی جو قطب شاہی تاریخ میں سب سے بڑا دور حکومت ہے۔ اگرچہ اس کو مغلوں کی وجہ سے بہت سی سیاسی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا تاہم اس نے ادبی ذوق اور دارالخلافت کی آرائش میں کوتاہی نہ کی۔

اس کے عہد حکومت میں گوگلڈہ کے اردو ادب کا سنہری دور کمال عروج کو پہنچ چکا تھا۔ بہت سے زبردست ادبی کارنامے اس کے عہد میں پائے جاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی ایک مستند زبان بن گئی تھی۔

عبد اللہ عالم اور شاعر بھی تھا۔ اُس نے اپنے پیشرو کی مانند فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں دیوان چھوڑے۔ مصنف محبوب الزمن نے کئی ایک اشعار اس کے دکنی کلام سے نقل کئے ہیں۔ اس کا طرز محمد قطب شاہ کے طرز سے زیادہ صاف اور واضح ہے۔ اس کا تخلص عبد اللہ تھا۔

عبد اللہ کا عہد حکومت اس کے پیشرووں کی طرح گنہگار کا عہد نہیں ہے۔ اس کے دربار کے مورخ نظام الدین احمد نے تاجپوشی سے لیکر موت تک کے واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ اُس کی سوانحی حدیقۃ السلاطین میں بیان کئے ہیں جو اُس کے زمانہ کی معاشری زندگی پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ اور بتلاتی ہے کہ کس طرح اور کہاں دکنی اور فارسی زبان کے شعرا جمع ہو کر تے تھے۔ بعض اوقات رات بھر محفل شاعرہ گرم رہتی عیدوں اور خوشیوں کے موقعوں پر بادشاہ کی خدمت میں تہنیت اور مبارکبادی کے اشعار پیش کئے جاتے اس میں نئے مشاعروں کے بہت سے نام درج ہیں۔ مثلاً رونقی، قیصر خلعتی، عبد البجا، رگیلانی وغیرہ وہ آگے چل کر بتلائے گا۔

کہ بادشاہ اور اُس کے مصاحب مہتمم میں کس قسم کی گہری دلچسپی لیا کرتے تھے جس سے اُس کے زمانے میں مرثیہ نویسی کی ترقی پر مفید روشنی پڑتی ہے۔
عبد اللہ کی سوانح عمری اس لئے بھی مفید اور اہم ہے کہ اس سے ہکو اُس کے عہد کے چند شعرا کے متعلق معتبر مواد حاصل ہوتا ہے جنکا ہم آگے ذکر کریں گے۔

غواصی

”ایکے کلام“ ہم عصر تاریخوں اور ادبی ذخیرہ کے معائنہ سے اس بڑے شاعر کے حالات کا پتہ چلتا ہے جو تمام دور سے دکنی شاعروں کے مانند عوام کی نظروں میں اب تک گناہم ہے۔
یہ ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا اور عمر میں وجہی سے چھوٹا تھا۔ محمد قلی کے عہد میں اس کی شاعری نے اس وقت جبکہ وہ وجہی کا حریف بن چکا تھا اُس کو شہور کیا۔
چونکہ محمد قطب شاہ کے زمانے کے ادبی کارنامے اب تک معلوم نہ ہو سکے اسلئے یہ کہنا مشکل ہے کہ دربار میں غواصی کا کیا رتبہ تھا لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ بادشاہ اس کی سرپرستی نہیں کرتا تھا کیونکہ جب اُس نے اپنی پہلی طویل مثنوی ”سیف الملوک“ عبد اللہ قطب شاہ کی تاجپوشی کے بعد لکھی تو وہ بہت غریب حالت میں تھا۔ اس مثنوی کے خاتمہ پر وہ اپنی امید کا اظہار کرتا ہے کہ اگر بادشاہ کو اس کا کلام پسند آجائے تو اس کی مصیبت زدہ حالت بدل جائیگی یہ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت دربار میں ملازم تھا لیکن جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ اگرچہ وہ ایک معمولی ملازم تھا لیکن سب سے بڑا شاعر تھا۔

وجہی کے مانند، باوجود غربت کے، غواصی بھی ایک مغرور شاعر تھا۔ خود ستانی کے اظہار کے لحاظ سے اس کی پہلی مثنوی کسی طرح بھی قطب شتری سے کم نہیں ہے اگرچہ وہ کسی خاص شاعر کی بھونہیں کرتا لیکن اُس کے حلقے بہت زیادہ اور سخت ہیں۔ وہ خیال کرتا ہے کہ تمام دوسرے شاعروں کی شاعری کا انحصار اُسی پر ہے اور وہ اس کی شاعری سے مستفید ہوتے ہیں۔

یہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہی مغرور غواصی چودہ سال بعد اپنی دوسری مثنوی ”طوطی نامہ“ لکھتے وقت بالکل بدل گیا تھا۔

فی الحقیقت اس طویل مدت میں اُس میں خاصی تبدیلی ہو گئی تھی اس وقت اس کا کوئی مقابل نہ تھا، وجہی غالباً

مرچکا تھا اور درباری شعراء میں سب سے بڑا شاعر ہی تھا اور بادشاہ کی بھی اُس پر خاص نظر عنایت تھی جس کا ذکر خود اس نے اس نظم کے ویباچہ میں کیا ہے۔

طولی نامہ لکھنے کے چار سال بعد یعنی ۱۷۴۸ء میں جبکہ وجہی نے سب رس لکھی تھی۔ غوامی کی شہرت انتہائی بلندی پر پہنچ چکی تھی، عبداللہ کی سوانح عمری میں غوامی کا دلچسپ حال تحریر ہے جس کا ایک سرسری خاکہ ہم نے ملک خوشنود سے بیان میں بھی پیش کر دیا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح غوامی اپنے زمانہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کو ایک مستبر درباری کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی وہ بیجا پور کے دربار میں بحیثیت سفیر کے روانہ کیا گیا تھا۔ وہاں اس کی خاطر خواہ آؤ سمجھگٹ کی گئی تھی۔ اور جب وہ گو لکٹڑہ واپس ہونے لگا تو شاہ بیجا پور محمد عادل شاہ نے اس کے ساتھ ایک بڑا مال تھی، چھ عراقی گھوڑے اور دو ہمیش بہا اشیاء سے بھرے ہوئے صندوق بطور تحفہ کے روانہ کئے تھے۔

غوامی کو بالعموم شیعہ مسلمان تصور کیا جاتا ہے مگر اندرونی شہادت اس کے سنی ہونے کا علانیہ طور پر اظہار کرتی، ثنوی ”سیف الملوک“ میں اس نے نہایت ہی جوش کے ساتھ صحابہ رسول اللہ حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ اور خود جب بندہ نواز مکی مدح لکھی ہے۔

اس مخطوط میں شاعر کی بھی ایک تصویر کھینچی ہوئی ہے اس طرح سے کہ ایک نوجوان آدمی مختصر مونچہ دائرہ ہی کے ساتھ درباری لباس پہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بیاض لٹے کھڑا ہوا ہے، اُس کے پیچھے ایک سیاہ فام لاکا، شاید غلام ہوگا، بغل میں کتاب دبا لئے کھڑا ہے۔

غوامی کی پہلی نظم ”سیف الملوک و بدیع البحال“ غالباً محمد قطب شاہ کے عہد میں شروع ہوئی لیکن عبداللہ کے عہد حکومت کے پہلے سال یعنی ۱۷۴۸ء میں ختم ہوئی۔ اس میں ۲۰۰ شعر ہیں شاعر کے قول کے مطابق یہ اشعار بلا کسی رکاوٹ کے لکھے گئے۔ قصہ اجمعی نہیں ہے بلکہ الف لیلیٰ کے قصہ شاہ مصر سیف الملوک اور چین کی شہزادی بدیع البحال سے ماخوذ ہے۔ اس ثنوی کا اسلوب بیان قطب شتری کی طرح سادہ اور دلکش نہیں ہے اور نہ گلشن عشق کی طرح صاف اور پسندیدہ ہی ہے اگرچہ نہ تو اس میں زیادہ پیچیدگیاں ہیں اور نہ تصنع ہی پایا جاتا ہے، غوامی بالعموم ہندی ترکیبیں، خیالات اور محاورے استعمال کرتا ہے مگر اس کے ہمعصر نصر قی اور ابن نشاظمی ایسا نہیں کرتے تھے۔

غوامی نے اپنی دوسری نظم طولی نامہ کو پہلی نظم کے ختم ہونے کے چار سال بعد ہی لکھنا شروع کیا تھا لیکن

ہاں اس کے دانتوں اور پرستاروں نے نمبر نمبر کیا تو اس نے اس نظم کو آخر کار ۱۵۹۰ء میں ختم کیا اس نے پورے قصہ کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ چند واقعات کو چن کر انہیں پارہ ہزار اشعار میں نظم کیا ہے۔

اختتام پر اس نے اور ستوا شمار کا اضافہ کیا ہے جس میں صوفیانہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان میں وہ اپنے آپ کو دنیا دار ہونے کی حیثیت سے اعنت ملامت کرتا ہے اور تصفیہ کر لیتا ہے کہ آئندہ اسے نظم نہ لکھنا کریگا، اور اختتام پر دینی و سادات میں دخل دینے سے توبہ کرتا ہے۔

طوطی نامہ کا اسلوب بیان سادہ اور دلکش ہے اس سے غوامی کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے اظہار محبت اور جذبات کے لحاظ سے سیف الملوک کے ہم پل ہے لیکن موخر الذکر شاعرانہ خصوصیات کے لحاظ سے متقابلہ برتر ہے۔

قطبی

یہ بھی گوکنڈہ کا شاعر تھا اس نے دہلی کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ نصیر الدین کے مرید شیخ یوسف دہلوی کی مذہبی کتاب تحفۃ النصائح کا مستثنیٰ میں زبان دیکھی ترجمہ کیا ہے۔

دیکھنی تحفۃ النصائح میں ۱۰۰۰ کے قریب اشعار ہیں، قصیدہ کی طرز پر لکھی گئی ہے اور ردیف و قافیہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا فارسی میں کتاب کوہ ابواب پر منقسم کیا گیا ہے اور ہر باب میں ایک علیحدہ مذہبی موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ مولوی : یا معنی صاحب کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نسخہ جرنل السنہ میں لکھا گیا ہے راقم کے ایک دوست کے یہاں ہے۔ ان دونوں نسخوں کے آخری اشعار ادبی تحقیقات کرنے والوں میں مصنف اور اس کے محد و ح کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا کر دیتے ہیں جن کی نسبت کسی اور جگہ بحث کی جائے گی۔

فی الحال قطبی کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں شمالی ہند میں ایک اور شاعر تھا جس کا تخلص بھی قطبی تھا اس کی کتاب تیرہ ماہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لاہور میں محفوظ ہے اس کتاب خانہ کے کٹیلاگ اور ان تمام تحریرات میں جو دیکھنی مصنفات کے متعلق ہیں تیرہ ماہ کو تحفۃ النصائح کے مصنف کی دماغی پیداوار تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں کچھ بھی تعلق نہیں۔

راقم نے قطبی کے اس مخطوطہ کا بھی مشہد و ح سے آخر تک مطالعہ کیا جو انڈیا آفس میں موجود ہے (نمبر ۱۷۱/۳۵۹) اور جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ۔

۱۔ تحفۃ النصائح کے مصنف قطبی کا مصنف تیرہ ماہ سے کوئی تعلق نہیں دونوں بالکل علیحدہ شخصیتیں ہیں ایک شمالی ہند

باشندہ ہے اور دوسرا دکن کا۔

۲۔ شمالی ہند کا قطبی دکنی شاعر کی وفات سے ایک صدی بعد پیدا ہوا تھا۔

۳۔ شمالی ہند کا قطبی مرزا جان جانان مظہر کامریہ تھا چنانچہ اُس نے اپنی کتاب بارہ ماسہ میں منبر کے لئے حدودِ تعریف اور اعتقاد کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے صوفی شاعر جان جانان مظہر کے حالات پر کافی روشنی پرتی ہے۔

جنیدی

”اُردو کے قدیم“ کے مصنف کی نظروں سے جنیدی کی کتاب ”ماہِ پیکر“ کا کوئی مخطوط نہیں گزرا ہے انہوں نے صرف اسٹیوارٹ کی ذمہ داری پر جنیدی کا نام شیخ احمد بتلایا ہے۔ لیکن اسٹیوارٹ نے نہ تو ماہِ پیکر کے مصنف کا نام لکھا اور نہ اس کے متعلق کچھ حالات درج کئے ہیں اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تاریخ یعنی شاہ عبدالندر کی سوانح عمری (دیکھو نمبر ۱) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام علی اکبر جنیدی دکنی تھا، اگرچہ مخطوط میں یہ نہیں لکھا ہے کہ عبدالندر قطب شاہ کا زیوش درباری جنیدی نہ پیکر کا مصنف تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ماہِ پیکر کا مصنف جنیدی، عبدالندر کے عہد حکومت کا شاعر تھا و نیز اس کے متعلق کوئی ثبوت اور سند نہیں ہے کہ اس کا نام شیخ احمد تھا پس اس صورت میں ہمیں اس کا نام علی اکبر تسلیم کرنے میں شبہ کی بہت کم گنجائش نظر آتی ہے۔

ثمنوی ماہِ پیکر کی نسبت بھی بہت کم معلومات اس وقت حاصل ہیں اتنا ضرور علم ہے کہ وہ عبدالندر قطب شاہ کے عہد میں غزل گوئی میں لکھی گئی تھی اور یہ کہ اس کا ایک تلمیذ نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں محفوظ تھا۔

ابن نشاٹلی

ابن نشاٹلی بھی سلطان عبدالندر قطب شاہ کے عہد کا شاعر ہے۔ رستمی بجا پور کی طرح یہ بھی دربار شاہی سے غائب بحیثیت مصنف وابستہ تھا اور اس کی شخصیت کسی طرح گناہ نہیں تھی۔

وہ جیسا کہ اپنی واحد ثمنوی بچول بن کی تمہید میں لکھتا ہے غزلیں تھا اور اس سے قبل شعر گوئی کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کہتا ہے ”میں غزلیں نہیں کہتا لیکن یہ میری کامیابی میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ نفاذی اور سعدی جیسے اکابر شعرا نے بھی غزل گوئی نہیں کی اور میں بھی ان کی طرح محض ثمنوی ہی کی بدولت شہرت و مقبولیت حاصل کروں گا“

ایک اور جگہ وہ کہتا ہے: ”اگر میں بادشاہ کے درباریوں اور شاعروں میں ہوتا یا فکر معاش کے جھیلوں سے بالکل فارغ ہوتا تو قیامت نہایت عظیم اشان کا رنامہ اپنی یادگار چھوڑ جاتا۔“

دوسرے شاعروں کے برخلاف وہ کسی شاعر پر اعتراض کرتا ہے نہ کسی کا شاک ہے وہ اس سے خوش ہے کہ وہ ہر آدمی نہیں تاہم سب لوگ اس کو اہستہ ہیں اور اُس کی قدرومنزلت کرنے میں وہ اپنی قسمت پر شاک نظر آتا ہے اور اپنی تصنیف کی کثافت توقع کامیابی پر اس کو فخر و ناز ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے زندہ شاعروں کی توصیف و تعریف کا دہشتہ نہیں۔ وہ ان کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ حضرت فیروز محمود، خلیلی، احمد، اور شوقی کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ یہ لوگ اس کی شوقیہ تصنیف کی قدرومنزلت کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اُس نے غنوی کے اختتام پر ایک غزل بھی لکھی ہے جس میں اپنی اس سعی کی بڑی تعریف کی ہے اور غالباً اس کا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ وہ چاہے تو غزل بھی لکھ سکتا ہے۔ تمہید میں وہ کہتا ہے کہ اس کا ارادہ کسی اصل تصنیف و تالیف سے اپنا نام دنیا میں یادگار چھوڑ جانا تھا۔ جب اس نے ایک فارسی قصہ موسوم بہ ”ایمانتین“ پڑھا تو اس کو ترجمہ کرنے کے قابل پایا۔ اس خیال کو اس نے بھی تقریر ہوئی کہ اصل فارسی کتاب میں اس کو متعدد، شغال نظر آئے اُس کو دکنی میں منتقل کرنے اور الفاظ اور معنی کے تمام اشکال اور جملوں کو دہر کر کے سلیس و سادہ بنانے کے لئے اس نے اپنے آپ کو اہل پایا اور چنانچہ ۱۶۱۶ء میں تین ماہ میں سترہ سو شعر لکھ کر اس کو مکمل کر دیا۔

پہول بن بلاشبہ ان چند نظموں میں سے ہے جو حقیقی معنوں میں سخت کد و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس کے مصنف کا اصل مقصد ایک خالص ادبی اور دلچسپ کتاب تحریر کرنا تھا نہ کہ فانی قصبے کا خشک اور لفظی ترجمہ کرنا۔ جیسا کہ اُس نے ناتمہ پر بتایا ہے، اس امر کی کوشش کی ہے کہ علم سانی کے اصول و قواعد کے موافق انسانی قسم کی مصنوعی خوبیاں پیدا کرے۔ اس پر بھی یہ نظم اس قسم کی محض شوق نہیں رہی۔

زبان و طرز بیان کے لحاظ سے یہ دکنی کی بہترین ثنویوں میں سے ہے۔ اس کی بحر بھی خاص اور دلکش ہے مصنف اپنی طبیعت کی پانچ اور اصلی جوش کو قدم قدم پر ظاہر کر کے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔ تعاریب اور شادی کی رسومات کے جو بیانات اس میں پیش کئے گئے ہیں بالکل نیچرل اور حیات انسانی کے بالکل مطابق ہیں۔ وہ سلطنت قلع شاہیہ کی معاشرت اور رسم و رواج کی اعلیٰ تصویریں ہیں۔

پہول بن کا خاتمہ البیان گوگلنڈہ کی اردو شاعری اور مصنف کی زندگی کی نہایت اہم تاریخی و سادہ و سادہ میں سے ہے۔ یہ اصل کتاب کی تکمیل کے کئی برس بعد شریک کیا گیا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس

تصنیف کے بعد سے کیسی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک طرف بادشاہ نے اس کو شایان شان سرفراز کیا تو دوسری جانب موضوع کتاب کے ادیبانہ طرز بیان نے پبلک کو بھی اس کا گردیدہ بنایا۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ قلعہ سدھوت میں ایک دو قلعہ جاگیر دارنی تھی جو مع اپنے شعرو دست اراکین خاندان کے (بن کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے) ادبیات سے بیدگذاؤ رکھتی تھی۔ وہ ابن نشاطی کی تصنیف سے بہت محفوظ ہوئی اور چاہا کہ اس کو عمدہ تصاویر کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔ اس نے شادی کے بیان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا۔ یہ بتا دینا خالی از چسبی نہیں کہ انڈیا آفس کا مخطوطہ خوش قسمتی سے وہی نسخہ ہے جو اس خاتون کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد خوشنما اور اعلیٰ درجہ کی تصاویر ہیں اور نفیس خط نسخہ میں لکھا گیا ہے۔

خود مصنف کی بھی ایک پاکیزہ اور چھوٹی تصویر ہے جو غوغا اسی کی تصویر ہے جو اس کے سیف الملوک کے مخطوطے میں ہے از یادہ اسلمی اور فن کارانہ ہے۔ اس میں ابن نشاطی ایک اوجیز شخص دکھایا گیا ہے جو اپنے دیوان خانے میں ہاتھ میں بیاض لئے بیٹھا ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ابن نشاطی ایک اور نظم طوطی نامہ کا بھی مصنف ہے مگر راقم الحروف کو اس کے ماننے میں تردد ہے اور کوئی ثبوت ایسا نہیں جس سے طوطی نامہ کو ابن نشاطی کی تصنیف تسلیم کیا جائے اس کے برخلاف مندرجہ ذیل وجوہ سے راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ ابن نشاطی نے ایسی کوئی نظم نہیں لکھی۔

۱۔ جن لوگوں نے طوطی نامہ کو ابن نشاطی کی تصنیف بتایا ہے وہ سب اپنا ماننا انیورٹ کوتاتے ہیں مگر خود اسٹیوارٹ نے ابن نشاطی کا نام نہیں لکھا ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ایک ہی جگہ پھول بن اور طوطی نامہ دو کتابوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا مصنف آواری دہ ہے مگر اس سے کافی طور پر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ آواری ہی ان دونوں نظموں کا مصنف ہے یا یہ کہ آواری ابن نشاطی کا تخلص ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اسٹیوارٹ پھول بن کے مصنف کا نام معلوم نہ کر سکا ہو اور طوطی نامہ کے مصنف کا نام اس کو مل گیا ہو اور چونکہ یہ دونوں نظمیں ایک ہی سلسلہ میں لکھی گئی تھیں اس لئے یہ خیال کر لیا کہ یہ دونوں ایک ہی مصنف کی کتاب ہیں اور یہ کہ آواری پھول بن کا مصنف ہے۔

۲۔ دوسرا مصنف جس نے ابن نشاطی کے طوطی نامہ کا ذکر کیا ہے وہ گارسان دی تاسی ہے جس نے خود آواری کا طوطی نامہ دیکھا تھا مگر وہ کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکا کہ ابن نشاطی اور آواری ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

راجم آخر وقت نے پھول بن کے نھوٹے میں آ رہی کا نام تلاش کرنے میں مکانی کوشش کی گز کہیں اس کا پتہ نہ پڑا۔
۲۔ بیساکھم نے اوپر بتایا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ پھول بن بن نشاطی کی پہلی نظم ہے۔ اس نے ۱۶۵۰ء سے قبل کوئی
نظم نہیں نظمیں جالتی تھیں کہ تاسی کا کہنا ہے کہ آداری کا طوطی اسے سننے لگے میں لکھا گیا۔ اس طرح واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے
کہ طوطی نامہ کو ابن نشاطی نے نہیں لکھا۔

۳۔ آداری کے طوطی نامہ کی تاریخ تصنیف جو دی تاسی نے دی ہے وہی ہے جو غواصی کے طوطی نامہ کی ہے
اور گمان ہو سکتا ہے کہ دی تاسی نے جو طوطی نامہ دیکھا تھا وہ غواصی ہی کا ہوگا لیکن دی تاسی نے دونوں کے طوطی نامے
دیکھے تھے اور ایک دوسرے میں امتیاز بھی کیا ہے اس سے یہ کہنا غلط نہیں کہ دوسرا طوطی نامہ کسی گنام شاعر آداری
نے ترجمہ کیا ہو جس کو ابن نشاطی سے کوئی تعلق نہیں۔

میراں یعقوب

میراں یعقوب کی زندگی کے متعلق بہت کم علم ہے۔ ان کا کارنامہ قدیم و کھنی نثری کتابوں میں شمار کیا جاسکتا ہے
وہ ایک تصوف کی فارسی کتاب شہزاد الانقیاء مصنف شیخ رکن الدین عماد کا شانی مرید شیخ برہان الدین کا ترجمہ ہے۔ کرالین
نے اپنی کتاب میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا اظہار کیا ہے اس کے مضامین سوسے زیادہ فارسی اور عربی کتابوں سے ماخوذ
ہیں ایک ایسی کتاب کا اس خوبی سے ترجمہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ میراں یعقوب ایک معمولی درجہ کے افشار پر داز نہیں تھے۔
میراں یعقوب نے اپنی کتاب سنہ ۱۰۸۰ء کے قریب ختم کی۔ اس کا ایک مخطوط کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اسکی
ترکیب بالکل فارسی کتاب کی طرح ہے۔ یہ کتاب اسلوب کے لحاظ سے ایک ٹھیک و کھنی ترجمہ کہلائی جاسکتی ہے۔

طبعی

طبعی کی ”بہرام و گل اندام“ کا ایک سرسری مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کھنی زبان کے بہترین کارناموں میں
سے ہے۔ اس کی زبان، اسلوب بیان، شاعرانہ نزاکتوں اور ادبی حلاوتوں پر اس مختصر سے تذکرہ میں تفصیلی
نظر نہیں ڈالی جاسکتی۔

طبعی کی تصنیف ظاہر کرتی ہے کہ اس کا لکھنے والا نہ صرف ایک شاعر ہے بلکہ ایک سلیقہ مند مصنف بھی
اُس نے اشعار کی تعداد اور عنوانات کی تقسیم اس قدر باضابطہ طریقہ پر کی ہے کہ یہ ٹمنوی بجائے ایک قصائد کے

ایک علمی اور سائنسک کتاب معلوم ہوتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ساری کتاب یعنی ۲۴۰ شعر صرف پالیس ہی دن میں لکھ ڈالے۔

کیا ہوں میں چاہیں جن کی کتاب	بہت فکر کراتوں بے سب
یونانہ پڑیں گے تو بہ نہ	پڑو فاتح نام میر۔ ارمر
گناہیت بیتاں میں کین جوں	ہزارا درہے میں سو پر جہل
اتھا سال تاریخ کا خوب نیک	نہ کہنزار اور ہشتاد ایک
یونانے کو لبتی کیا ہے تمام	جنی محمد علیہ السلام

زبر نظر مخطوطے میں تقریباً ۲۵۰ شعر ہیں۔ زمعلوم دوسرے ایک سو شعروں کا کیا حشر ہوا۔

طبعی مطلب شاہیہ دور کا آخری بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو اپنی شاعری کی خوبوں کا احساس بھی تھا۔ لکھ شہزاد
دولت اور این کے برخلاف اُس نے اپنے کارنامہ کی تعریف بھی کی ہے۔ اور اپنے مخالفوں اور معترضوں پر سخت سے
سخت چوٹیں کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی موضوع پر لکھنے والے دوسرے شاعروں کی طرح محدود شہرت کا نہیں
تھا۔ اُس کی شہرت پھیل چکی تھی اور اُس کی شاعری ہر لوگوں کی نظریں اُٹھتی تھیں۔

انہار خود اعتمادی کے ساندھی طبعی دوسرے بڑے شاعروں کی عزت بھی کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس
زمانہ میں وجہی بہت زیادہ مقبول ہو گیا تھا۔ چنانچہ طبعی خواب میں اُس سے اپنی اس ثنوی کی داد حاصل کرتا ہے اور
اس خواب کو بھی اپنے کلام کے بہتر ہونے کا ایک ثبوت قرار دیتا ہے۔ بعض اشعار یہ ہیں۔

گیسا میں جو یو ثنوی بولنے	یو موتیاں پچھمال دھال یوں بولنے
یو وجہی میرے خواب میں آئے	لکھ اپنا سورج فادہ کھلائے کر
سراسر سنیا جو میری ثنوی	کیا بات طبعی ہے تیری نوی
ہو خوشحال سن کر یو باتاں مری	اپس کے لیے باتاں میں ماتاں مری
بڑے پیار سوں اپنا پوشل دی	سنیا سو پڑیا خواب سے میں اچھل

اتھے دانت کھینچ ہی رہے جڑے وہیں کے صدف بیچ موتی جڑے
جہاں وہ خوشی ساتھ ہنس بولتی گلاں اور موتیاں گئی رولتی
سینہ پر دوپٹاں انا رتھے یاد و برج مشکیں تانا رتھے
شکم موج دریاے سیاب ہے اگے ناف قس بیچ گرداب ہے
چہرہ دیکھ چٹکا کھٹکا باغ ذہ رنخ دیکھ لالا ہوا داغ داغ

سب برتنوی بہرام گل اندام از طبعی
گل اندام کی تعریف میں چند شعر۔

اوز زلفان دلاں کو ہند ولے ہیں غلط میں کیا دوسرے پنولے ہیں
بھنواں باگ نک ہو رانکھیاں ہرن کہ او موہنی ہے عجب من ہرن
اوجکالاں کی سہ فی سولالی میں ہیں او بالاں کی خوشبوی بالی میں ہیں
دے پہول دوسینوی کے دوکان چھنے کی کلی ناک ہے دریشان
عجایب او چاہ زرخندان ہے کہ غرق تھک سینے دین ایساں
دو جہن سوچولی کے دہات میں جو امریت پھل چپ رہے پات میں
اتھاپیت جوں آرسی ناوصاف کہوں کیا جھمکتا اتھاجوں شفاف

۳۔ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ آئین کی مثنوی ۲۰ سال کی عرصہ بہرام کو پیش کرتی ہے اور طبعی اس کی پیدائش سے پہلے ہی قصہ کا آغاز کرتا ہے اور پیدائش تک کے واقعات بیان کرنے کے بعد جب بہرام گورخر کے بچے کی طرح وہاں سے ان دونوں کے قصوں میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ جزوی اختلافات کے ساتھ۔
۴۔ طبعی کی مثنوی زیادہ موافق فطرت باتوں کو پیش کرتی ہے فوق فطری باتیں آئین کے قصہ کو غیر دلچسپ بنا دیتی ہیں گل اندام آئین کی بانو حسن کی طرح ایک پری نہیں ہے بلکہ بادشاہ چین کی بیٹی وغیرہ

اس مرقعہ پر اس غلط فہمی کا ازالہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ طبعی کی گل اندام کو بادشاہ ہندوستان

اردو ہمارے



حضرت امام احمد راجہ

کی بیٹی بتایا گیا ہے مالا لکھ زیر نظر مخطوط سے اس کا دختر شاہ چین ہونا ثابت ہوتا ہے۔
 ولایت سننے چین کے شاہ تھا وہ ہو بیچ مقبول جوں ماہ تھا
 اُسے ایک بیٹی تھی جوں مشتری نہیں آدمی زاد، تھی او پر ی دنیہ

راجہ شاہ راجو

طبعی نے شاہ راجو کی مدح میں جو اشعار لکھے تھے ان کا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

دلی تو بڑا ہے مگر شاہ راجو	جل آیا ہے شیر و گھوڑا راجو	فلک پر توں اڑتا ہے شہ باز نینے	کرامت کی لاشاہ اپر شاہ راجو
خبر تیری معلوم نہیں بغیر کون	خبردار جانے خبر شاہ راجو	تون مخدوم سید محمد کی کھن کا	بھوت بے بدل ہے کج شاہ راجو
کرامت ہو اس کے معلوم یونہی	توں باطن میں کی نظر شاہ راجو	دکن کا کیا بادشاہ برکھن کون	تراقت دیکر چھتر شاہ راجو
کھڑا ہو کو خدمت سے تیری سوچ	اڑا تا کر بھی چنور شاہ راجو	کسی کا نہیں عیب چستا توں ہرگز	بڑا تمہ میں ہے یوہن شاہ راجو
تیرے عشق کا چوٹا کیا سو بڑا کر	اترنا نہیں ہے شاہ راجو	قدم تیرے پڑیا ہوں امید لیکر	میسے بخت تیرے نظر شاہ راجو
خدا پاس اچا مات کرتا ہے کجی	دعا تجھ کوں شام و صبح شاہ راجو		

امین

اگرچہ امین کی نظم قصہ ابو شحمہ نامہ شاہ کے عہد کے کسی نامعلوم شاعر کے ہاتھوں تکمیل پائی تاہم یہ عبد اللہ کے عہد کا شاعر تھا اس کا آخری حصہ بہت اہم ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے ہیں مملکت باتوں کے متعلق مواد ملتا ہے۔
 اس کا حقیقی مصنف ایک درباری شاعر تھا چنانچہ وہ کہتا ہے "بادشاہ اس قصہ کو سنکر اگر خوش ہو جائے تو میری نظم بہت مقبول ہو جائیگی" اس نے اصحاب رسول اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی بیچ لکھی ہے رمضان کے چہینہ میں اس نے یہ نظم لکھی شہرہ دار کی تھی خاتمۃ البیان سے یہ صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا اہل مصنف مشہور و معروف شاعر آئین تھا۔ اس نے سولہ سال کی عمر میں اس نظم کو لکھنا شروع کیا لیکن بد قسمتی سے اس کام کو پورا نہ کر سکا۔ ایک دوسرے شاعر نے یہ نظم پڑھی اور اس کی نصیحتات سے واقف ہو کر اس کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۰۹۰ھ میں اس نے یہ کام ختم کیا اور اس پر وہ اپنے آپ کو ایک خوش قسمت آدمی تصور کرتا ہے۔ اس نظم میں ۱۰۹۰ھ اشعار ہیں، اسلوب بیان نہایت سادہ اور شاعرانہ خصوصیات سے مالا مال ہے۔ نظم کو ردیف و قافیہ کی بند بوندوں میں نہیں جکڑا گیا بلکہ اکثر سبک تو یہ نام اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ابو الحسن نانا شاہ

(سنہ ۱۰۹۰ھ)

یہ بدنت بادشاہ خاندان قلع شامیہ کا آخری حکمران تھا بادشاہت سے زیادہ اس کے خیالات میں تصرف کی روح پہنکی ہوئی تھی چنانچہ اب تک حیدرآباد میں اس کو صاحب دل، صوفی اور نیک خلق بادشاہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس نے پندرہ سال حکومت کی، اس زمانہ میں اردو ابھی اور نشوونما پا رہی تھی، ہمیں اس زمانہ کے چند شعرا کا پتہ ملتا ہے، وہ خود بھی ایک شاعر تھا، لیکن اس کی معزولی اور پیر قیدی تکالیف نے اس کی شاعری کو ذرا بھرنے ہی دیا اور نہ اس کی کچھ شہرت ہی ہوئی۔

جو سخت قید سخت تھی اس لئے یہ ممکن ہے کہ لوگوں کو اس کی نظموں کو منہبط تحریریں لانے کا موقع نہ ملا ہو اسی لئے ہمیں اس کا کوئی منظوم محفوظ نہیں ملتا، البتہ کہیں کہیں تذکروں میں اس کے کچھ اشعار مل جاتے ہیں۔

فائز

دکنی زبان کا بلند پایہ شاعر و قلع شامی دور کا آخری مصنف تھا، وہ اہل تشیع سے تھا چنانچہ اس نے اپنے دیباچہ میں ”عید غدیر“ کا ذکر کیا ہے جو ایک خالص شیعہ تقریب ہے۔ اگرچہ وہ اکثر سنائے اور نظمیں پڑھ کرنا اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا لیکن وہ پیشہ در شاعر نہ تھا بلکہ ادب سے اسے بے حد دلچسپی تھی یہی وہ ادبی ذوق تھا جس نے اس کے دل میں خود کچھ لکھنے کی تحریک دلائی۔

اردو سے بارت



ابو الحسن بادشاہ

وہ موضوع کا تماشائی تھا، بالآخر ایک بڑی مدت کے بعد اُس نے ایک فارسی کہانی موسوم بہ رضوان شاہ و روح افزا کو منتخب کیا۔

اس کام کو اس نے خاندان قطب شاہیہ کے زوال سے چار سال قبل یعنی ۱۸۹۸ء میں ختم کیا اور ۲۵۰۰ شعر نظم کے فائز نے اپنے دیباچہ میں اس بات کا صاف طور پر اقرار کیا ہے کہ وہ نہ تو اچھا شاعر تھا اور نہ نظم لکھنے کی اسے شوق تھی، بنا بریں وہ اپنے بچکانی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ یہ بھی بتلایا ہے کہ اُس نے نہ تو کسی کو خوش کرنے لکھا اور نہ اُسے شہرت کی خواہش تھی بلکہ اس کے طبعی ذوق اور چند اجاب کی مسلسل فرمائشوں نے اسے اس نظم کے لکھنے پر مجبور کیا۔ اپنے روزگار کی تلاش سے وہ بالکل بے نیاز تھا اس لئے اُس نے کسی شخص کے غلات ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

برٹش میوزیم میں اس مثنوی کا جو نسخہ ہے اس کے ساتھ دو مطبوعہ صفحات بھی ہیں، پہلا صفحہ کتاب کا سرورق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مثنوی کو مدراس اسٹاف کو ر کے سیموئیل ڈبلیو کارنر نے سرسری اردو لغت کے ساتھ اڈیش کیا ہے، مباحثہ سنہ ۱۸۹۸ء میں شروع ہوئی تھی لیکن یہ سمرند کور کے ۱۳ جنوری ۱۸۹۸ء کو گو اسکے قریب ڈوب مرنے کی وجہ سے طاعت کا کام ملتوی ہو گیا اس کے پچھلے صفحہ پر تحریر ہے کہ ”ہندوستانی زبانوں میں دکنی زبان کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اگر بہت افزائی کی جائے تو اڈیش کا خیال ہے کہ دکنی شعرا کے کلام کو ایک سلسلہ کی شکل میں طبع کرا دے، ان میں سے ذیل کے چند نام پیش کئے جاتے ہیں۔

گلش عشق — از نصرتی — بول بن — از ابن نشا ملی — قصہ بی بی مریم
اس کے علاوہ خود نظم کا کچھ حصہ بھی بطور نمونہ دیا گیا ہے یہ سمر موصوف نے اس پر جو نوٹس لکھے ہیں اور جس انداز میں اسکا مثنوی لکھی ہے اس سے ان کی قابلیت اور جانفشانی کا پتہ چلتا ہے، افسوس کہ ان کی بے وقت موت نے اس اہم اور کارآمد کام کو ادھر راجھوڑ دیا۔

”رضوان شاہ و روح افزا“ اسلوب بیان کے لحاظ سے بے حد دلچسپ ہے، اس کا انداز بیان دوسری دکنی نظموں سے بالکل جداگانہ ہے، بجائے ہندی کے اس میں عربی اور فارسی الفاظ اور ترکیبیں نہایت فیاضی کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں اس کتاب کو پڑھتے وقت شبہ ہوتا ہے کہ یہ قطب شاہی دور کی پیداوار ہو نہیں سکتی لیکن اس کے اندر تاریخ منظم موجود ہے اس لئے شبہ درست نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو ضرور فتوحات مغلیہ کے زمانہ کی دکنی پیداوار گردانا جاتا اس سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ تانا شاہ کے زمانہ میں فارسی الفاظ کو دکنی زبان میں شامل کرنے کی خاصی کوشش کی گئی اور اس وقت غالباً وہی اور خواہی کے اسلوب بیان کو پرانی چیدہ تصور کیا جاتا ہو گا۔

لطیف

بعد اذت طب شاہ کے زمانہ کا ایک تہ لباشس میر تھا جس کو اپنے حیدر آبادی ہونے پر بے حد فخر تھا، یہ عجیب الجھپ بات ہے کہ جس طرح دیگر شعرائے اپنی شاعری کی آپ تعریف کرتے ہیں یہ اپنی شرافت، امارت اور عام کردار کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔

یہ پیشہ ور شاعر نہ تھا، اور دیگر شعراء کی طرح اس کو نہ تو کسی کی سرپرستی کی آرزو تھی اور نہ شہرت کی خواہش۔ وہ بہت مذہبی آدمی تھا اور اسی بنا پر اس نے ۳۰۰ اشعار کی اس قدر طویل اور خشک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کا نام ”نظم نامہ“ ہے اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے دشمنوں کی لڑائیوں کا تذکرہ ہے، کتاب حسب دستور خدا کی اور آنحضرت اور حضرت علی کی تعریف سے شروع ہوتی ہے اس کا خاتمہ الیہان بہت ہی طویل اور دلچسپ ہے۔ اس لئے کہ شاعر نے اس میں اپنی نظم کو فردوسی کے شاہ نامہ پر ترجیح دی ہے کیونکہ وہ ایک بناوٹی قصہ ہے اور یہ کتاب حقیقی اور عمدہ واقعات پر مبنی ہے اور بے بڑی بات یہ کہ اس میں حضرت علی کے خاندانی کارنامے درج ہیں۔

ایک سال کی مستقل کوشش کے بعد لطیف نے اس نظم کو موشنہ میں مکمل کیا۔ اس میں اس نے گیارہ مثنویوں کا اضافہ کیا ہے جو مثنوی کی شکل ہی میں لکھے ہوئے ہیں، یہ مثنوی حضرت امام حسین، آپ کے خاندان اور زغار کی شہادت پر لکھے گئے ہیں لطیف کوئی اچھا شاعر نہیں تھا، اس کا اسلوب بیان نہ تو پسندیدہ ہے اور نہ صاف ستھرا۔ اس کے مخطوط کی کتاب بحر ہندی چنانچہ اس کے اشعار کو پڑھنا مشکل کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مثنوی ضرور پڑھنے کے قابل ہیں لیکن ادبی حیثیت سے انھیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے شاعر کا مقصد ایک خالص مذہبی نظم لکھنا تھا کہ کوئی ادبی شکار۔

اردو شہزادے



صفحہ ۱۰۰ - ۱۰۱

نوری

گزشتہ باب میں ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس شاعر کے متعلق چند اختلافات ہیں، فیضی کے دوست نوری سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ بجا پور کا شاعر بھی نہیں بر خلاف اس کے اس نے ایک صدی بعد شہرت پائی اور اس کا نام شجاع الدین تھا، گجرات کے سید خاندان سے اس کا تعلق تھا اور دیگر گجراتی ادیبوں کی طرح یہ بھی اپنا وطن چھوڑ کر دکن پہنچا۔ حیدرآباد میں وہ ذریعہ غم یہ نظریے رکھوں کا آئینہ مقرر ہوا اور ایک طویل عرصہ تک خدمت انجام دی، حیدرآباد چھوڑنے کے بعد اس نے اورنگ آباد کے کسی گاؤں میں سکونت اختیار کی اور وہیں اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے اردو شاعری کی طرف اپنی توجہ ضرور کی ہوگی کیونکہ اس وقت گوکہ دکن میں اردو شاعری گھر گھر پر چا ہو چکا تھا اس کے بعض اشعار زندہ کر دین میں دستیاب ہوئے ہیں جن کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اچھا شاعر تھا، جن مرثیوں کو نوری اول سے متعلق کیا جاتا ہے ان کی زبان کی ارتقائی صورت ہیں یہ ماننے کیلئے دلائل پیش کرتی ہے کہ یہ اسی نوری کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ کہ بعد میں چلکر ان کو ماقبل کے نوری سے متعلق کر دیا گیا ہوگا۔

نوری کے اردو شاعر ہونے کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ اس کا مرثیہ سید مظفر خود ایک اردو شاعر تھا۔ چنانچہ اس کی مثنوی ہر وہ ماہ اور غزلوں اور رباعیوں کے نمونے، راستہ کی نظر سے گزرے ہیں۔

شاہی

شاہ قلی نیاں، میرا بادشاہ کا باشندہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور علم کے باعث حد درجہ مشہور تھا، پہلے تو اس کو گوکنڈہ کی فوج میں جگہ ملی لیکن بہت جلد بادشاہ کا درباری ہو گیا اور زوال سلطنت تک اسی عہدہ پر مامور رہا۔ تانا شاہ نے اس سے مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی، اس کام کو اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کے مرثیوں نے کافی شہرت حاصل کر لی چنانچہ اورنگ زیب کی فوج کے سپاہیوں نے ان کو زبانی یاد کر لیا تھا وہ شمالی ہند میں بھی پھیل گئے اور اٹھارویں صدی کے اوائل تک بھی وہ برابر پڑھے جاتے تھے۔

راقم نے شاہی کے دو مرثیوں کو جامعہ اڈنبرا کے کتب خانہ کی بیاض میں دیکھا ہے، اگرچہ ان میں تیس سے زیادہ شعر موجود نہیں ہیں تاہم ادبی خصوصیات کے لحاظ ان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ شاہی ایک متعصب شاعر تھا اس نے بعض مصائب کی شان میں بہت کچھ گستاخی کی ہے۔

ایک مرثیہ واقعی لاجواب ہے، اس میں اس سفر کا ذکر کیا ہے جب کہ حضرت حین کے شہید ہونے کے بعد آپ کا خاندان قید ہو کر کربلا سے دمشق کو جاتا ہے اس میں حالات کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ اس کا طرز بیان اس واقعہ کی حد تک انیس کے انداز بیان کے مماثل ہے، زبان بھی اعلیٰ اور شاعرانہ ہے۔

مرزا

ابوالقاسم مرزا، ابوالحسن تانا شاہ کا بہت ہی وفادار درباری تھا، چنانچہ اس کے نظر بند ہونے کے بعد اس قدر مردہ دل ہو گیا کہ اس نے حیدر آباد کے ایک کوچہ عبداللہ گنج میں گناہی کی زندگی گزاری اور وہیں بختیہیت ایک فیر کے انتقال بھی کیا۔ وہ اردو زبان کا شاعر تھا، اس کے چند اشعار بعض تذکروں میں پاسے جاتے ہیں، اگرچہ اس کو مرثیہ گو نہیں کہا جاتا لیکن راقم اسکو مرثیہ گو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

اڈنبرا کی بیاض میں جسکا آئندہ بابیہ ذکر کیا جائیگا ہے مرزا کے ۱۵ مرثیے پاسے جاتے ہیں جن میں ۲۰۰ سے زیادہ اشعار موجود ہیں، لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام مرثیے اسی مرزا کے لکھے ہوئے ہونگے، اندرونی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مصنف مرزا کے زمانہ تک زندہ تھا اور یہ قرن قیاس نہیں ہو سکتا کہ تانا شاہ مرزا کے مرثیہ گو کا ایک درباری اتنے عرصہ تک زندہ رہا ہو بنا بریں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام مرثیے اسی مرزا کے لکھے ہوئے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ ان میں سے چند اس مرزا کی دماغی پیداوار ہوں۔

غلام علی

یہ تانا شاہی دور کا شاعر ہے اُس نے ملک محمد باغی کی ہندی نظم ”پداوت“ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں البتہ اس کی کتاب کے دیباچہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ مذہبی آدمی ہوگا کیونکہ اکثر جگہوں پر اس نے اصحابِ کفر کی تعریف لکھی ہے، بادشاہ سے بھی اسے بہت قربت حاصل تھی کیونکہ اس نے اس کی بھی کافی مدح لکھی ہے۔ نظم میں اکثر جگہ اس کا نام ”غلام علی“ لکھا ہوا ہے۔

اختتام پر اُس نے پداوت کو ترجمہ کرنے کے وجوہات بیان کئے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ یہ قصہ اس کے زمانہ میں بہت عام پسند اور مشہور تھا جس کی وجہ سے اس کو بھی اس کے ترجمہ کا شوق ہوا۔ اس کی کتاب کے موجودہ مخطوطہ میں تقریباً ۶۸ اشعار پائے جاتے ہیں۔ اس کے آخری اوراق گم ہیں اور یہ نسخہ نامکمل رہ گیا ہے۔ غلام علی ایک اچھا شاعر تھا، لیکن کوئی ایسا اچھا مترجم نہ تھا، ہر قصہ پر اُس نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا ہے جس سے اس کی شاعرانہ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی نظم اچھی طرح لکھ سکتا تھا اس کو غزل، مثنویوں کے لکھنے کی کافی مشق تھی، بہر حال قلم شاہی شعراء میں اس کو اعلیٰ رتبہ تو نہیں دیا جاسکتا البتہ تانا شاہی دور کا بہترین شاعر کہا جاسکتا ہے۔

ترجمہ کی خاطر غلام علی نے بعض دفعہ اصل خیالات ہی کو سرے سے بدل دیا ہے لیکن اس کی مثنوی گو لکھنؤہ کی مثنویوں میں خاصی اہمیت رکھتی ہے صرف اس لئے کہ وہ فارسی کے برخلاف ایک دوسری زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ مثنوی ہندی کا ترجمہ ہے لیکن اس میں ہندی الفاظ بہت کم پائے جاتے ہیں، اس کے اور آدھے ہمسروں کے مستطو الفاظ میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔

بابِ چہارم

اُردو ادبِ مغلوں کی حکومت میں

فہرست

ا۔ شمالی ہند میں

۱۔ افضل ۲۔ جیون ۳۔ جعفر

ب۔ دکن اور گجرات میں

۱۔ عاجزہ ۲۔ ضیعفی ۳۔ امین ۴۔ ذوقی ۵۔ بحری ۶۔ مجرمی -
۷۔ احمد ۸۔ ولی دہلوری ۹۔ اشرف ۱۰۔ عشرتی ۱۱۔ ولی اوزگ آبادی
۱۲۔ شاہ محمد ۱۳۔ وجدی -

ج۔ مرثیہ نگار

۱۔ امامی ۲۔ رضا ۳۔ سید ۴۔ غلامی ۵۔ قادر
۶۔ ہاشم علی -

د۔ نثر نگار

۱۔ شاہ محمد قادری ۲۔ شاہ میر -

باب چہارم

اردو ادب مغلوں کی حکومت میں

اس باب میں وہ تمام اردو انشاء پر داز شامل ہیں جن کی نشوونما دکن میں مغلوں کے قبضہ کے بعد یا شمالی ہند کے شہروں میں ہوئی۔ اور جنہیں مغل حکومت کی جانب سے کسی قسم کی مدد نہیں دی گئی۔

اس باب کے دکھنی حصہ میں ان شاعروں اور مصنفوں کو پیش کیا گیا ہے جو ۱۵۹۵ء سے ۱۷۰۷ء تک زریں کی فتح و کن کی تحیل کے وقت سے آصفیہ سلطنت کے قیام کے زمانہ تک گزرے شمالی حصہ میں زیادہ شاعر نہیں ہیں اور اس لئے وہ بالکل مختصر ہو گیا ہے۔ ایک شاعر افضل اس دور سے بہت پہلے کا ہے اور اس لئے یہاں پیش کیا گیا ہے کہ گزشتہ ابواب میں ذکر کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔

افضل

اس شاعر کی حیات اور اس کی تصنیفات کے متعلق بہت سے اختلافات ہیں، مصنف ”پنجاب میں اردو“ نے ان گنتیوں کو سلجھانے کی سعی الوسع کو شمش کی ہے، یہ پہلا مصنف ہے جس نے افضل مصنف بارہ ماہ کو شمالی ہند کا شاعر بتلایا ہے، لیکن مزید تحقیق کیے بغیر ہم اس دلیل کو تسلیم نہیں کر سکتے اس لئے کہ انہوں نے صرف علی قلی خاں والاد اغستانی کے واحد بیان پر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے، والا نے فارسی شعراء کے تذکرہ ریاض الشعراء میں (دیکھو پرنش میوزیم کا مخطوطہ ایڈیشن ۱۶، ۲۹ اور اوراق ۴۰، ۴۱) افضل نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے جو ہندی میں بھی نظمیں لکھا کرتا تھا، یہ بات قابل غور ہے کہ والا نے اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے کہ افضل ”بارہ ماہ“ یا بکت کہانی کا بھی مصنف تھا۔ مزید برآں اس نے افضل کی شاعری کے جو نمونے دیے ہیں وہ سب فارسی ہیں، اردو کا نام و نشان بھی نہیں، اور یہ بہت ممکن ہے کہ افضل، دیگر مسلم شعراء کی طرح جنکا ذکر آزاد بلگرامی نے کیا ہے، خالص برج بھاشا کا شاعر ہو گا نہ کہ اردو کا۔

ایک اور طرح سے بھی اس موضوع پر خاصی روشنی پڑتی ہے، راقم نے انڈیا آفس لائبریری میں محمد افضل تادری کی ایک طویل نظم دیکھی ہے، یہ دکنی شاعر تھا اور اس نے یہ نظم ۱۳۱۵ھ سے قبل لکھی ہے موجودہ مخطوطہ پر بھی ہی ۱۳۱۵ھ تحریر ہے، نہ صرف یہی بلکہ مصنف نے جامعہ اذہبرا کے کتب خانہ میں افضل کا ایک مثنویہ دیکھا ہے جس کا اسلوب بیان اس ”بارہ ماہ“ سے بالکل مشابہ ہے، جس کے دو قیم مخطوطات انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔

باوجود اس کے راقم اس معاملہ میں کوئی قطعی رائے نہیں دیکتا اور اسی لئے افضل کو

فی الوقت شمالی ہند کے مصنفین کی فہرست ہی میں شامل کر دیا جاتا ہے انڈیا آف انس لائبریری میں بارہ ما کا جو مخطوطہ ہے اس کی زبان دکنی زبان کی اور دوسری کتابوں سے مختلف نہیں ہے مگر فعل ماضی کے استعمال کے لحاظ سے اس کے دکنی ہونے میں شبہ ہوتا ہے، قدیم دکنی مصنفین فعل کے ماضی میں حرف ی لگاتے ہیں جیسے دھریا (دھرا) سنیادنا، چلیا (چلا) لکھیا (لکھا) وغیرہ برخلاف اس کے بارہ ماہ میں دھرا، سنا، چلا، لکھا تحریر ہے۔

نظم کا پلاٹ اور بجل نہیں ہے۔ دیگر ہندی نظموں کی طرح اس میں بھی بیوی کی محبت کا حال بیان کیا گیا ہے شوہر کی سال جبر کی جدائی پر اس کی بیوی اپنے سہیلیوں سے اپنے فراق کی تکالیف کا حال بیان کرتی ہے۔ یہ نظم ہندی بارہ ماہ کی تقلید میں لکھی گئی ہے، اس میں ۳۰ اشعار ہیں اور بجا بجا فارسی الفاظ اور محاورے استعمال کئے گئے ہیں، جامدہ اذبرا کے کتب خانہ میں افضل کے جو مرتبے ہیں انکی بھی یہی خصوصیات ہیں۔

دوسری غنوی جس کو افضل نامی ایک شاعر نے لکھا ہے انڈیا آف انس لائبریری میں موجود ہے اس میں ۲۲۵ اشعار ہیں اور اس کا موضوع 'محبوب سجمانی کی حیات اور آپ کے معجزات ہے' اندرونی شہادت کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مصنف محمد افضل قادری ہے جو میران شاہ معروف کامرہ قلعہ دیباچہ میں اس نے خواجہ بندہ نواز رح کی مدح لکھی ہے۔ جس سے اس کے دکنی ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ نظم چونکہ بہت ہی مذہبی ہے اس لئے دلچسپ نہیں، البتہ اسکا اسلوب بیان سادہ ہے۔

شیخ جیون

محمود شیرانی مصنف ”پنجاب میں اردو“ نے اپنے اس بیان کی تائید میں کہ شمالی ہند میں اردو دلی سے پہلے لکھی گئی شیخ جیون کو بھی شمالی ہند کے اردو مصنفین کی فہرست میں داخل کر دیا ہے۔ ہم اس شاعر کی حد تک تو ان کے بیان کو غیر تشنی بخش سمجھتے ہیں انہوں نے یہ ثابت نہیں کیا کہ شیخ جیون دکن کا باشندہ نہیں تھا اور بغیر اس کے انہوں نے اس کو شمالی ہند کے مصنفین کی فہرست میں داخل کر دیا ہے۔

اس شاعر کے متعلق معلومات کے صرف دو ذرائع ہیں۔

- ۱۔ اسپرنگر نے اپنے کیلاگ میں شیخ جیون نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے۔
 - ۲۔ شیرانی نے شاہ میراں بھیک پستی کے مریدوں کی فہرست میں کسی جگہ شیخ جیون نامی ایک شخص کا نام دیکھا ہے۔
- قبیل اس کے کہ ہم اس پر کچھ بحث کریں یہ واضح کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ شیرانی نے شاہ میراں بھیک اور ان کے معتقدین کی فہرست کے متعلق کوئی حوالہ نہیں پیش کیا ہے اس لئے اس پر بحث کرنا مشکل ہے۔

مذکورہ بالا دو حوالوں میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو محمود شیرانی نے شیخ جیون مصنف ورنہ نامہ ہی بتلایا ہے حالانکہ ہیں اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کا

ثبوت نہیں دیا ہے کہ یہ دو حوالے ایک ہی شخص سے متعلق ہیں! پس اگر کوئی ان دونوں کو دو علیحدہ شخص تسلیم کرے تو کوئی یہ جاتا نہیں ہے، مزید برآں اگر یہ دونوں حوالے ایک ہی شخص سے متعلق ہیں تو وہ شخص دکھنی ہو سکتا ہے، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ درونامہ کا مصنف حقیقت میں شاہ میرزاں بھیک کا مرید تھا اور شاہ میرزاں بھیک شمالی ہند کے بزرگ تھے شیخ جیون کو دکھنی نہ کہنا کچھ ٹھیک بات نہیں معلوم ہوتی۔

مشیرانی کا ایک اور قول قابل غور ہے، انہوں نے شیخ جیون کے لئے محبوب عالم کا نام استعمال کیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا۔ یہ کہ محبوب عالم اور شیخ جیون ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اس میں شک نہیں کہ انہوں نے محبوب عالم کے دو غزل نما دوہروں کو حوالہ کے طور پر لکھا ہے لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دوہرے شیخ جیون کے لکھے ہوئے ہیں یا شیخ جیون نے بجائے اپنے نام کے محبوب عالم لکھا ہے۔

مشیرانی نے درونامہ کے متعلق کوئی معلومات تحریر نہیں کیئے ہیں کہ انہوں نے اسے کہاں دیکھا اور اس کا

کیسے پتہ چلایا۔

میر جعفر علی

اگرچہ اس کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نویس اس کو شاعر نہیں مانتے لیکن اس کی موجودہ نظموں میں سے چند اشعار کو چھوڑ کر اگر غور کیا جائے تو شاعری کی خفیت سے اُن کو اچھی جگہ دی جاسکتی ہے، اور نگ نریب کی تخت نشینی کے سال یعنی ۱۱۶۷ھ میں وہ پیدا ہوا، اپنے باپ کا میرزا کا تھا، اس کے باپ کا نام سید عباس تھا۔ وہ نازنول میں دوکاندار تھا ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اپنے چچا میر سرور کی زیر نگرانی اس نے پرورش پائی اور مکتب میں تھوڑی بہت تعلیم پا کر نوکری کے لئے نکلا خوش قسمتی سے شہزادہ کام بخش کی فوج میں اسے جگہ مل گئی جو اپنے باپ اور نگ نریب کے ہمراہ دکن آیا ہوا تھا، پس اس طرح سے میر جعفر کو کچھ عرصہ ملک دکن میں رہنے، اور یہاں کے شواہ سے ملنے یا کم از کم اُن کے کلام کو پڑھنے کا موقع ملا۔

بلاشبہ اس اثر کی وجہ سے میر جعفر کو اُردو نظم لکھنے کا خیال پیدا ہو گیا لیکن جب وہ دہلی گیا تو کسی نے بھی اُس کے کلام کی طرف توجہ نہ کی اس پر اسے ایسی فضا پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا کہ کم از کم اس کے کلام کو جس میں نئے نئے والے پیدا ہو جائیں، اس خیال نے اس کی شاعری کے مستقبل کو امید افزا بنانے میں بڑی مدد دی پہلے پہل اُس نے اُردو اشعار میں فارسی الفاظ اور محاورات استعمال کئے لیکن پھر بھی وہ مشہور نہ ہو سکا، اس کے بعد اُس نے جو لکھنا شروع کیا جس کی وجہ سے نوابوں اور سوداگروں سے اسے خوب روپیہ ملنے لگا اور سب اُس کی اُردو اور فارسی ہجو سے ڈرنے لگے۔ قدیم تذکروں میں ہمیں اس کی فارسی اور اُردو کی مخلوط نظموں کے کئی نمونے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ہجو نگاری کو کس طرح اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا، برٹش میوزیم میں اس کی اکثر مخلوط نظموں کو اُردو مخلوطات کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔

بیدل اور حزین جیسی ادبی شخصیتیں بھی اس سے گہرائی تھیں۔

باوجود ان تمام کامیابیوں کے اس ہجو نگاری اور معمولی کلام سے اسے بہت نقصان پہنچا، چنانچہ کئی ایک دفعہ اسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا اور بالآخر ۱۲۵۷ھ میں شاہ فیض کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

میر جعفر کی شاعری کا مجموعہ فصیح اور غیر فصیح دو دو کا آمیزہ ہے، غیر فصیح شاعری کو علیحدہ کر کے اگر اس کے کلام کا اندازہ لگائیں تو اس کو اردو کا ایک اچھا شاعر کہا جاسکتا ہے، انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کی نظموں کا جو مخطوطہ ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا ”اخبارات سیاسیہ“ ہے جس میں متفرق واقعات پر چار ناسی کہانیاں ہیں جو اورنگ زیب کے سامنے بیاں کی گئی تھیں، اردو میں اس کا جواب بھی ہے، اگرچہ جواب صرف لم سطر ہی میں ہے لیکن وہ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ شہنشاہ بھی اپنی غانگی گنگو میں اردو زبان استعمال کرتا تھا۔

دوسرا حصہ ”اخبارات دربار معلیٰ“ ہے جس میں پانچ قہصے ہیں جن میں پچار خود شاعر سے متعلق ہیں اس میں بتلایا ہے کہ وہ درباریوں سے کس طرح روپیہ کسب کرتا تھا اور ان کو شکر بادشاہ نے کیا جواب دیا۔ تیسرا حصہ بہت طویل ہے۔ اس میں اردو اور فارسی کی مختلف موضوع پر لکھی ہوئی ۵۸ نظمیں ہیں، اردو کے بہترین نمونوں کے طور پر ذیل کی نظموں کی پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سلوک ۲۔ جو بن نامہ ۳۔ اختلاف زمان ۴۔ مرثیہ عالمگیر۔

فال نامہ کو چھوڑ کر سلوک اس کی... اشعار والی سب سے طویل نظم ہے، اس سے شاعر کی دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دل میں اپنے غیر فصیح کلام پر کتنے شرمندہ تھا، اس کا دل دکھتا تھا کہ اس نے کتنی غلط نصیحتیں دی ہیں اور اپنی تمام زندگی راگ لگا کر دی ہے۔ اس نے وہی جو استعمال کی ہے جو عام طور پر دکنی شعراء استعمال کرتے تھے، اس کا کلام بڑی حد تک فارسی ترکیبوں سے معمور ہے اور دکنی کلام سے استعارے ملتا جلتا ہے کہ اگر اس کو یہ معجز کی تعینات سے علیحدہ رکھ کر غور کریں تو اس کے دکنی ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس کی دوسری قابل ذکر نظم ”مرثیہ عالمگیر“ ہے جو اورنگ زیب کی وفات پر لکھی گئی تھی، یہ خاص طور پر غور کرنے کے قابل بات ہے کہ میر جعفر جس نے ہر میر وغیرہ کی جو لکھی اورنگ زیب کے لطافت زبان تک نہیں ملتا حتیٰ کہ اس کی موت کے بعد بھی وہ خاموش نظر آتا ہے، اور پھر اس کے پس نے اس کی تعریف میں ایک لمبی چوڑی نظم لکھی ہے اس کی تمام مضامین میں یہی ایک مدحیہ نظم ہے اس سے نہ صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ شہنشاہ اورنگ زیب کی شخصیت کو محبتاً بلکہ اس کا بھی کہ وہ بذات خود بخندہ اور شریف آدمی تھا اس میں نظم میں اگرچہ غلط فارسی ترکیبیں جو ہیں لیکن کیفیت مجموعی اس کو اس کے زائید نگاہ کی وسعت اور شاعرانہ قابلیت کا پتہ چلتی ہے۔ اس کی یہ بھی غماز ہوتا ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو واقف ہوتا تھا اور نہایت صحیح اور بڑی پیرایہ میں ادا کرتا تھا۔

دکھن اور گجرات میں عاجز

دکھنی شعراء میں اکثروں کا تخلص عاجز ہے جس کی وجہ سے مصنفین بسا اوقات پیچیدگیوں میں پڑ جاتے ہیں وہاں صرف ”ملکہ مصر“ کے مصنف عاجزہ ذکر کیا جائیگا اس شاعر کا نام سید محمد علی ہے اور یہ عاجز تخلص والے شعراء میں سب سے پہلا شاعر ہے۔

محمد علی عاجز کی مثنوی کا ایک مخطوط انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں تقریباً ۴۰۰ شعر ہیں۔ یہ مثنوی جیسا کہ اس کے آخری حصہ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۷۷۱ء میں ختم ہوئی، یہ دراصل فارسی کا ترجمہ ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ ”فیروز شاہ ملک مصر کا بادشاہ تھا جس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی تخت نشین ہوئی، گیا۔ ۱۰ سال حکومت کرنے کے بعد اس نے یہ اعلان کیا کہ میں اس شخص سے شادی کروں گی جو میرے سو سوالوں کا ٹیکٹ ٹیکٹ جواب دے گا، بہت سے پرستاروں نے قسمت آزمائی کی لیکن کسی کو بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس پر سب کو یا تو قتل کر دیا گیا یا سولی دیدی گئی، بالآخر ہندوستان سے عبد عالم نامی ایک عالم اس کے دربار میں آیا، نظم کا بیشتر حصہ ملکہ کے سوالات کا ثنائی کی تخلیق کے متعلق اسلامی اعتقاد، قصہ آں اور اس کے احکامات اور مذہبی فرائض وغیرہ پر مشتمل ہے، عبد عالم نے ان سوالات کا تفسیری بخش جواب دیا جس پر ملکہ نے اس سے شادی کر لی اور وہ بادشاہ بن گیا۔“

اسی طور پر خدا اور اس کے پیغمبر کی حمد و ثناء کے بعد شاعر نے اپنے پیر سید اخوند میر شاہ کی تعریف کی ہے اور امید کرتا ہے کہ ان کے طبع میں اسے نجات ملیگی وہ ان کی درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔

عاجز نے جب اہل فارسی قعدہ کو پڑھا تھا تو اس کا ترجمہ کرنے کے لئے اُس نے اپنے پیرے اجاڑ
 چاہی کیونکہ اُس کا اعتقاد تھا کہ سوائے روحانی افراد کے یہ کام ختم نہ ہوگا۔
 اسی اسکول کے دیگر ثمنویوں کے مقابلہ میں یہ ثمنوی بہت ہی سادہ ہے حتیٰ کہ غلام علی کی ثمنوی پند ناو
 سے بھی کہیں بہتر ہے۔

ضعیفی

اس کا نام شیخ داؤد تھا، یہ عالم اور صوفی منش آدمی تھا، قطب شاہیوں کے دور میں اسکی پرورش ہوئی، اور اس کے ب سے زبردست کارنامہ ”ہدایت ہندی“ کی تکمیل اس خاندان کے زوال کے بالکل بعد ہی ہوئی۔

فی الوقت صیغی لی دو کتابیں دستیاب ہوتی ہیں، ایک تو انڈیا آفنس لائبریری میں ہے جس پر نہ تو تاریخ ہی درج ہو اور نہ کتاب کا عنوان۔ اس میں ایک عورت کا قصہ ہے جو حضرت محمد مسلم کی محبت میں جینا بھوک کر جل گئی۔ اس میں ۳۶۰ شعر ہیں، نہ تو دیباچہ ہی ہے اور نہ خدا کی حمد۔

اس کا خاتمہ بھی کچھ ایسا اہم نہیں ہے البتہ شاعر نے یہ بتلایا ہے کہ اس نے بڑی محنت سے اس کا دکنی میں ترجمہ کیا اس لئے کہ اصل خیالات کے سمجھنے میں اسے بڑی دقت ہوئی اس تصنیف کے شاعر کا مقصد اپنے ہم مذہبوں کے دل میں انحضرت کی محبت پیدا کرنا تھا۔

یہ ثنوی اگرچہ مذہبی موضوع پر لکھی گئی ہے تاہم ادبی خوبیوں سے معسر نہیں ہے اس قصہ کی ہیروین کو بہت ہی مذہبی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اس میں باریک باریک اور چھوٹی چھوٹی باتیں تک بتلائی گئی ہیں، جس کی بناء پر یہ قصہ آنحضرت کے زمانہ کا حقیقی واقعہ معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ ایک بالکل خیالی قصہ کی ہیروین کی زبان سے ہندی الفاظ اور محاورات کہلوائے گئے ہیں اس خصوصیت سے اس اثر کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کی زبان مردوں سے مختلف تھی۔

ضعیفی کی دوسری شہنوی "ہدایت ہندی" مولو ۶۹، یعنی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، یہ بہت
 مخفیسم اور ۲۲ ابواب پر منقسم ہے، ۱۹۹۹ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اسلام کے فرقہ خنہ کے مذہبی متعنا
 قوانین اور اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔

دیباچہ میں کوئی خاص اور اہم بات نہیں ہے صرف کسی طور پر خدا اور رسول کی حمد و ثناء کی گئی ہے
 خاتمہ کہ سید راہم ہے، اس میں شاعر نے خود اپنا حال لکھا ہے اور اس زمانہ کے حکمران بادشاہ اور نگ زیب
 کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔

یہ کارنامہ مذہبی رنگ کا ہے اور چونکہ راہم کو اس کے تحقیقی مطالعہ کا موقع نہیں ملا اس لئے وہ اس پر اس سے
 زیادہ لکھنے سے قاصر ہے۔

امین

یہ گوکانٹہ کا دوسرا شاعر امین ہے پہلا شاعر عبداللہ کے زمانہ کا ہے جس نے قصہ ”ابو شحمہ“ کو منظم کیا اور جو نامکمل رہا اس کا نام شیخ محمد امین تھا اس کی کتاب یوسف زلیخا اور رنگ زریب کے عہد میں منسلک ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر نے ایشیا نک سوسائٹی آف بنگال کے مخطوط کا ذکر کیا ہے جس میں ۳۰۰ صفحات اور ۵۰۰ م نغما ہیں۔ راقم نے اس کتاب کا ایک نسخہ بلیو تھک نیشنل پیرس میں دیکھا ہے جس میں ۴۰۰ سے زیادہ اشعار ہیں اور غالباً اس کو ایک انگریز کپٹن شرایر دہانے لکھنے میں نقل کیا ہے۔ یہ دراصل گارساں دتاسی کی ملک تھی جس کے انتقال کے بعد اس کو بلیو تھک بطور تحفہ واصل کر دیا گیا۔

امین نے مالانکو ایک بہت بڑا کام کیا ہے لیکن بڑا شاعر نہ تھا، غالباً یہ دراصل خسرو کی یوسف زلیخا کا ترجمہ ہے لیکن فارسی اثر سے بالکل آزاد ہے اور بالکل ادبی معلوم ہوتی ہے، اسلوب بیان بہت ہی سادہ ہے لیکن جب شاعر اپنے آپ کو ایک بہت بڑا صوفی بتلانے کی کوشش کرتا ہے تو انداز بیان پیچیدہ ہو جاتا ہے دیکھا چہ اور اختتام سے کسی قسم کی مفید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ان سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاعر، شاعر نہیں بلکہ ایک مذہبی آدمی تھا۔

ذوقی

اس کا نام سید شاہ حسین ذوقی تھا، اس کے مرشد شاہ خان محمد نے اس کو بحر العرفان کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ ایک مہذب آدمی تھا اگرچہ وہ پیشہ در شاعر نہ تھا تاہم اس نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ دکن میں کوئی اس کی سہ پرستی کرنے والا پادشاہ نہ تھا، لیکن ساتھ ہی وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اُسے اور نگف زیب جیسے ولی صفت اور مہذب پادشاہ کے ہمد میں پیدا کیا۔

”دعائے عاشقین“ میں اُس نے تحریر کیا ہے کہ وہ ایسی دلچسپ نظم لکھنا چاہتا تھا جس سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہ سکے، اس مقصد کے لئے اس کا اردو تھا کہ وجہی کی سب سے کو نظم کرے اگرچہ اُس نے وجہی کے کارنامے کو گرانے کی کوشش کی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کئی نظم بھی سب سے جیسی دلچسپ اور اعلیٰ کتاب کے بل کو نہیں پہنچ سکتی

ذوقی نے دمعال عاشقین کی تصنیف سے قبل بھی کئی ایک نظمیں لکھی ہیں، یہ تمام کم و بیش مذہبی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ”غوث اعظم محبوب سبحانیؒ کی شان میں لکھی گئی ہے دوسری نظم ایک مرثیہ ہے جو آنحضرتؐ کی وفات پر لکھا گیا ہے، تیسری مشہور و معروف صوفی منصور کی کہانی ہے اور آخری اور چوتھی نظم ”مان باپ نامہ“ ہے جو نوجوانوں کے لئے لکھی گئی ہے اور والدین کی طہ نغاری میں ہے۔

علامہ ثنویوں کے ذوقی نے غزلیں بھی لکھی ہیں چنانچہ انجمن ترقی اردو کے سمسٹہ کے پاس

اُس کی غسنزوں کا مجموعہ موجود ہے جن کا حوالہ انہوں نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ رسالہ اردو میں دیا ہے۔
 اے یا آفس کے مخطوطے میں چن فارسی اور اردو غسنز لیں موجود ہیں (دیکھو فارسی سہ ۲۱۰) جن سے پتہ
 چلتا ہے کہ شاعر کہنے مشق تھا

راستم کو اس بات کا پتہ پتا ہے کہ ذوقی کا ایک گدیوان حیدر آباد کے کسی خانگی کتب خانہ
 میں محفوظ ہے لیکن چونکہ اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا اس لئے اس کے متعلق معلومات پیش کرنے سے
 مجبور ہے۔

بحری

اس کا نام قاضی محمود تھا۔ بحرالدین کا بیٹا تھا جو گوگی کے قاضی دریا کے نام سے مشہور تھے گوگی سلطنت بیجاپور میں نصرت آباد کے قریب ایک گھاؤں ہے، یہ وہاں کا قاضی اور ایک بڑے پایہ کا صوفی تھا، ۱۰۹۵ھ میں اپنے وطن کو خیر آباد ملکر بیجاپور پہنچا، سکندر عادل شاہ اُس کا معتقد ہو گیا۔ اور اُسے اپنے دربار میں ایک جگہ بھی عطا کی۔

۱۰۹۷ھ میں جب سلطنت فتح ہو گئی اور اورنگ زیب نے سکندر کو قید کر لیا تو بحری نے حیدر آباد کا راستہ لیا جو اس وقت علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا، راستہ میں چوروں نے نہ صرف اس کے مال و زر ہی کو لوٹ لیا بلکہ اسکی ادبی دولت کو بھی غائب کر دیا۔

حیدر آباد میں بھی اسے چھوٹا چھٹا نصیب نہ ہوا کیونکہ دو سال بعد ہی مغلوں نے اس شہر کو فتح کر لیا اُن ناخوشگوار حالات کے تحت بھی بحری نے اپنے ادبی کام کو برابر جاری رکھا اور اورنگ زیب کی وفات سے سات سال قبل یعنی ۱۱۱۰ھ میں اس نے ایک صوفیانہ فتویٰ بعنوان ”من لکن“ پیش کی اس کے کچھ سال بعد یعنی ۱۱۱۳ھ میں اپنے مریدوں کی خواہش اور اصرار پر اس نے اس نظم کو فارسی زبان میں عرس عرفان کے نام سے منتقل کیا۔ موصوفہ الذکر کتاب ”عرس عرفان“ سے ہم کو شاعر کے متعلق چند مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں، اس سے آخری حصہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ بحری نے مرثیے، غزل، رباعی اور قصیدہ وغیرہ سب لاکر کل شعر لکھے تھے لیکن بیجاپور سے حیدر آباد جاتے وقت چوروں نے

سب لوٹ کر غارت کر دیا۔

غالباً وہ بہت اچھا شاعر تھا، بد قسمتی سے راقم کی نظر سے اس کی اردو نظمیں من گھڑی نہیں گزری یہ کئی بار در اسرار اور بنگلور میں چھپ چکی ہے اور شاید کہیں بھی نہیں ملتی، اس لئے راقم اس کی خصوصیات بیان کرنے سے قاصر ہے۔

عشرتی

سید محمد خاں عشرتی کے والد کا نام سید یوسف حسینی بن سید حسین تھا۔ اس کا سلسلہ خاندان سید حسین بن امام زین العابدینؑ تک پہنچتا ہے۔ عشرتی کا گھرانہ عام طور پر سادات درویش کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے والد سید یوسف حسینی البصرہ کے راستہ سے دکن چھوئے۔ باپ کے انتقال کے وقت عشرتی کی عمر (۱۲) سال کی تھی۔ عادل شاہی دربار میں عشرتی کی تعارفی خدمت کی گئی۔ انقراض سلطنت کے بعد عالم گیر نے بھی نجابت و لیاقت کے مد نظر اس کی سپرستی اور ہمت افزائی کی۔ چنانچہ حضرت سید شاہ راجو کے جاگیرات وغیرہ سے متعلق اورنگ زیب اور سید محمد خان عشرتی کی املا اس کی شاہد ہے۔ عشرتی کے باپ بیٹے تھے۔ جو علمی ذوق سے بیگانہ نہ تھے۔ ان میں سے بعض تو صاحب تہذیب بھی تھے مثلاً۔ فدوی احمد خاں میرٹھی ناصر جنگ شہید۔ اور سید محمد تقی خان منصبدار صاحب شاہی دونوں کی تصنیفات موجود ہیں۔

عشرتی ایک پرگو شاعر تھا۔ اس کی شمولوں سے دیکھتے ہیں۔ چت لگن۔ نیہ درپن اور ایک دو ناقص شمولیں راقم کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ ان کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ عشرتی اس دور کا ایک بہت بڑا مصنف تھا۔ اس نے ابن نشاطی کے مقابل میں نہایت کامیابی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔

عشرتی کی قبر حیدر آباد میں شاہ راجو حسینی کی گنبد (پرون دروازہ غازی بندہ) میں شمال کی طرف واقع ہے۔ اس کا خاندان حیدر آباد میں موجود ہے۔ اور علم و فضل و شعور و شاعری کا ذوق اب تک قائم ہے۔

عشرتی اور اس کی تصنیفات کے متعلق راقم نے ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ جو رسالہ مجلہ مکتبہ میں بالاقساط شائع ہوا ہے۔

مجرمی

اس کا نام شاہ بیڑا ہے اس نے وجہی کی سب رس کو نظم کا جامہ پہنایا ہے، غالباً وہ بیجا پور کا باشندہ تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی نظم تمیہ الدین سامانی کے روضہ میں ختم کی جو بیجا پور میں واقع ہے۔
 مجرئی نے اپنی نظم ”گلشن حسن و دل“ ”سکالائے حسن ختم کی“ اس کا اسلوب بیان سادہ ہے، اور وہ شہزی بس میں اس نے وجہی کے قصہ کا اختصار کیا ہے شاعرانہ نکات کے لحاظ سے معمولی ہے۔
 اس شاعر کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، اس کی شہزی کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو اورنگ پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

احمد

اس شاعر کے نام کے متعلق تھوڑی سی پیچیدگی ہے میرے ذہن اور قلم نے احمد گجراتی لکھا ہے عمدہ منتخب اور عسار الشعراء میں اس کو برہان پور کا باشندہ بتلایا ہے اور اس کا نام غلام احمد علی لکھا ہے، لیکن شمالی ہند کے تذکرے دکنی شعراء اور دکنی ادب کے متعلق مستند معلومات ہم نہیں پہنچاتے اسی لئے ان بیانات کو بالکل صحیح تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ بالا ناکہ دوں میں احمد کی شاعری کے چند نمونے درج ہیں جو شاعرانہ نقطہ نظر سے تو بے حد دلچسپ ہیں لیکن ان سے اس کے حالات زندگی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

رائس نے جامعہ اڈنبرا کے کتب خانہ میں اس کے سات مرثیوں کا ایک مخطوطہ دیکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نام یتیم احمد تھا اور وہ برہان پور کا باشندہ تھا یہ باتیں ہر مرثیہ کے آخری اشعار میں درج ہیں۔ اس نے اپنے مرثیوں میں وہی ردیف اور قافیہ استعمال کئے ہیں جن کو برہان پور کے مشہور مرثیہ گو ہاشم علی نے استعمال کیا تھا۔

احمد کے مرثیوں میں ۱۶۰ اشعار ہیں، علاوہ مرثیہ یتیم ان میں اور بھی چند خصوصیات ہیں پہلا اور چھٹا مرثیہ حضرت حسین کی شان میں کم و بیش ایک قصیدہ ہے، اس میں آپ کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں، دوسرے اور ساتویں مرثیہ میں آپ کی شہادت کا نوٹ ہے تیسرا اور چوتھا بھیٹ مرثیہ ہے۔ ان میں حضرت امام حسین کے خاندان کی تکالیف اور بے مروت سامانی

کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پانچواں مرثیہ سب سے اچھا ہے ہمیں حضرت علی اصغر ابن حضرت حسینؑ کی وفات کا واقعہ آپ کی والدہ کی زبان سے کہلوا یا گیا ہے، یہ مرثیہ جذبات اور احساس سے مالا مال ہے۔

ان مرثیوں کی زبان ہم عصروں کے مرثیوں کے مقابل میں سادہ اور سلیس نہیں ہے۔



دلی ویلور

دکن میں دو شاعر گزرے ہیں جن کا تخلص دلی تھا جس کی وجہ اکثر غلط فہمیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں لیکن رستم نے حتیٰ الوسع اس سچیدگی کو تسلیم جانے کی کوشش کی ہے، اس میں شک نہیں کہ دکن میں ایک ہی زمانہ میں دو شاعر ایسے گزرے ہیں جن کا تخلص دلی تھا لیکن ایک شاعر شمال مغربی حصہ یعنی صوبہ اورنگ آباد کا باشندہ تھا اور دوسرا جنوب مشرق میں بمقام دیلور رہتا تھا جواب علاقہ مدراس میں نشاں ہو گیا ہے، اگرچہ دونوں کو ایک ہی زمانہ میں عروج ہوا لیکن خود وہ ایک دوسرے کے وجود سے ناواقف تھے، ویلور کا دلی بہت مذہبی آدمی تھا اور دوران زندگی میں بحیثیت شاعر کے اسے کوئی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے اورنگ آباد کا دلی اپنے زمانہ میں مدراس اور حیدرآباد سے زیادہ مہجرات اور شمالی ہند میں مشہور تھا اور یہ اورنگ آباد ہی کا دلی ہے جس نے دہلی تک سفر کیا اور جو بحیثیت ایک اردو شاعر کے بہت مشہور ہے۔

ویلور کے دلی کا نام سید محمد فیاض ہے دکن میں سات گڑھ کے نواب حراست خاں کا درباری تھا اس کے بعد وہ یہ ملازمت ترک کر کے علاقہ مدراس میں کڑپا پہنچا اور وہاں کے صوبہ دار نواب عبدالحمید خان کلبے مدد دوست ہو گیا، اس نے اس کی بے مدد عزت کی اور سدھوٹ میں ایک عہدہ پر مامور کیا، سدھوٹ ایک قلعہ ہے جس کا ذکر ابن نشاظمی کی پھول بن کے آخری حصہ میں کیا گیا ہے دلی پرنسپل شاعر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے موجودہ تین نسخوں میں سے دو بہت ہی

نخیم ہیں۔

۱۔ رتن پدم۔ یہ مثنوی ایک کہیں دستیاب نہیں ہوئی، اسپرنگر نے شاہ اودھ کے کتب خانہ میں اس کو دیکھا تھا چنانچہ اس نے اپنے کیٹلاگ میں اس کا ذکر کیا ہے، اس میں رانی پدموت اور چتور کے راجہ رتن سین کی محبت کی داستان ہے غالباً اس قصہ کے لکھنے میں ملک محمد جامعہ کے قصہ پدموت سے مدد لی گئی ہے، اس نظم کو... ہمنعماست پر نقل کیا گیا جس میں... ہم شعر تھے۔

۲۔ روضۃ الشہداء۔ اس کی دوسری نظم ہے یہ کئی وقت طبع ہو چکی ہے، انڈیا آفس لائبریری میں اس کا ایک عمدہ مخطوط ہے مطبوعہ نسخوں میں سن تصنیف ۱۱۹۰ھ درج ہے لیکن انڈیا آفس لائبریری والے مخطوط میں ۱۱۹۰ھ ہے، فی الوقت یہ تصنیف کرنا کہ فلان صحیح ہے فلان غلط قدرے مشکل ہے۔

دلی کی روضۃ الشہداء کا تعلق لاجپن داعظ کاشفی کی اسی نام کی کتاب سے ہے جس کو ”دہ مجلس“ بھی کہا جاتا ہے۔ بوڈلین لائبریری کے مخطوط (دیکھو کیٹلاگ ورقہ ۷۱) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ ترجمہ میں ہر باب کے عنوان کو ”مجلس“ قرار دیا گیا ہے اور چونکہ اس میں دس ابواب ہیں اسی لئے اس کا نام ”دہ مجلس“ بالکل درست ہے، اس کی دلی اورنگ آباد کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے، لیکن راقم کی رائے میں دہ مجلس اس مشہور و معروف دلی کی تصنیف نہیں بلکہ یہی روضۃ الشہداء ہے جس کا نام ”دہ مجلس“ ہی ہے اور نگاہِ اول کے دلی نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی ہے، حال ہی میں دلی کا ”جو کلیات“ طبع ہوا ہے اس میں ”دہ مجلس“ کے جو چند اشعار درج ہیں وہ فی الحقیقت ویلور کے دلی کے ہیں۔ کہ اس مشہور و معروف دلی کے مؤرخ الذکر فطری شاعر تھا اور وہ کسی مذہبی کتاب کا ترجمہ کر کے اپنی وقعت کو گھٹانا نہیں چاہتا تھا وہ مذہبی آدمی بھی نہ تھا اس لئے اس سے یہ توقع رکھنا کہ اس نے حضرت علی کے خاندان کے متعلق مدحہ قصیدے لکھے ہونگے قطعاً قرین قیاس نہیں ہو سکتا، بہر حال اسی غلط فہمی کی وجہ سے بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس کیٹلاگ تیار کرتے وقت روضۃ الشہداء کے مصنف کے سلسلہ میں اورنگ آباد کے دلی کی سوانح عمری لکھ دی ہے۔

دکھنی ترجمہ میں فارسی ترتیب کو برقرار نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پہلے دو ابواب اور آخری حصہ میں سے چند باتیں چھوٹ گئیں ہیں کتاب دس ابواب پر اس طرح سے منقسم ہے۔

۱۔ وفات حضرت محمدؐ ۲۔ وفات حضرت فاطمہؑ ۳۔ حضرت علیؑ کی شہادت ۴۔ حضرت حسینؑ کی شہادت

۵۔ حضرت حسینؑ کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کی شہادت اور ہانی بن عروہ۔

اور محمد بن انس اور ان کے صاحبزادے کی شہادت کا مال درج ہے ۶۱ مسلم کے لوگوں کی شہادت
 ۱۱۱ حضرت حسین کا سفر مکہ سے میدان کربلا تک اور حضرت کی شہادت ۱۱۲ حضرت حسین کے زقار اور ساتھیوں
 کی شہادت ۱۱۳ حضرت حسین آپ کے فرزند و اقارب کی شہادت ۱۱۴ ہنگ کربلا سے تعلق چند واقعات۔
 بعض مصنفین کے خیال میں یہ کتاب مرثیوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے عنوانات کو دیکھنے سے اس بات
 کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب نازان رسول کی جنگوں اور شہادتوں کی ایک تاریخ ہے، دیگر دکنی مرثیوں کی طرح
 اگرچہ یہ کتاب بالکل مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے تاہم شاعر از نکات اور خصوصیات سے معرا نہیں ہے۔ ساتھ ہی اسکے
 یہ استفادہ پچھپ کتاب نہیں ہے اسکے۔۔۔ اشعار کے طعناؤں کے لئے صبر اور استقلال کی ضرورت ہے ایک
 دوسری کتاب۔۔۔ شعر کی مباحات ہے جس کو ولی سے متعلق کیا جاتا ہے، اردو سے قدیم کے مصنف نے اس کا
 حوالہ دیا ہے لیکن اپنے بیان کے ثبوت میں کوئی سند نہیں پیش کی اس لئے شبہ ہے کہ آیا وہ بھی یا نہیں
 اور اگر ہے تو ولی کی ہے یا کسی اور شاعر کی۔

اشرف

سید اشرف کو اس دور کے اچھے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے، وہ حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کا پرستار تھا جس سے اسکے شیعہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس کی تصانیف کے منظر ہات برٹش میوزیم اور اڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے اس کی تصانیف سے اس کی حیات پر روشنی نہیں پڑتی، البتہ اس کے مرثیوں میں چند اشارے ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت ہی مقبول اور استاد فن شاعر تھا، اسپرنگر کے کینٹلاگ میں ذکا کے تذکرہ کے سلسلہ میں اس کو ولی کا ہم عصر بتلایا گیا ہے اور کچھ نہیں؛ اسی قسم کے بیانات شنیق اور قائم کے تذکروں میں بھی پائے جاتے ہیں، مؤخر الذکر کا بیان ہے کہ وہ ماتم کے زمانہ میں بھی زندہ تھا اور ملک آباد والے دلی نے بھی اشرف کے ایک شعر کو تصنیف کیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اسے بہت پسند تھا۔

برٹش میوزیم میں اشرف کی ثمنوی کا جو مخطوطہ (ایڈیشنل ۱۵۹۰) ہے اس میں ۸۶۳ اشعار ہیں لیکن شاعر نے خود کتاب میں ۸۰۶ شعر کا ذکر کیا ہے، اس کا نام ”جنگ نامہ“ ہے اور اس میں حضرت علیؑ اور بالخصوص سحبلؑ سے جو جنگ ہوئی اس کا ذکر ہے، یہ ادبی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی فارسی ثمنوی کا ترجمہ ہے جس کا ذکر خود مصنف نے (دورق م) پر کیا ہے۔

ثمنوی میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہیں بلکہ خود شاعر کی تخیلی پیداوار ہیں۔ اشرف نے دورانِ نظم میں کئی جگہ اپنا نام لکھا ہے (ملاحظہ ہو اوراق ۱۳، ۱۴، ۳۵ ب، وغیرہ) اختتام پر بھی اس نے سن تصنیف ۱۱۲۵ مطابق ۱۷۱۱ء کے ساتھ اپنا نام درج کیا ہے، اس نے ہم عصر بادشاہوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً ”بادشاہِ ہند“ اور ”فرخ سیر“۔

بختم رسمی طور پر خدا، رسوا، حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت شیخ حسینؑ و ضعیف کی مدح اور شناسے
شروع ہوتی ہے بہت کم مصنفین نے حضرت ضعیف کا ذکر کیا ہے۔

دیباچہ میں اس نے فارسی "جنگ نامہ" کو ترجمہ کر کے نکلی وجوہات بیان کی ہیں اور کہتا ہے کہ اگرچہ اُس نے
اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن اُس کو پورا کرنے کی اس میں قابلیت موجود نہیں ہے حالانکہ دراصل وہ ایک اچھا
خاطر تھا، اس کے مذہبی جوش نے دکنی زبان میں ایک اہم کارنامہ پیش کرنے میں اس کی بڑی مدد کی۔
باوجود ایک مذہبی نظم ہونے کے اس میں شاعری کے دلچسپ نمونے پائے جاتے ہیں، اسلوب بیان
غیر دلچسپ نہیں ہے، شاعرانہ کیفیت سے زبان بہت عمدہ ہے۔

اس کے مرثیوں کی تعداد ۱۲۰ ہے جو انڈین ریونیو سسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، ان میں ۴۰ اشعار ہیں، انکو
بیان کے سمانے اس کے مرثیے اسکے ممدھرا احمد کے مرثیوں سے بہتر ہیں خصوصاً حضرت علیؑ پر جو مرثیہ لکھا گیا بہت
ہی لاجواب ہے مرثیوں کے اکثر اشعار غزل کے شعروں کی طرح ہیں اور یہ بہت ممکن ہے کہ اشعار اچھا
غزل گو شاعر ہو۔

ولی اور ننگ آبادی

اس ولی کے نام کے متعلق اب تک کوئی قطعی تصدیق نہیں ہوا اور بہتر یہی ہے کہ اس کو اور ننگ آبادی ولی کے نام یاد کیا جائے۔ وہ اور ننگ آباد کا باشندہ تھا نہ کہ احمد آباد یا گجرات کا، البتہ اس نے ان مقامات کا سفر کیا ہے اور تعلیم بھی دیں پائی۔

یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ولی ۱۶۹۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۱۵۵ھ احمد آباد میں انتقال کیا، جہاں اس وقت وہ دفن ہے، لیکن راسم کو اس کے سن وفات سے اتفاق نہیں ہے اس لئے کہ ”وہ مجلس“ کے سن تصنیف کی بنا پر یہ کیا جاتا ہے اور راسم نے پہلے ہی یہ ظاہر کیا ہے کہ ”وہ مجلس اس کی تصنیف نہیں ہے“ اس کا انتقال ۱۱۴۳ھ سے قبل ہوا ہو گا۔ حکیم شمس اللہ قادری کا بیان اس کی تائید کرتا ہے جنہوں نے اس کے دیوان کا ایک مخطوطہ دیکھا ہے جس کا سن تصنیف ۱۱۴۳ھ ہے اور جس کے اختتام پر یہ جملہ لکھا ہوا ہے ”تمام دیوان ولی رحمتہ اللہ علیہ“

ولی کے سفر دہلی کے متعلق بھی چند شبہات ہیں اردو کے قدیم کے مصنف نے یہ ثابت نہیں کیا کہ ولی محمد شاہ کے عہد میں دہلی آیا تھا، ان کی رائے میں ولی نے اور ننگ زیب کے زمانہ میں سفر کیا ہے کسی اور وقت۔ ہم اس کے متعلق تفصیل و ارب بحث کریں گے۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہو گا کہ ولی اور ننگ زیب اور محمد شاہ دونوں کے عہد میں دہلی گیا تھا۔ اندرونی شہادت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ ولی ایک بڑا سیاح تھا، اس نے گجرات اور سورت پر جو دھچپ اشعار اور نظمیں لکھی ہیں اور ان مقامات کے متعلق جن اثرات اور احساسات کو بیان کیا ہے اس کے یادگار سفر دہلی کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

مختلف مصنفین اور خاص طور پر اس کے دیوان (حوال ہی میں انجمن ترقی اردو سے شائع ہوا ہے) کے ایڈیٹر نے ولی کے مذہب پر غیہ معمولی توجہ دی ہے۔ راقم نے ویلور کے ولی کے سلسلے میں اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ یہ اورنگزیب آبادی ولی مذہبی آدمی نہیں تھا، مشہور و معروف غزل گو حافظ اور غالب کی طرح اس کا کلام بھی ادنیٰ ادنیٰ تعصبات سے پاک ہے اور نیز اس نے انتہائی عاشقانہ زندگی گزاری ہے، ظاہر ہے کہ ایک شخص جس کے خاص طور پر خوبصورت لڑکوں اور شہاب خواری کی آرزو کے متعلق غزلیں لکھی ہوں کس طرح مذہب کا پرستار تصور کیا جاسکتا ہے؟ وہ ایک دنیا دار آدمی اور شاعر تھا اور کبھی کبھی غالب کی طرح اس کے کلام میں صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے، یہ بالکل ایک فطری چیز تھی کیونکہ وہ مسلمان جو آزادانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اپنے ہمسامیہوں کے طعنے ٹھکنے سنا نہیں چاہتے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو روزمرہ کے مذہبی فرائض کا پابند نہیں گردانا جاتا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ولی دہریا تھا مسلمانوں کے دونوں بڑے فرقے یعنی سنی اور شیعہ دونوں میں سے ہر ایک کی اپنے فرقہ کا گناہ ہے، ممکن ہے کہ ولی کا تعلق سنی فرقہ سے ہو لیکن یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کسی خاص فرقہ کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔

ولی کی قابلیت کے متعلق سو اذیت اور مخالفت میں بعض عجیب و غریب دلائل پیش کئے گئے ہیں، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی عربی اور فارسی معلومات بہت ہی محدود تھیں اور اسی وجہ سے اس کی شاعری میں غیر صحیح عربی اور فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں، انی الحقیقت یہ اعتراض درست نہیں ہے، ولی اپنے عہد کا حقیقی نمائندہ تھا، اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ الفاظ اسی طرح استعمال کرے جیسا کہ آج کئے جاتے ہیں لغو ہے، لکھنؤ کے شاعروں نے اردو شاعری میں عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کرنے کے لئے جو غیر عالمانہ اصول بنائے تھے ولی کے زمانہ میں مانج نہیں تھے، ولی سے پہلے کے اور اس کے ہم عصر شاعر فطری شاعر تھے جو صرف شاعری سے لطف اندوز ہونے کے لئے شعر کہا کرتے تھے ان کا مقصد الفاظ اور محاوروں کو استعمال کر کے اپنی شاعری کو عربی اور فارسی لفظیات کی کتاب بنانا یا لغت پیش کرنا ہرگز نہیں تھا۔

مزید برآں وہ جو زبان استعمال کرتے تھے وہ انکے ہمعصروں کی بول چال کی زبان تھی، وہ عربی اور فارسی لغت سے الفاظ نہیں لیتے تھے بلکہ روزمرہ عام طور پر بول چال میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں انہیں کو استعمال کرتے تھے۔

غیر زبان کے الفاظ کے استعمال سے قطع نظر بعض نقاد ولی کی معمولی اردو پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی زبان بالکل مسترد ہے اور وہ ایسے الفاظ اور محاورات استعمال کرتا ہے جن کو لوگ سمجھ نہیں سکتے، لیکن کسی قدیم شاعر سے موجودہ زبان میں لکھنے کی توقع کرنا کس حد تک انصاف پر مبنی ہے؟ ولی کی شاعری اور اس کا اسلوب بیان

اس کے زمانہ میں اُسی قدر عام پسند خالص اور دلچسپ تھا جیسے آج کل حالی، اکبر اور اقبال کا ہے۔
 دلی کے دیوان میں کئی قسم کی شاعری کے نمونے ہیں۔ ۵۰ غزلیں مختلف قسم کے ۵ ترکیب بند ۶ قصیدے، ۲ مثنویا
 اور ۲ رباعیاں ہیں لیکن میر اور غالب کی طرح اس کی مشہرت کا دامن دار غزلوں ہی پر ہے، ان میں شاعری کی اعلیٰ خصوصیات
 موجود ہیں۔ ادبی نقطہ نظر سے اس کی مثنویوں اور قصیدوں کو جو مقابلہ بہت تھوڑے ہیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
 دلی نے کوئی طویل نظم نہیں لکھی۔

اس کی شاعری کی خصوصیات میں علاوہ سادگی کے تسلسل، لطافت زبان، انہماک عشق، وسعت نگاہ اور حسن پرستی
 داخل ہیں۔ عشق و محبت میں اس کی غزلیں میر اور درو کا آزاد خیالی میں غالب اور حافظ اور جالیا کی رنگیں نظیر کی غزلوں سے
 ملتی جلتی ہیں۔

دکنی مرثیے ایڈنبرا میں

کتب خانہ انڈینریونیورسٹی کے شعبہ مشرقی کے کنلاگ میں "مرثی ہاشم علی" کے عنوان کے تحت ان کی دو جلدوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دراصل ان میں سے ایک تو ہاشم علی کے تقریباً ڈہائی سو مرثیوں کا مجموعہ ہے، جس کو مصنف نے "دیوان حسینی" کے نام سے موسوم کیا ہے، اور جس کے متعلق چند معلومات اس مضمون میں پیش کی جائیں گی۔ اور دوسری جلد ایک "بیاض" ہے جس میں قریب اسی (۸۰) شاعروں کے تین سو مرثیے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ بیاض ابتدائی اور آخری صفحوں کے لحاظ سے نامکمل ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حقیقت میں اس کا کیا حجم تھا۔ اور اس وقت اس میں اول اور آخر سے کتنے کتنے صفحے غائب ہیں۔

دکنی مرثیوں کی ابتدا کے متعلق فی الحال کوئی تحقیقی بات نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں بہت قدیم زمانے ہی سے مرثیہ گوئی کا آغاز ہو چکا ہوگا، کیونکہ بجا پورا اور گولکنڈہ دونوں حکومتیں تقریباً شش و معہ ہی سے شیعہ مذہب کی پیروی تھیں۔

ہمارے زیر نظر خطوط کو اردو مرثیہ گوئی کے آغاز سے کوئی تعلق نہیں یہ اس زمانے کے مرثیے ہیں جب دکنی مرثیہ گوئی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ دکن کی شیعہ سلطنتوں کے زوال کے ساتھ ہی اس کو بھی زوال نہیں شش و معہ ہوا بلکہ اس کا سلسلہ باقی تھا۔ یہاں تک کہ بعد میں شمالی شاعروں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیکر اس میں اور بھی ترقی دی، اور آخر کار انیس، اور دہیر جیسے استادوں نے تو اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔

یہ کچھ کم قیج کی بات نہیں کہ دکن میں، اس گئے گزیرے زمانے میں بھی مرثیہ گوئی برابر جاری رہی اور اس طرح ہاشمی، اور مرزا، اور انیس، اور دہیر کے درمیانی زمانے میں مرثیوں کی زمین بالکل بخر نہیں پڑی تھی

زیر نظر مرثیوں کے مطالعہ کے بعد یہ خیال دور ہو جاتا ہے کہ اردو مرثیہ گوئی دکن میں شہر و عہد کو بالکل ختم بھی ہو گئی اور یہ کہ شمالی شاعروں کو از سر نو مرثیہ گوئی کا آغاز کرنا پڑا۔

دکنی مرثیوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا مرثیہ بن ہے اور اس حیثیت سے وہ شمال کے مرثیوں سے متفرق ہیں۔ وہ مرثیہ گوئی کے اصلی مقصد کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ ان کا مقصد رولے رلانے کے سوا کچھ نہیں شمال میں بھی ابتدا میں یہی رجحان تھا، لیکن انیس، اور دہرے نے اس کے رخ کو بالکل بدل دیا اور ان کے یہاں مرثیہ اردو شاعری کے اہم تر جزو بن گئے۔ اس میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے کہ دکن میں بھی اس طرح کا رجحان شہر و عہد ہو چکا تھا کہ مرثیہ نگاروں میں رونے رلانے کے علاوہ شعریت کا بھی لحاظ رکھا جائے، جیسا کہ رومی، رننی، قادر، ندیم، اور نظردین کے مرثیوں سے ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ بات عام طور پر مقبول نہیں ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حرولت نے اپنے مرثیے کے آخر میں اشارہ کیا تھا کہ۔

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا

پنختہ درو آ میر عزولت منت توں احوالات بول

مگر اس کے ایک بڑے ہمعصر، رضا، نے مرثیے کے اصطلاحی معنوں اور مقصد کو دلیل بنا کر اس طرح اس کا جواب پڑھا کہ:-

اے عزیزاں گرچہ عزولت مرثیہ میں یوں کہیا

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا

لیکن اس مظلوم بے سر کا بیاں کرنا ر و ا

تا کہ سن کر یو بیاں جو دیں مجھ کا شک بار

اگرچہ شمالی مرثیوں کی طرح دکنی مرثیے موضوع کے لحاظ سے زیادہ مضمون نیز نہیں ہیں تاہم ان میں بھی امام زادہ علی اصغر کی شہادت اور امام قاسم اور بی بی سکینہ کی شادی اور پھر ہمیشہ کی جدائی پر بہت کچھ توجہ صرف کی گئی ہے خصوصاً علی اصغر کی شہادت پر دکن کے قریب قریب ہر مرثیہ گو نے نئے نئے طریقہ سے ماتم کیا ہے۔

اس امر کا اظہار بھی شمال اور جنوب کے اردو مرثیوں کا متقابل مطالعہ کرنے والوں کے لئے شاید غیر ضروری نہ ہو گا کہ دکنی مرثیے یا مہم مربع بندوں کی شکل میں لکھے گئے ہیں ہر مرثیے کے پہلے بند کے چار مصرعے ہم قافیہ

وہم ردیف ہوتے ہیں۔ لیکن ہر بند کا چوتھا مصرعہ اسی ردیف اور تاقید میں لکھا جاتا ہے جو ابتدائی بند کا ہوتا ہے۔ چند مرثیہ مخمس کی شکل میں بھی ہیں اور سلام، درود، اور فاتحہ وغیرہ کے موضوع کے لئے عموماً غزل کی شکل استعمال کی گئی ہے۔
 دکنی مرثیوں کی ایک اور خصوصیت ان کی تاریخی معلومات ہیں اس بارے میں وہ شمالی مرثیوں سے زیادہ اہم ہیں۔ ان سے شاعروں کے نام ان کی زندگی، ان کے وطن، اور زمانے وغیرہ کے متعلق بھی معلومات ہوتے ہیں اور یہ باتیں اس لئے زیادہ اہم ہیں کہ ان مرثیہ نگاروں پر اس وقت کسی اور ذریعے سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

ہاشم علی

اس ہاشم علی کو نصرتی کے ہم عصر ہاشمی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات یہاں ضرور ملحوظ رہے کہ ہاشم علی کبھی مرنے میں خود کو ہاشم یا ہاشمی نہیں لکھتا اس کے دیوان (یعنی مجموعہ مرثیہ) کے مطالعہ کے وقت میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ کہیں صرف لفظ ہاشمی کا استعمال دیکھوں مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے کسی مرنے کے آخر میں ہاشم علی کے سوا کوئی اور تخلص نہیں پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیاض مرثیہ میں مجھے ایک ایسا مرثیہ ملا جس کے آخری شعر یہ ہیں۔

تھا اے ہاشم مجھ کوں عظمت (عزم) ترک نہ جاؤ

بس کے ہے دل میں ہجوم درد حسین شہید

اشک کے طغلاں ہو دامن گیر ماتم کر مرزید

لوح دل میں یو سطر غم کی مٹانے میں دیے

تو میں نے اس کو ہاشم علی کے مرنے کی فہرست میں نہیں داخل کیا بلکہ جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں

فہرست ملاحظہ کرنے سے واضح ہو گا۔

ہاشم اور ہاشم علی دو علیحدہ علیحدہ نام لکھے ہیں۔ تاہم ہاشم پر استفہامیہ لگا دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خرق عابد

کے طور پر ہاشم علی نے ایک دفعہ ہاشم تخلص بھی استعمال کر دیا ہو!

ہاشم علی عادل شاہی ہاشمی سے تقریباً ایک صدی بعد کا شاعر ہے۔ وہ ولی اور نگ آبادی کا ہم عصر تھا۔

اس کے موجودہ دیوان میں ایک دو ماریکین ایسی ملتی ہیں جن سے اس کے زانے کا صحیح تعین ہو سکتا ہے۔

۱۔ مرقیہ نمبر ۲ کے عنوان کے طور پر اس نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

” از جملة تعظیلات امام شہید کہ برین ماضی شدہ آنست کہ برادر ایمانی حافظ فضل الدین در عالم رویا
تیاغ بیستم ماہ مبارک رمضان ۱۱۸۸ھ یک ہزار (۱۹) و چہل ہشت مشاہدہ نمود کہ گویا پائے علاوہ
رالادہ موجودہ آنحضرت نشستہ و مہمان جمع شدہ اند کہ یکایک از مشکل ضریح سوز (۱۲) صدائے برآمد
حاضران مجلس ہنگی تعظیم آن برخواستہ دست ہائے ادب بر سینہ نہادہ بہ بختہ استماع ندائے روح
افزائینی سراپا گوش گشتند کہ بار دیگر آواز برآمد و نام قابل بیان غم بر زبان راندند کہ کجاست
چوں این کینہہ را نیز در آں محل حاضر دید کہ باینز تمام سر را قدم ساختہ نزدیک ضریح مقدس آمدہ
استاد بار سوم حکم عالی صادر شد کہ آں مرثیہ وادیلار ابخواس۔ حسب فرمان وحی ترجمان
شروع بخواند نہ نمود کہ ازان خواب یہ زبیدہ شدہ این پائے لحنی آنست کہ در بارگاہ سلیمانی
وصول شدہ“

اس سے جہاں مصنف کے مذہبی معتقدات پر روشنی پڑتی ہے، جس پر آئندہ نظر ڈالی جائے گی، یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم علی رضی اللہ عنہ میں خاصا مشہور مرثیہ گو ہو چکا تھا۔ اور اس کے مرثیے اس قدر پر اثر سمجھے جاتے تھے
تھے کہ ان کی داد دینے اور سننے کے لئے اس کے اعتقاد کے مطابق حضرت امام حسین بھی اس کے ایک دوست کے
خواب میں تشوین لائے تھے۔

۲۔ ایک جگہ (یعنی مرثیہ نمبر ۱، ا کے آخر میں) مرثیے کی تیاغ تصنیف یوں بیان کی ہے۔

جب منجم نے کیا اس درد نامہ کا حساب نین و قات و سین و طاق آیا رقم اندر کتاب
سُ کے یو تیاغ کوں سینے میں دل ہوتا کباب ختم کر ہاشم علی قاسم کی شادی کے بین
گویا یہ مرثیہ ۱۱۹۹ھ میں لکھا گیا ہے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی گیارہویں صدی ہجری کے آخر یا بارہویں کے
کے اوائل میں پیدا ہوا ہو گا۔ اور یہ کہ بارہویں کے آخر میں انتقال کیا۔

ایک اور طرح سے بھی ہاشم علی کے زمانہ پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیوں میں
دکن کے مشہور شاعر قادر کا دو دفعہ ذکر کیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کو قادر کی زندگی میں
اس کی کلفت اشارہ کیا اور دوسری دفعہ اس کی وفات کے بعد۔

قادر دکن کے بہترین مرثیہ گویوں میں سے ہے۔ گجرات اس کا وطن نہیں تھا بلکہ دکن کا کوئی حصہ۔ یا پھر

اس کے ۱۰ اعلیٰ درجہ کے مرثیے موجود ہیں اس میں کل ۲۰۵ شعر ہیں اور بلحاظ مقدار خود ہاشم علی اور غلامی کے سوا یہاں سب سے زیادہ اسی کے مرثیے ہیں۔ اگرچہ خوبی کلام کے منظر فی الحال اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا غلامی بہتر ہے یا قادر؟

قادر ہاشم علی کا ہم عصر تھا۔ اس کے مرثیوں میں تکلیک میں عجیب طرح سے تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

سن اگیسارہ سواد پر اوچاس سال سبنا بانا قادر کا لہو میں لال
ختم کر یو مرثیہ پایا دمسال! اے کیا غم، غم پہ غم ہے مستقیم
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادر رحمۃ اللہ علیہ میں زندہ تھا۔ اور چنانچہ جب ہاشم علی نے یہ شعر لکھا۔
ہاشم علی عجب نہیں یو مرثیے کوں سن کر تجہ پر خلیفہ قادر تحسین کرے دکن میں
وہ بقید حیات تھا لیکن اس کے بعد ہی (اور بہت ممکن ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ کیوں کہ ایک دوسرے مرثیے میں ہاشم علی کہتا ہے۔

ہزار حیف نہیں شاعران دکن سو روجی و مرزا و قادر نہیں
ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں اس کے سامنے مہمنے تھے اور ان کی وفات پر ہاشم علی کو افسوس بھی ہوا تھا۔
اس تمام تفصیل سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ رحمۃ اللہ علیہ اور رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اس کی ذاتی شہادتوں کے علاوہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اس کے زمانہ کے متعلق ایک بالواسطہ شہادت موجود ہے۔
اسی سلسلے میں ان شاعروں کی نسبت بھی کچھ لکھنا لچپسی سے خالی نہیں جن کا ہاشم علی نے ذکر کیا ہے اور جس سے اس کا ماحول بھی معلوم ہوتا ہے۔

قادر کے ساتھ ایک ہی مصرع میں روجی، اور مرزا، کا تذکرہ کرنا ضرور قابل توجہ ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مرزا سے دکن کے ان دو شاعروں سے کوئی ایک مراد ہے جن میں سے ایک کا تعلق بیجا پور سے تھا اور دوسرے کا گوکٹڈ سے بیجا پور کے مرزا کو انتقال کئے ہوئے اس وقت تک غالباً بہت زمانہ گزر گیا ہوگا کیونکہ موجودہ معلومت کی بناء پر اس کا انتقال علی عا دل شاہ ثانی ہی کے زمانہ میں یعنی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہاشم علی جس مرزا کا ذکر کر رہے ہیں وہ یقیناً وہ مرزا ہے جو یا تو اس کا ہم عصر تھا یا جس نے اس کے قریبی زمانے میں انتقال کیا تھا۔

گوکلنڈے کا مرزا مکن ہے ہاشم علی کے زمانے تک زندہ ہو۔ کیونکہ شانہ کے بعد اس کا بقید حیات ہونا مسلم ہے۔ بہت مکن ہے کہ وہ پچیس تیس سال اور بھی زندہ رہا ہو۔ لیکن یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ گوکلنڈے کے مرزا سے عام طور پر مرثیے نہیں منسوب کئے جاتے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ صرف بیجا پور کا مرزا مرثیہ گو بھی تھا۔ یہ بحث اس لئے بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ اسی پر ان پندرہ مرثیوں کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہے جو یہاں ”بیاض“ میں مرزا کے نام سے موجود ہیں اور جن میں تقریباً ۱۱۵ شعر ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان مرثیوں کا مصنف گوکلنڈے ہی کا مرزا ہے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ شانہ تک زندہ بھی تھا۔ کیونکہ مرزا کے جو مرثیے یہاں موجود ہیں ان میں ایک جگہ قادر کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ گویا وہ اس وقت مرچکا تھا۔ مرزا لکھتا ہے :-

یہ مرثیہ بو تراب سیتے قبول پادے کو کچھ عجیب نہیں کہ روح قادر کی زار و رو سے جو مرزا دکن میں غم متیں یاد رہے کہ مرزا جیسا کہ اُس کے ایک تذکرہ شعر سے ظاہر ہوتا ہے شانہ تک زندہ تھا۔ اس میں بہت کم شک کی گنجائش ہے کہ مرزا قادر کی طرح دکن ہی کے شاعر تھے۔ وہ ایک جگہ کہتے ہیں۔ در ملک ہند پورپ و بھم ہے سوگ میں سب سے ادب کث عرا ہے بہ دکن جین کا اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا کے مرثیے اس مجموعے کے بہترین مرثیوں میں سے ہیں۔ ان کا مصنف یقیناً ایک اعلیٰ درجے کا اور پختہ شاعر ہوگا۔

پس یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہاشم علی نے جس مرزا کا ذکر کیا ہے وہ گوکلنڈے کا مرزا ہے جس نے مرثیے بھی لکھے اور جو شانہ تک زندہ بھی تھا۔ یا یہ کہ وہ دکن کا کوئی اور بڑا مرثیہ گو شاعر تھا، جو ولی ہاشم علی اور قادر کا ہم عصر تھا اور جس نے قادر کے بعد اور ہاشم علی سے پہلے انتقال کیا۔

اس بحث کو بند کرتے وقت میں اپنا یہ اندیشہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ضروری ہے کہ یہ سب مرثیے ایک ہی مرزا کے ہوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ بیاض جمیع کرنے والے نے (جس طرح بعض قدیم شاعروں مثلاً ہاشمی اور شاہی کے مرثیوں کے نمونے وئے ہیں، یا بعضوں مثلاً بسمل اور ہادی کے فارسی مرثیے بھی شامل کر لئے) قطب شاہی مرزا اور عادل شاہی مرزا دونوں کے مرثیے نقل کر لئے ہوں اور پھر ہماری بد قسمتی سے اس کا خیال نہ رکھا ہو کہ ہر مرثیے پر اس کے خاص مصنف کی طرف اشارہ کیا جائے۔

۔ اگر واقعی یہ مرثیے دو مختلف شاعروں کی پیداوار ہیں تو نہ معلوم آئندہ ایسا موقع بھی آسکے گا کہ کوئی خدا کا بندہ دو شاعروں کے مرثیے ملیندہ ملیندہ کر کے ہر قصداً کو اس کا صحیح حق پہنچائے۔

اشتم علی کے تذکرہ شاعروں میں تمیز انمبر راجی کا ہے۔ بیاض میں اس کے زیادہ مرثیے موجود نہیں ہیں۔ تاہم جس قدر بھی ہیں اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ روحی کے مرثیوں میں شعریت اور تغزل کا جتنا رنگ غالب ہے کسی اور دکنی مرثیہ گو کے یہاں نہیں۔ یہاں اس کے کل پانچ مرثیے ہیں جن میں پچاس سے بھی کم شعر ہیں۔ روحی ایک اچھا شاعر ہوگا۔ اس کے مرثیے اس کی خوبی کلام کا پتہ دیتے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف مرثیہ گو نہیں تھا، غزل گوئی میں خاصی مشق کی ہوگی۔ ایک مرثیے سے چند شعر یہاں نقل کئے جلتے ہیں تاکہ اس کا اندازہ ہو کہ روحی جیسا کا کیا ب شاعر بھی عورت کا ہم خیال تھا۔

آج غم ناک ہے جن کے گل	بلکہ دل چاک ہے سمن کے گل
غم زدہ سینہ داغ جسدان ہیں	نرگس، لالہ، یاسمن کے گل
یوں نہ لائے شفق کے دتے ہیں	ہو میں ڈوبے ہیں سب گل کے گل
جب سننے شہ کی بات مجلس میں	جل بجے شمع انجمن کے گل
نقش پا دیکھ دل ہوس رکھتا	سر پہ رکھنے کون تجھ جرن کے گل
خوش لگے تجھ طبع میں اسے روحی	دل کے باغاں سے سخن کے گل

نہ معلوم اس طبع کے مرثیوں کو دیکھنے کے بعد، رضا کا کیا حال ہوا ہو۔

روحی کی زندگی کی نسبت فی الحال کوئی معلومات نہیں۔ قائم نے اپنے تذکرے میں البتہ ایک روحی کا ذکر کیا ہے جو حیدر آباد کا پیر زادہ تھا۔ مگر نہ معلوم وہ بزرگ یہی روحی ہیں یا کوئی اور؟ یہ ظاہر ہے کہ اس روحی کا اشتم علی کی زندگی میں انتقال ہو چکا تھا۔

اشتم علی کے دیوان میں ایک اور شاعر کا بھی ذکر آتا ہے۔ وہ اپنے مرثیے نمبر ۱۰ کے عنوان میں لکھتے ہیں:-

”تضمین غزل خواجہ حافظ شیرازی کہ حافظ رضی نامی شاعر نیز کردہ بود؟“

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حافظ رضی جس کے نو مرثیے بیاض میں موجود ہیں، اور جو اچھے مرثیہ گو یوں میں سے ہے اشتم علی کے زمانے سے پہلے گزر چکا تھا یا اس کے زمانے میں تھا رضی غالباً گجرات کا شاعر تھا۔ خود اس نے حافظ کی مشہور غزل ”دل می رود و دستم صاحب دلال خدا را“ کی تضمین ایک اور شاعر بے خبر کی تسلیم کی ہوگی ”بیاض“ میں بے خبر کی تضمین کے بعد ہی حافظ رضی کی تضمین نقل کی گئی ہے۔ لیکن حافظ

رضی کا یہ مرثیہ بے خبر، اور ہاشم علی دونوں کے مرثیوں سے بہتر ہے۔
ہاشم علی کے زمانے اور اس کے قریبی شاعروں پر چند نوٹ لکھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
وطن کی نسبت اس کے کلام سے جو روشنی پڑتی ہے اس کو بھی ظاہر کر دیا جائے۔
کنڈلاک کے مرتب نے اسے برہان پوری لکھا ہے، اگرچہ اس کے مرثیوں سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔
اس سے صرف اس قدر علم ہوتا ہے کہ وہ گجرات کا شاعر تھا، اور غالباً اس شہر میں رہتا تھا جس کو وہاں کے
بائند سے شاید نگر کہتے ہوں۔ کیونکہ اپنے مرثیوں میں اس نے دو دفعہ نگر کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ شے کے غم میں آج اسے ہاشم علی زینہار ہرگز نہ کرتوں بے دلی
سن نگر میں شور محشر ہر گلی ہے شب قتل شہیدان آج رات
(مرثیہ نمبر ۳۴ کے آخری شعر)

۱۲۔ یونگر میں شور شے کے بان ہے اس الم کا نالہ گھر گھر آج ہے
(مرثیہ نمبر ۳۴ کا آخری شعر)

یہاں لفظ نگر برہان پور کے لئے ممکن ہے بالکل اسی طرح استعمال کیا گیا ہو جس طرح شہر حیدر آباد وکن
دہاں کے لوگ اختصار کے لئے بالعموم بلد یا شہر کے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔

رہا اس کا ثبوت کہ یہ نگر گجرات کا کوئی شہر ہو گا یوں ملتا ہے کہ ہاشم علی نے چند مرثیوں میں دکن کو اس طرح
یا دیکھا ہے کہ گویا وہ وہاں نہیں رہتے۔ اس کے برخلاف گجرات میں رہنا حسب ذیل شعروں سے ثابت ہوتا ہے۔

ہاشم علی لکھا توں بیکس دوہن کی باتاں اس غم سے ہے جگرخوں، او چشم اشک زباں
گجرات میں پڑے جب یہ مرثیے کو یا راں سنکر چلے ہیں روتے دکن کوں اپنے

(مرثیہ نمبر ۲۲۶)

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دکنی گجرات کو اکثر جایا کرتے اور وہاں کے شاعروں سے استفادہ ہوتے تھے
یہ بات صرف دلی اورنگ آبادی ہی تک محدود نہیں تھی۔ ہاشم علی کے علاوہ ایک اور مشہور شاعر و رشتہ دار بھی تھیں
کا اس بارے میں ذکر کیا ہے وہ اپنے ایک مشہور مرثیے کے آخر میں لکھا ہے۔

نہیں ہے طاقت تا کروں غم کا سو میں سارا بیان تم کرو زاری نہاں کی آج اے پیرو جو اں
آفریں مج کوں کہو اے شاعران ذکر اں کرتا ہوں اب بس سخن کوں آج ہے قاسم کا بھیا دہلاہ

اے 'رضا' قاسم کے جلوہ کابیاں کرتوں تمام تجہ کوں محشر میں شیع ہو کر چھڑا دیں گے امام
مرثیہ تجہ کن لکھا کر لے گئے ہیں ہر کد ام لے گئے دکھنی دکن کوں 'آج ہے قاسم کا بھیا
کیا تعجب ہے کہ 'ولی' نے اپنے انہی گجراتی دوست شاعروں کی یاد میں وہ نظم لکھی ہو جو اُس کے جدید ملبوہ
کلیات میں موجود ہے اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی 'ولی' کے دل پر گجراتیوں نے اچھے نقوش تاثر چھوڑے تھے
ہاشم علی کی حسب ذیل شعر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُس کے شعر و دکن پھینتے تھے۔
ہاشم علی نے آئے عمان نے یو خبر دکن سے ہو کے تیرے سخن کر بلا چلے
اور نہ صرف یہی 'دکن کے شاعروں سے ہاشم علی کو داد تحسین حاصل کرنے کی بھی توقع رہتی تھی۔ وہ
کہتا ہے۔

ہاشم علی عجب نہیں یہ مرثیے کون سُندر تجہ پر خلیفہ قاد تحسین کرے دکن میں
اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گجرات اور دکن کے شاعروں میں تعلقات بھی قائم تھے اور
ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ پہنچ جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ہاشم علی نے اپنے مرحوم دکنی دوستوں کو جس طرح یاد کیا ہے
اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، وہ کہتا ہے۔

عجب نہیں ہے ہاشم علی بے سمن یہ غم کابیاں سُن کے لرزے لگن
ہزار حیف نہیں شاعران دکن سورجی، دمزا ادقا در نہیں (مرثیہ ۱۶۵)

ہاشم علی صرف مرثیہ گو شاعر تھا، اور غالباً پیشہ ور۔ اس نے سوائے مرثیوں کے کسی اور صنف شاعری
میں قلم نہیں اٹھایا۔ اور جس طرح دوسرے شاعر اپنی مختلف نظمیں کو ایک جا کر کے انہیں ایک دیوان کی شکل میں
حروفِ کلمی کے لحاظ سے ردیف وار مرتب کرتے ہیں ہاشم علی کو بھی اس کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قسم قسم
کے مرثیوں کو ردیف وار جمع کر کے ایک جلد میں نقل کرتا ہے، اور اس مجموعے کا نام "دیوانِ حسینی" رکھتا ہے
کیوں کہ وہ امام حسین اور اُن کے ساتھیوں کے غم و الم پر مبنی ہے۔

"دسہی شدن این اوراق بہ دیوان حسینی"

کے تحت اس نے جو شعر لکھے ہیں اُن کے آخری شعر یہ ہیں۔

شاعران نے شعر بوسے گرچہ رنگین لکشا اے عزیزاں یوسن ہے اس ل بریان کا

توں لکھا ہے کہ بلا کا یہ بیاں ہاشم علی ہے یو دیوان حسینی نام اس دیوان کا (مرثیہ نمبر ۱)
اس کے علاوہ اپنے صرف مرثیہ گو ہونے کی نسبت اس نے صاف صاف کئی جگہ اعلان کر دیا ہے۔
چنانچہ بعض شعر ملاحظہ ہوں۔

- (۱) ہاشم علی ہمیشہ ثنا خزان شاد کا جز مدح و ثنیت سخن اُس نے لکھائیں (مرثیہ نمبر ۱۳۰)
(۲) بجز مدح میں شعرا ہاشم علی کہورستی کے سخن پر سلام (مرثیہ نمبر ۱۱۳)
(۳) شاعر کا یہ یوں مقرر ہے تجھے ہاشم علی جز ثنا و مرثیہ شمر دگر کہیں غلط (مرثیہ نمبر ۱۰۴)
اور نہ صرف یہی اسے اپنے خالی مرثیہ گو ہونے پر فخر بھی تھا۔ اُس کا خیال تھا چو نکہ وہ مرثیوں کے
سوا کسی اور صنف شاعری سے اپنے قلم کو گنہ نہیں کرتا۔ اس لئے شعری اچھے، نکلے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

- (۱) ہے سخن کوں مدح آل مصطفیٰ میں برتری یو سبب در ریز ہے ہاشم علی کی شاعری
قد رجو ہر کوئی بخائے گاسوائے جوہری اسے صبا بہ بیے ہا گو ہر او پر صلوات بول (مرثیہ نمبر ۱۱۱)
(۲) بول توں لمبہ۔ اے صنف ہاشم علی جیسی ہم میں مدح اولاد علی
(۳) جب تک کہ دیکھئے گلستانِ جاں ہاشم علی کے شعر جو مدح امام ہے (مرثیہ نمبر ۱۱۲)
برائین ثنا و ادس کی فصاحت کوں ہے درود (مرثیہ نمبر ۱۱۳)

لیکن اگر کبھی اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں میرے شعروں میں کوئی نقص تو نہیں تو وہ یہ ہلکرا اس کی
مدافعت کرنا چاہتا ہے کہ میرا مقصد شعر و شاعری تو ہے نہیں، میں صرف مرثیہ گو ہوں، بھلا مجھے نکتہ چینیوں کی
کیا پروا؟ چنانچہ لکھتا ہے۔

- (۱) ہوس میں شاعری یاراں مجھے ہر دعا زاری سخن میں گزینا دیکھو کرم سیتیں گناؤست (مرثیہ نمبر ۱۱۴)
(۲) شعر ہاشم علی کے تئیں یاراں مدح مولا نے دیکھو خالص (مرثیہ نمبر ۱۱۵)
یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیہ گو ہونے پر فخر اور نکتہ چینیوں سے بے پروائی کا ذکر
صرف اس لئے کیا کہ وہ اس ذریعے سے اپنے عیب چھپانا چاہتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا اعتقاد ہی
اس طرح کا تھا۔ وہ ایک ادنیٰ درجے کا پیشہ ور مرثیہ گو نہیں تھا وہ جو کچھ لکھتا تھا اس کی اہمیت اور حقیقت پر
اسے اعتقاد تھا۔ وہ اس کو اپنے مذہبی فرائض کا ایک جز سمجھتا تھا اور اس سے اسے صرف دنیاوی منافع ہی
کی امید نہیں تھی اسے یقین تھا کہ اس کے مرثیہ اسے آل بنی کی نظروں میں عزیز کر دیں گے اور اُن کے ذریعے

وہ اپنی دینی زندگی میں سرخرو رہے گا۔

یہ صرف نری توقعات ہی نہ تھیں۔ اسے ان کوششوں کے پھل بھی لینے لگے تھے۔ اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ شہدائے کربلا علیہم السلام اس کے مرثیوں سے خوش ہیں اور یہ کہ ان بزرگوں نے اپنی خوشنودی کا اظہار بھی کر دیا ہے اس کے برادر ایمانی حافظ فضل الدین نے مسئلہ میں جو خواب دیکھا تھا اس کو خود ہاشم علی ہی کے لفظوں میں ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس طرح کے خوابوں کا ذکر ہاشم علی نے ایک سے زیادہ موقعوں پر کیا ہے۔ چنانچہ دیوان میں ردیف ”کاف“ کو اس نے ایک سلام سے شروع کیا ہے جس کی سرخی یہ لکھی ہے۔

”سلام الہ (کذا) جناب سید المرسلین و اشارہ بایں کہچوں سابق در عالم رویا جمال باکمال
آنحضرت را دیدہ و آن خوابی است بسیار طولانی۔ درین سلام تمنائے بار دیگر نمودہ۔ و قسم
حضرت شاہ کربلا دادہ، چنانچہ از فضل و کرم این آرزو بر آمدہ، و بار دیگر با حسن و جہی مشاہدہ
جناب اقدس نبوی نمودہ“

ایک اور سلام کی سرخی یہ ہے۔ اس میں ایک سے زیادہ خواب بیان کئے ہیں۔

”سلام الی جناب سید الشہداء و درال اشارہ است بسہ خواب۔

اول خواب است کہ جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ چنانچہ در سلام ردیف الف
اشارہ بآں باشد۔

دوم خوابی است کہ جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ، و حضرت علی بن موسی الرضا علیہ التیمہ و اشارہ
مشاہدہ نمودہ قدسوس و مصافحہ بجا آوردہ حضرت امیر بدست مبارک فکر بادشاہ و بزبان
می فرمودن کہ علی بن موسیٰ۔

د سوم خوابی است کہ محب یک رنگ آل بنی امجد حاجی احمد درویش حضرت سید الشہداء را دیدہ
و گریا این کینہ نیز نزد حاضر بودہ و ارشاد و بعملی شدہ کہ بجا آوردہ شد۔“

(مرثیہ نمبر ۸۹)

اس میں بعض جگہ عبارت غلط ہے۔ میں نے حتی الامکان بعینہ نقل کر دینے کی کوشش کی ہے۔

ان خوابوں کے علاوہ خود مرثیوں میں کئی شعرا ایسے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہاشم علی کس قدر خلوص اور
اعتقاد کے ساتھ مرثیے لکھتا تھا جب ذیل شعر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خود متاثر رہتا ہے۔

کہاں تک میں لکھوں اس غم کی باتاں کہ دل کے جوش سوں پرخوں ہیں لکھیاں (مرثیہ نمبر ۲۳)
 آج ہاشم علی لکھا غم سوں بھر کے انجھولو ہو میں سارے نین (مرثیہ نمبر ۱۵۲)
 ہاشم علی کے سچے اعتقاد کا ثبوت اُن آرزوؤں سے بھی ملتا ہے جو اُس نے اپنے متعدد شعروں میں بیان کی ہیں مثلاً ایک جگہ وہ چاہتا ہے کہ کربلا جا کر خود مر قدام علیہ السلام پر اپنے مرثیے سناے اور اس کی اُس کو اس قدر شناسائی کہ وہ اپنے کلام کا کربلا جانا انتہائے عروج و قبولیت سمجھتا ہے۔ کہتا ہے۔
 بولا ہاشم علی کوں سرورِ نجاوے دل میں یہ آرزو لے کر سارے جیتے ہو مرثیے ہیں پڑے تما کر وطن میں غم نہیں جیتے (مرثیہ نمبر ۱۵)

ہاشم علی لے آئے مہباں نے یو خیر دکن سے ہو کے تیرے سخن کر بلا چلے (مرثیہ ۲۲۵)
 اُس کی بعض عاؤں اور خواہشوں کی نوعیت اور بنیاد کی ملاحظہ ہو۔

اے مہباں التماس آئین کی	تم سوں رکھتا یہ گنہ گار روسیا
یا حسین اے غامس آلِ عباس	عرض ہیں گے پانچ مطلب اے شہا
اول ہے تو آرزو دل میں دما	لطف سوں اپنے زیارت کوں بلا
دوسرا جب تیں جیسا ستعار	رکھ مجھے بے منت خلقِ خدا
تیسرا ہونا قبول و رگست	یوسفن لکھنا مرا تیری ثنا
چار میں یہ ماضیان و ذاکراں	غم سوں پاویں اپنے دل کی مدعا
ہے تجھے منصبِ شفاعت کا نصیب	پانچواں مجھ کوں قیامت میں چھوڑا

وغیرہ (مرثیہ نمبر ۱۹)

اس کو امید تھی کہ قیامت کے دن امام حسین اس کی شفاعت کر کے اسے جنت دلائیں گے۔
 حشر کے دیوان میں چچہ رحیم مصطفیٰؐ
 یاد کر ہاشم علی تجھ کوں کہیں روز جزا وہ ہمارا کتریں مداح شاعر کاں گیا (مرثیہ ۳۱)
 ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

ہاشم علی کوں سرورِ گر لطف سے نوازیں نیں بے عجب عزیزاں ہے خاندانِ کم کا (مرثیہ ۱)
 ہاشم علی کے پیشہ ور مرثیہ گو ہونے کی بحث کے متعلق چند اور معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ

اس کے چند شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سال باضابطہ طور پر مرثیے لکھا کرتا تھا چنانچہ کہتا ہے۔
 تج کوں ہاشم علی حسین سرور ہر برس مرثیہ لکھاتے ہیں (مرثیہ ۱۱۴۹)
 لکھوں کہاں تلک میں بیان تم مجھے ہر برس لے کے تیر تسلیم
 لگاتار ہا ہے کسان دار غم جگر پر مرے تیرا خسد نہیں (مرثیہ ۱۱۶۵)
 آخری مصرعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مدت سے مرثیے لکھتا آیا ہے اور یہ کہ جب تک زندہ رہے گھاسے
 ہر سال غم کرتے رہنا پڑیگا۔ ایک اور جگہ بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شاعراں نے ہر کہ اس نوبت اس غم کی جبرے ہے تجھے ہاشم علی اس درد کی باری ہنوز
 اس سے یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ ہم عصر مرثیہ گو مرثیے لکھتے لکھتے مر گئے لیکن ہاشم علی کی باری
 ابھی ختم نہیں ہوئی۔

پیشہ ور مرثیہ گوئی سے متعلقہ دوسری قسم کی معلومات بعض مرثیوں کے درمیان فی اشاروں سے ہوتی
 ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی نے صرف منبر پر بیٹھ کر پڑھنے ہی کے لئے مرثیے نہیں لکھے بلکہ اسے
 ماہ محرم کے عام رسم و رواج کا بھی لحاظ رکھنا پڑا۔ زیارت اور چالیسویں کے نیزالوداعی مرثیوں کے علاوہ (جو
 علموں اور تعزیوں کو ٹھنڈا کر کے واپس ہوتے وقت پڑھے جاتے ہیں) تابوت لے جاتے وقت راستہ سے پڑھتے
 ہوئے جانے کے لئے بھی اس نے علیحدہ مرثیے لکھے۔ چنانچہ مرثیہ نمبر ۱۵ اور ۱۶۹، دونوں پچاس پچاس
 شعر لکھنے کے بعد یہ اشارہ کرتا ہے کہ:-

”انیں جا رہو دے تابوت ایستادہ شدہ بخواند و آہستہ روانہ شود“

زیارت اور چالیسویں کے مرثیوں کی ابتداء میں حسب ذیل نوت لکھے ہیں:-

۱۔ ”در بیان روزیوم کہ در اصطلاح روز پھول و روز زیارت گویند و این مرثیہ مخصوص آں روز است“

۲۔ مرثیہ چہلم کہ با اصطلاح اہل ہند چالیسواں گویند و مناسب است کہ در اں روز یا شب

خواندہ شود“

ہاشم علی کے مجموعہ مزامی، یعنی دیوان حسینی میں کل ۲۳۸ مرثیے ہیں یہ اس کا مکمل دیوان نہیں ہے
 کیونکہ کتاب میں اکثر جگہ (خصوصاً ہر ردیف کے آخر میں) بہت سے صفحے خالی چھوڑ دے گئے ہیں جن سے

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اور مرثیے نقل کرنا چاہتا تھا بد قسمتی سے کتابت کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی ہی میں یہ بیاض لکھی گئی ہوگی۔

باششم علی ایک اچھا مرثیہ گو تھا۔ اگرچہ مرزا غلامی اور قادر کے بعض مرثیوں کے مقابلے کا، دیوان حسینی میں کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے، تاہم باششم علی کی استاد علی درجے کے شاعر ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور بقول اس کے۔

شعر باششم حسینی ہونے مشہور نہیں ہے دیوان کی کتاب ہنوز (مرثیہ ۱۶۲)

کوئی تعجب نہیں اگر وہ دیوان حسینی کے جمع ہونے سے پہلے ہی خاصہ مشہور ہو چکا ہو اس کی زندگی کی تاریخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان مرثیوں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ ایک دو جگہ ہے شعراء نے کہا ہے کہ میں جن میں مصنف نے خیالات کی کچھ جھلک یقیناً نظر آتی ہے لیکن وہ کوئی زیادہ اہم نہیں۔ ان کے چار شعرا ثابت کرتے ہیں کہ باششم علی کی زندگی عام انسانوں کی زندگی کی طرح صدیوں سے آزاد نہیں تھی۔ ایک غیر معمولی بات یہ کہ اسے ٹھوکریں دلتیں اور دنیا کی سرد دھریوں اور نیرنگیوں کی شکایت کرنے کو دیکھنا ملتا

۱۔ باششم علی، دلتوں میں ہمسرو وفا نہیں دہائے پر نفاق میں صدق و صفا نہیں

ہرگز نہیں مروت و شرم و حیا نہیں اس درد کے دو اکوں بغیر از خدا نہیں

نسر یا دیا محمد دیا مرثی علی (مرثیہ ۳۳)

۲۔ زندگی دنیا کی ہے باششم علی خواب خیال جو رہا سویا و دچوکا، جاگتا ہے گا کمال

سہ سجد کی نیند بھاری آج تو اس کی سماں تاجکاوین صبح محشر تج کو آساں نیند سوں

(مرثیہ ۹۵ بیان)

امامی

سوائے اندرونی مشہادت کے اس دنیہ گو کے متعلق مزید معلومات حاصل نہیں، اس کے تخلص سے اس کے مذہبی ہونے کا پتہ چلتا ہے، ہر مرثیہ کے انتتام پر اس نے اپنا یہ اعتقاد پیش کیا ہے کہ امام حسین اور آپ کے خاندان کا مداح اور پیرو ہونے کے باعث اس کے سب گناہ دہل جائیں گے۔

امامی معمولی مرثیہ گو نہیں تھا۔ اس کا اسلوب بیان دلچسپ اور دلکش ہے، وہ اکثر گفتگو کے طور پر لکھتا اور اپنے مرثیوں میں ڈرامائی اثر پیدا کرتا ہے بحریں بہت دلچسپ استعمال کی ہیں۔ جن کی وجہ سے پڑھنے والا شوق سے پڑھتا ہے۔

اس وقت اس کے صرف ۸ مرثیے دستیاب ہوتے ہیں ان میں، اشعار ہیں اور شہادت کے ۳ مصرعے ہیں اکثر وہ میں کر بلا کے واقعات بیان کئے گئے ہیں پہلا مرثیہ جس میں حضرت امام حسین کا ذکر ہے اسلوب بیان کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔ چوتھا ماہ محرم کے شروع ہونے کے غم میں ہے اور اچھا تہیدی مرثیہ ہے۔

رضا

رضا، گجرات کے پایہ کے مرثیہ نویسوں میں سے ہے، اگرچہ اس نے صاف طور پر اپنے گجراتی ہونے کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن ایک دو جگہ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہو گا یہ بتلایا ہے کہ وہ دکنی بھی نہیں تھا مزید برآں گجرات کا شاعر رضا جس کا ذکر ہاشم علی نے کیا ہے اور جس کے مرثیے اڈنبرا میں محفوظ ہیں اس کو اپنا ہم عصر بتلاتا ہے۔ رضا اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تھا، اسے بہت سے شاعروں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، اکثر مقامات کے متعدد مرثیہ نویسوں کا وہ استناد بھی تھا، اس کی شہرت کا اندازہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو ایک مرثیہ کے اختتام پر تحریر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مرثیہ لکھنے کے لئے خوشامد کرتے تھے اور اس کے مرثیے اپنے گوروں کو لیجاتے تھے بعض اہل فوج اس کے مرثیے دکن میں بھی لے گئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دکنی نہیں تھا۔

مرثیہ گوئی کے اصول کا سختی کے ساتھ پابند تھا، اس کے خیال میں مرثیہ کا مقصد صرف یہی تھا کہ امام حسینؑ کے خاندان کی مصیبت کو بیان کیا جائے۔

بیاض میں ۵ مرثیے ہیں، جن میں ۳۶۰ اشعار ہیں، اس پر اس کا نام بھی لکھا ہوا ہے ان میں سے اکثر شاعرانہ نقطہ نظر سے اعلیٰ معیار رکھتے ہیں۔

پہلے مرثیہ میں حضرت حسین کی شہادت پر حضرت فاطمہ کے غم کا حال درج ہے اگرچہ مرثیہ کچھ ایسا زیادہ اہم نہیں ہے تاہم اس سے شاعر کی زندگی کے متعلق بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے اس مرثیہ کی آخری ہائروں میں اس نے زیارت کر بلا کی خواہش ظاہر کی ہے اور کہتا ہے کہ مرثیہ گوئی کے مقدس کام نے اسے بہت مشہور اور کامیاب شاعر بنا دیا۔

چوتھے مرثیہ میں اس کے مرثیوں کی شہرت کا حال درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام لوگ دور دور مقامات پر لجا کر تے تھے، اس کی تمام نظروں میں یہ سب سے بہتر ہے، اس میں امام قاسم اور حضرت کی شادی کا حال درج ہے اور اس زمانہ کے رسم و رواج کا حقیقی نقشہ کھینچا ہے چند معمولی اشعار کے علاوہ باقی پورا کلام شاعرانہ غویوں اور چڑ ترنم انداز بیان سے مالا مال ہے۔

ساتویں مرثیے کے اختتام پر اس نے شاعرانہ مرثیے لکھنے کے متعلق عزت کا جواب دیا ہے، امام حسین کی شہادت کے متعلق رضا کا یہ خاص مرثیہ ہے۔ حضرت امام حسین کا مرثیہ لکھنے میں اس کو بے حد کمال حاصل ہے اور یوں تو بحیثیت مجموعی ہر موضوع پر وہ خاص انداز میں قلم اٹاتا ہے مثلاً اگر ایک مرثیہ امام حسین کی بیوی کی زبان سے کہلوایا جاتا ہے تو دوسرا آپ کی دختر کی زبانی اور آپ کی ہمشیر کی زبانی وغیرہ وغیرہ۔ ہر وقت نئے انداز میں مختلف جذبات کے تحت مرثیہ کہنے میں ایک گونہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

سید

ایک فارسی مرثیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید اس کا نام سید غلام محمد تھا، غالباً وہ گجرات کا بابر شہزادہ ہو گا کیونکہ ایک شعر میں اس نے انگریزوں کا ذکر کیا جنہوں نے سب سے پہلے گجرات کی ساحلی مقامات پر ڈیرے ڈالے تھے۔ اس شعر کے علاوہ علامہ نے اپنی مصنفات میں اپنے متعلق کسی قسم کی مفید معلومات تحریر نہیں کئے ہیں۔ البتہ ایک شعر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان وقت وہ مرثیہ لکھ رہا تھا اس کے باپ کا انتقال ہو رہا تھا۔

سید یا تو طبیب تھا یا فن طب میں کچھ دخل رکھتا تھا، اور شاید نجوم سے بھی اسے دلچسپی تھی کیونکہ ایک مرثیہ میں اُس نے نجوم اور طب کی بیشمار اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ بیاض میں اس کے دل مرثیے ہیں جن میں دو فارسی ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک قابل آدمی اور اچھا شاعر تھا، اس کی زبان سادہ اور موثر ہے اسلوب بیان بند باقی خصوصیات کے لحاظ بلند پایہ ہے۔

غلامی

اگرچہ کسی شاعر نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ اندرونی شہادت ہی سے اس کے متعلق کوئی مواد فراہم ہوتا، تاہم وہ بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے اُس کی تالیف پیدائش کا ہمیں علم نہیں اور نہ اس کے نام کا یقین ہے، البتہ دوسرے اور چھٹے مرثیے کی آخری سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام یا تو غلام حیدر تھا یا غلام مرتضیٰ۔ پانچویں مرثیہ میں اس کے وطن کا پتہ چلتا ہے کیونکہ اس میں اُس نے گجرات چھوڑ کر بلجا نے کی خواہش ظاہر کی ہے لیکن وہ کس خاص مشہر میں پیدا ہوا اس کا علم نہیں ہے ساتویں مرثیہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ یہ جس مقام پر مرثیہ لکھتا تھا وہاں اور بہت سے مرثیہ گو بھی رہا کرتے تھے جن کی وہ تعریف کرتا ہے اور دوستانہ تعلقات کی بنا پر ان کو اپنے پر خوست دیتا ہے اس کے بعض مخالفین بھی تھے چنانچہ آٹھویں مرثیہ میں اس نے ان کی اچھی طرح خبر لی ہے۔

اذنبرا کی بیاضوں جن شعراء کا ذکر ہے ان کی طرح یہ بھی صرف ایک مرثیہ گو تھا لیکن وہ ان سب میں مشہور تھا کیونکہ بیاضوں میں اس کے کافی مرثیے موجود ہیں اس کے ستر امثال میں ۵، ۴ اشعار ہیں۔ ان معلومات کے علاوہ ساتویں مرثیہ سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے جو اگرچہ اس وقت کا راز نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ آئندہ اس سے کچھ فائدہ اٹھایا جاسکے

وہ یہ ہے کہ اس خاص مرثیے کے لکھنے کے زمانے میں اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی ماں بھی مرض میں مبتلا تھی شاعر اسکی صحت یابی کا مستثنیٰ تھا۔

اپنے ہمعصرین ہاشم علی اور رضا اور دیگر ساتھیوں کے مقابلہ میں حقیقت نگاری کے لحاظ سے وہ بہت اچھا شاعر تھا اس کے خیالات بہت اعلیٰ تھے، کربلا کے دشمن واقعات کو اس نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا ان کو حقیقی تاریخی واقعات سمجھنے لگتا ہے، بعض دفعہ وہ ولی کی طرح ترقی یافتہ اور میٹھی زبان استعمال کرتا ہے۔ غالباً یہ پہلا شاعر ہے جس نے نظم میں صاف ستھری اور فطری محاکمو کا اضافہ کیا۔ اس کے دلفریب اسلوب بیان اور پرواز تخیل کی وجہ سے اسے قدیم دکنی شعرا کی سہ اول میں جگہ ملتی ہے۔

قادر

اس کے بعض اشعار (مرثیہ ۶۰) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام غلام قادر تھا لیکن قائم نے اپنے تذکرہ (ملاحظہ مخزن کفایت) اندیا آفس لائبریری کا محفوظ صفحہ ۳۱ میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس کا نام عبدالقادر تھا اور بڑھاپے میں اس نے زندگی گذاری غلامی کی طرح وہ بھی بہت بڑا شاعر تھا لیکن اسکی عظمت ایک دوسری شاعرانہ خصوصیت پر مبنی ہے اس کے زمانہ اور وطن کا حال یہیں اچھی طرح معلوم ہے، اس نے ساتویں مرثیے کا سن تصنیف درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ میں زندہ تھا، مزید برآں اس کے ہمعصرین نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ہاشم علی کے دیوان میں دو دفعہ اس کا نام آتا ہے، ایک دفعہ جب کہ وہ زندہ تھا اور دوسری دفعہ جب کہ وہ مرچکا تھا گو لکنئہ کے شاعر مرزا نے بھی اس کو مرحوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرثیہ ۶۰ سے قبل اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہاشم علی کے شعر سے اس کے دکنی ہونے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ وہ اس کو دکن کا بڑا شاعر مانتا ہے لیکن غلامی کی طرح قادر کے بھی وطن کا حال معلوم نہیں، شاید اس کا وطن حیدرآباد تھا۔

پندرہویں مرثیے سے قادر کی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے، اس میں اُس نے اپنی علم نجوم اور علم ہندسہ کی قابلیت کا ثبوت دیا ہے، بہت علمی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں اور واقعات کو ایک نجومی کے زبان سے کہلوا یا گیا ہے۔ یہیں شک نہ ہو کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور و مقبول صنف تھا، اڈنبرا کی بیاض میں اس کے، امرتھی موجود ہیں جن میں ۲۰ اشعار ہیں، تسلسلہ نگاری سادگی اور انسانی جذبات کی ترجمانی کے لحاظ سے وہ بہت اہم ہیں۔ موثر اور جذباتی اسلوب بیان اسکی خاص خصوصیت ہے! وجود حقیقی اور فنی مرثیے ہونے کے اُس کے کلام شاعرانہ خصوصیات کا فقدان نہیں ہے۔

نثر نگار

یورپ کے کتب خانوں میں قدیم اردو نثر کی بہت کم کتابیں محفوظ ہیں اس مجموعہ کے دور سے متعلق نثر کی کتابیں ضرور ملتی ہیں لیکن وہ اس قدر ناقص اور غیر مکمل ہیں کہ ان کے سن تصنیف اور مصنفوں وغیرہ کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ نہ پاروں کے سلسلے میں دو تین ایسی کتابوں کے انتخاب یس گے جن کے مصنف کے نام معلوم نہیں۔

حیدر آباد آنے کے بعد بھی اس دور کی کئی اردو نثری کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا لیکن ان میں سے اکثر خشک مذہبی موضوع پر تھیں اور بہت سوں کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

حکیم شمس اللہ قادری نے دو مصنفوں کے حالات اپنی کتاب میں پیش کیے ہیں لیکن چونکہ راقم کی نظر سے دو کتابیں نہیں گذریں اس لیے انہیں کی معلومات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ شاہ محمد

پورا نام سید شاہ محمد قادری ہے، یہ مصنف راجپور کے خاندان نور در باب کا بانی ہے وہ بیجا پور کے مشہور اناپور داز اور صوفی شیخ امین الدین اعلیٰ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ قادری نے دکنی زبان میں بہت سے مذہبی خیالات لکھے ہیں جن کا موضوع بالعموم

صوفیانہ ہے۔ اردو سے قدیم کے مصنف نے اس کی دو کتابیں لکھی ہیں جن میں وحدۃ الوجود اور تفسیر
کے مایل سے بحث کی گئی ہے۔

۲۔ سید شاہ میر

اسی دور کا دوسرا شاعر سید شاہ میر ہے جس کا تعلق قصبہ راجپوتی سے ہے، اس کی کتاب کا
نام اسرار التوحید ہے جس میں مایل توحید پر بحث کی گئی ہے غالباً سالہ تاج (مسجد راجپوت)
کے مدیر کے خانگی مجموعہ میں یہ کتاب محفوظ ہے۔

اُردو شاعری



فہرست بلحاظ مضامین

نمبر	نام مضمون	نام مصنف	صفحہ	نمبر	نام مضمون	نام مصنف	صفحہ
۱	آغاز محبت	دجہی	۱۸۹	۱۵	جیت کا ہینہ	افضل	۲۰۰
۲	مجلس عیش و طرب	"	۱۹۰	۱۶	جیشہ کی گری	"	۲۰۲
۳	عسریں	"	۱۹۱	۱۷	شہزادوں کی ذہانت	خوشنود	۲۰۳
		"	۱۹۱	۱۸	دنیا کی بیوفائی	"	۲۰۴
۴	مصنف کی سالگرہ	محمد علی قتب شاہ	۱۹۲	۱۹	پہلی ملاقات	امین	۲۰۵
۵	بلغ محمد شاہی	"	۱۹۳	۲۰	شادی	دولت	۲۱۸
۶	غنی سانولی	"	۱۹۵	۲۱	بیوی کا انتخاب	قلبی	۲۱۹
۷	غولیں	"	"	۲۲	صبر و شکر	"	۲۱۹
۸	ساجن کی یاد	محمد قتب شاہ	۱۹۶	۲۳	پریوں در دیوں کی لڑائی	منشی	۲۱۹
۹	خدا داد محفل	"	۱۹۷	۲۴	باغ کا سماں	"	۲۱۵
۱۰	منشد کلا	"	"	۲۵	جہاز کا سفر	"	"
۱۱	منزل	"	۱۹۸	۲۶	دواجی	کستی	۲۱۹
۱۲	ششخون	غوامی	"	۲۷	ایک شرقی بے تصنیف	"	۲۲۰
۱۳	ایک بد صورت شہزادی	"	۱۹۹	۲۸	دفا دار وحدت	غوامی	۲۲۴
۱۴	عذر دولت	مقتدی	۲۰۰	۲۹	عسریں	پہلوان	۲۲۵

نمبر	نام مضمون	نام مصنف	صفحہ
۳۰	عشق غائبانہ	ابن نشاطی	۲۲۷
۳۱	احسان مندی	نصرتی	۲۲۸
۳۲	کالی دھوپ	"	۲۳۳
۳۳	موسم سرما	"	۲۳۴
۳۴	بادشاہ کی فتح	"	۲۳۵
۳۵	دکھینوں در مغلوں کا	"	۲۳۹
۳۶	ایک سوکر	"	۲۴۲
۳۷	برسوں کا کام لحوں میں	"	۲۴۳
۳۸	نماز ٹوٹنا	شاہ ملک	۲۴۵
۳۹	حب وطن	طبعی	"
۴۰	سوال و جواب	"	۲۴۶
۴۱	غور و مشورہ	"	۲۴۷
۴۲	قابل دوستی	"	"
۴۳	عشرت مل	عبدلہ قطب شاہ	۲۴۸
۴۴	سوال و جواب	"	"
۴۵	انتخاب یار	"	۲۴۹
۴۶	سخن	امین	۲۴۹
۴۷	روح افزا الہدیہ کیا	فانز	۲۵۰
۴۸	بات چیت	"	۲۵۲
۴۹	ایک قدیم خط	لطیف	"
۵۰	شعری نتیجے	غلام علی	۲۵۴
۵۱	سلوک	جعفر	۲۵۷
۵۲	روح اورنگ زیب	"	۲۵۸
۵۳	مرثیہ اورنگ زیب	"	"
۵۴	ہجو خدایار	"	"
۵۵	نخستی	ہاشمی	۲۵۹
۵۶	ایک جانور کا ایضاح	ضعیفی	۲۶۱
۵۷	امام حسین کی تیاری جنگ	شاہ محمد	۲۶۳
۵۸	حکایت راجہ	وجدی	۲۶۵
۵۹	حکایت عاشق	"	۲۶۷
۶۰	ایک غلام کا فخر	اشرف	۲۶۸
۶۱	شہید کر بلائے غم	"	۲۶۹
۶۲	حضرت شہید بانو کا بین	"	"
۶۳	فراق کجرات	ولی اورنگ آبادی	۲۷۰
۶۴	شہر سورت	"	۲۷۱
۶۵	عرس شاہ وجیہ الدین	"	۲۷۳
۶۶	ایک مافوق کا عشق	"	۱۷۵
۶۷	عاشق کی اہم آرزو	"	۲۷۶
۶۸	غزلیں	"	۲۷۷
۶۹	امام حسین کی شہادت	ولی ویلیوری	۲۷۸
۷۰	قیامت	شاہ محمد	"
۷۱	نیکی و بدی	"	"
۷۲	ایک نجات آمیز خط	عشرتی	"
۷۳	ایک سنیاسی راجہ	"	۲۸۲
۷۴	نہانے کی دعوت	"	۲۸۴
۷۵	میدان خیال	"	۲۸۵
۷۶	دعوت	"	۲۸۶
۷۷	سوم کا بچہ	قیاسی	۲۹۰
۷۸	ایک دہناؤ بہن	ہاشمی علی	۱۹۳
۷۹	بچے کا غم	"	۲۹۴

نمبر	نام مضمون	نام مصنف	صفحہ	نام مضمون	نام مصنف	صفحہ	
۸۰	اصغر کا ماتم	ہاشم علی	۲۹۵	۹۹	پڑمردہ پھول	روحی	۳۱۳
۸۱	بی بی فاطمہ کا بین	"	۲۹۶	۱۰۰	مرثیہ	نظر	۳۱۵
۸۲	غم کے بادل	"	"	۱۰۱	غم شاہ عالی	قادر	۳۱۶
۸۳	ابن عم کی جدائی	غلامی	۲۹۷	نشر			
۸۴	شہر بانو کا الم	"	۲۹۹				
۸۵	لڑکی کی ضد	"	"	۱۰۲	معرفت کے پورے	خواجہ بندہ نواز	۳۱۹
۸۶	الوداع	مرزا	۳۰۲	۱۰۳	ایمان	"	۳۲۰
۸۷	دنیا کے غم	"	۳۰۳	۱۰۴	لوازم عشق	شاہ میراں جی	۳۲۱
۸۸	ایک مسافر قیدی	کاظم	۳۰۴	۱۰۵	نبی اور ولی	وجہی	۳۲۲
۸۹	خبر پوٹلی ولی	"	۳۰۵	۱۰۶	"	۳۲۳
۹۰	مرثیہ	ذوقی	۳۰۶	۱۰۷	طالب تحقیق	شاہ امین الدین علی	۳۲۴
۹۱	امام حسین اور شہر بانو	"	"	۱۰۸	مصنوعی عورت	طوطی نامہ	۳۲۵
۹۲	ظلم دشت کر بلا	رضی	۳۰۷	۱۰۹	موسیقی	"	۳۲۶
۹۳	میرادل	"	۳۰۸	۱۱۰	مرد اور عورت	"	۳۲۹
۹۴	ماتم امام زادہ اصغر	بنیم	۳۰۹	۱۱۱	نماز ٹوٹنا	ترجمہ شریعت نامہ	۳۳۱
۹۵	بی بی فاطمہ غم میں	"	۳۱۰	۱۱۲	آدمی اور لباس	اخلاق ہندی	۳۳۳
۹۶	صغر کی ماں	سہرٹ	۳۱۱	۱۱۳	دو مصور	"	۳۳۵
۹۷	نئی طبع کی شادی	سید	۳۱۲				
۹۸	مرثیہ	امامی	۳۱۳				

۱۔ وچھی گولکنڈہ

۲۔ محمد علی قطب شاہ، گولکنڈہ۔

۳۔ محمد قطب شاہ گوگلکٹ ڈہ

۱۔ ساجن کی یاد، شعر دیوان محبوب الزمن صفحہ ۳۷، ۲۰۳۲

۲ دنیا کی بیونانی ۵ اشعر ہشت بہشت برٹش میوزیم ڈیٹیل نمبر ۱۰۵۹ ورق ۱۴۶ ۶۴-۱۰۳۶

ہرین بیجاپور

۵ اشعر بہرام دیاو حسن برٹش میوزیم ڈیٹیل نمبر ۱۰۵۳ ورق ۱۱۳ تا ۱۳۱ قبل ۱۰۴۴ء

۹۔ رستمی بیجاپور

۱ پریوں اور دیودس کی لڑائی ۵ اشعر نقشہ تسمیہ انصاری کتب خانہ کلیہ جامعہ ثانیہ اوراق ۳۵-۳۴ ۶۱-۵۱
۲ جہان کا سفر ۹ " " " " ۵۰-۵۱
۳ باغ کا سامان ۶ " " " " ۴۶-۴۷

۱۰۔ قطبی گو لکنڈہ

۱ بیوی کا انتخاب ۱۰ اشعر تحفۃ النضاح کتب خانہ مولوی عمر یحیی صاحب ۱۰۴۴
۲ صبر و شکر ۸ " " " " "

۱۱۔ دولت بیجاپور

۱ شادی ۵ اشعر بہرام دیاو حسن برٹش میوزیم ڈیٹیل نمبر ۲۶۵۲۸ ورق ۳۳ ب ۱۰۴۴

۱۲۔ رستمی بیجاپور

- عۛا۔ غنوا صیٰ؄ گو لکنڈہ

- ہم، سلطان گولکنڈہ

- ۵۱۔ ابن نشاطی سرکشتہ

- ۱۶۔ نصرتی۔ بیجاپور

- | | | | | | | |
|---|---------------------|--------|----------------|---------------------|-------|-------------|
| ۱ | احسان مندی | ۶۶ شعر | گلشن عشق | برٹش میوزیم۔ ۱۰۵۹ | اوراق | ۱۰۶۶ م |
| ۲ | کالی دھوپ | ۱۵ | " | " | " | ۱۰۶۶ م |
| ۳ | موسم سرما | ۱۸ | قصیدہ علی نامہ | برٹش میوزیم اورینٹل | ۲۶۵۲۰ | اوراق ۳۲-۴۲ |
| ۴ | بادشاہ کی فتح | ۹۰ | " | " | " | " |
| ۵ | دکنہر دودھن کا پیکر | ۱۰۰ | " | " | " | ۱۰۶۶ م |

۶ برسوں کا کام لکھو ۱۰ شعر قصیدہ علی نامہ برٹش میوزیم آڈیشن ۲۶۵۲ ورق ۳۱/۳۲ ب ۱۰۰۶۱

۷۔ ایشاہ ملک - بیجا پور

۱ نماز ٹوٹنا ۲ شعر شریعت نامہ انڈیا آفس فارسی ۱۲۳۶ ب ۳ اوراق ۳۳/۳۴-۱۸۶-۱۰۰۶۱

۱۸۔ طبعی - گولکنٹ ٹرہ

۱	حب وطن	۴ شعر بہرام گل اندام برٹش میوزیم آڈیشن ۱۰۵۹۰ ورق ۴۱	۱۰۰۸۱
۲	سوال و جواب	۱۰ " " " " " " اوراق ۵۹-۶۰	"
۳	غرر و مشورہ	۵ " " " " " " ورق ۳۳-ب	"
۴	قابل دوستی	۵ " " " " " " ورق ۳۴	"

۱۹۔ عبداللہ قطب شاہ - گولکنٹ ٹرہ

۱	عشرت گل	۷ شعر دیوان محبوب الزمن	صفحہ ۷۸۲	۱۰۰۸۲
۲	سوال و جواب	۷ " " " "	"	۱۰۰۸۲
۳	انتخاب یار	۶ " " " "	صفحہ ۷۸۳	"

۲۰۔ امین - گولکنٹ ٹرہ

۱ سخن ۵ شعر قصیدہ بوشمہ مخطوطہ انڈیا آفس ۱۰۰۹۱

۲۱۔ فائز گوکنڈہ

- ۱ روح انس (پایا) ۵۴ شعر روضہ ارمہ در ریح انشا پیش ہو نیم۔ اور نیل ۲۷۱۶۔ اوراق ۷ اب تا ۱۲۔ م ۱۰۹
۲ بات چیت ۴۴ شعر ۴۴۱۶۔ اوراق ۷ اب تا ۱۲۔ م ۱۰۹

۲۲۔ لطیف گوکنڈہ

- ۱ ایک قدیم خط ۱۳ شعر تفسر نامہ انڈیا آفس فارسی ۲۰۳۶۔ ب ۱۰۹۔ م ۱۰۹
اوراق ۵ اب تا ۱۶

۲۳۔ غلام علی گوکنڈہ

- ۱ شعری نتیجے ۱۲ شعر پدموت انڈیا آفس فارسی ۲۷۲۷۔ ب ۳۷۔ م ۱۰۹

۲۴۔ جعفر علی

- ۱ ۱۱ حال دل (ملوک) ۳۳ شعر کلیات انڈیا آفس ۲۷۲۶
۲ ۲ مع اوزنگ زیب ۷ شعر ۷
۳ ۳ مرثیہ اوزنگ زیب ۷ شعر ۷
۴ ۴ ہجو مرزا خدایار ۷ شعر ۷

۲۵۔ اشمی

- ۱ ریختی ۳۱ شعر دیوان ریختی کتب خانہ امام محمد بن عباس قرینہ

۳۶۔ ضمیمہ

- ۱۔ ایک جانور کا بیان ہے ۳۷ شعر ۱۰ بیت ہندی کتب خانہ نواب غیاث جنگ پور ۱۰۱ م

۳۷۔ شاؤ خمد

- ۱۔ امام حسین کی تیاری جنگ ۲۷ شہ جنگ ۳۷ کتب خانہ مولوی عمر یاضی صاحب ۱۰۲ م

۳۸۔ وحیدی

- ۱۔ حکایت راہ ۳۷ شعر پنجویں باجیا کتب خانہ نواب غیاث جنگ پور ورق ۲/۴ ب ۱۱۱ م
۲۔ حکایت کشتی ۴۷ شعر " " ورق ۱۱۳ م

۳۹۔ اشرف گولکنڈہ

- ۱۔ ایک غلام کا فنز ۱۸ شعر جنگ مر حیدر برٹش میوزیم۔ اوئینٹل ۱۰۹۰ ورق ۸ ۱۲۳ م
۲۔ شہید کر بلائے غم ۸۰ " بیاض مرانی ایڈنبرا یونیورسٹی مرثیہ نمبر ۱۳ " م
۳۔ شہر بانو کا بین ۱۰ " " " مرثیہ نمبر ۲۱۶ " م

۳۰۔ ولی اورنگ آبادی

- ۱۔ فراق گجرات ۱۴ شعر دیوان محبوبہ انجن ترقی اردو اورنگ آباد صفحہ ۳۸ ۱۵۰ م

۱۱۵۰	صفحہ ۳۴۹	۱۰ شعر دیوان مطبوعہ انجمن ترقی اردو	شہر سورت
"	۳۴۱	"	۳ عرس شاہ وجیم الدین ۵۵
"	۳۱۱	"	۴ ایک مسافر کا عشق ۴
"	۳۲۰	"	۵ عاشق کا ایک اہم آرزو ۲۵ مصرعہ
۱۴-۲۶-۲۳	صفحہ ۲۳	۱۶ شعر	۶ غزلیں

امام حسین کی شہادت

۱	ایک محبت آمیز خط	شعر	چت لگن	کتاب خانہ نواب غلام حیات بہا
۲	ایک سیاسی راجہ	شعر	دیکھ تپنگ	"
۳	نہانے کی دعوت	شعر	"	"
۴	میدان جنگ	شعر	خیمہ درپن	"
۵	دعوت	شعر	"	"

۲۲- قیاسی

نمبر	تاریخ	موضوع	محل
۱	۱۹۴۲	موسم کا بچہ	۱۲
۲	۱۹۴۲	بچے کا غم	۱۳
۳	۱۹۴۲	اصغر کا غم	۱۴
۴	۱۹۴۲	بی بی فاطمہ کا بین	۱۵
۵	۱۹۴۲	غنم کے بادل	۱۶

۳۵. غنیمت

۱. ابن عم کی جدائی ۲۵ شعر بیان راثی ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۲ مرثیہ نمبر ۱

۲	شہر بانو کا الم	۸۔ شعر	بیاض مرثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۳	مرثیہ نمبر ۱۵۵	۱۱۵۰
۳	لاٹکی کی ضد	۲۵	"	"	مرثیہ نمبر ۹۹	"

۳۴۔ مرزا

۱	الوداع	۹	شعر	بیاض مرثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۳	مرثیہ نمبر ۱۶	۱۱۵۰
۲	دنیا کے غم	۷	"	"	"	مرثیہ نمبر ۲۱۲	"

۳۷۔ کاظم

۱	ایک سافر قیدی	۱۰	شعر	بیاض مرثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۳	مرثیہ نمبر ۶۶	۱۱۵۰
۲	نجر و علی دلی	۱۲	"	"	"	مرثیہ ۷۷	"

۳۸۔ ذوقی

۱	مرثیہ	۶	شعر	بیاض مرثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۳	مرثیہ ۲۱۳	۱۱۵۰
۲	امام حسین اور شہر بانو	۷	"	"	"	مرثیہ ۲۲۳	"

۳۹۔ رضی

۱	علم دشت کربلا	۱۰	شعر	بیاض مرثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۳	مرثیہ ۲۳	۱۱۵۰
۲	میرادل	۶	"	"	"	مرثیہ ۱۹۲	"

۴۰- ندیم

- ۱ ماتم امام زادہ صغر ۱۲ شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ مرثیہ ۱۲۳ ۱۱۵۰
۲ بی بی فاطمہ غم میں ۱۰ " " " " مرثیہ ۵۲ " "

۴۱- شرف

- ۱ اصغر کی ماں ۱۲ شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ ۱۱۵۰

۴۲- سیدن

- ۱ نئی طسج کی شادی ۹ شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ مرثیہ ۱۲۳ ۱۱۵۰

۴۳- امامی

- ۱ مرثیہ ۸- شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ مرثیہ ۱۲ ۱۱۵۰

۴۴- روحی

- ۱ پیر مردہ پھول ۶- شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ مرثیہ ۱۹ ۱۱۵۰

۴۵- نظم

- ۱ مرثیہ ۶ شعر بیاض مراثنی ایڈنبرا یونیورسٹی ۲۳۱ مرثیہ ۳۲ ۱۱۵۰

۶۶۔ قادر حیدر آباد

- ۱۔ نظم شاہ عالی ۵۔ شعر بیاض رانی ایڈنبرا یونیورسٹی مرثیہ ۱۲، ۱۱۵۰

نشر

۶۷۔ خواجہ بندہ نواز

- ۱۔ معرفت کے پرے ۴ اسطر معراج نامہ مطبوعہ رسالہ تاج حیدر آباد
۲۔ ایمان ۷ اسطر رسالہ بارہ مخطوط کتب خانہ نواب غیاث شاہ آباد

۶۸۔ شاہ میراں جی

- ۱۔ لازم عشق ۱۵ اسطر سب سے مخطوط کتب خانہ آقا حیدر حسن صاحب

۶۹۔ وجہی

- ۱۔ بنی اور ولی ۱۰ اسطر سب سے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد تصوف اردو ۱۹۵
۲۔ دنیا جو ٹپکے ۲ اسطر " " " " ۱۹۳

- ۵۔ شاہ امین الدین ۹ اسطر رسائل کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ
۱۔ غالب تحقیق

- ۵۱۔ میراں یعقوب ۷ اسطر شمائل الاتیقا کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد
۱۔ پچاسواں بیان ۷ اسطر (دوقی اللہ)

آغازِ محبت

از شہنوی قطب شترجی صنفِ وحشی

ایک نوجوان شہزادہ پہلی دفعہ محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ شاہی زندگی کے آرام و آسائش کے باوجود دنیا اس کی نظروں میں تنگ و تاریک ہو جاتی ہے۔ اربابِ نشاط اور مصاحبین کے جھگڑے میں بھی وہ خود کو تنہا پاتا ہے۔ اس کے بچپن کے دوست اور ہمراز اب اسے بھگانے اور اجنبی نظر آنے لگے ہیں۔ اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں اس کا رازِ فاش ہو جائے اور اس کے عشق و عاشقی کی خبر اس کے باپ تک نہ پہنچ جائے۔ دن تمام وہ تنہا اپنے مطلوبِ ہی کے خیال میں گزر رہا ہے اور اس کی کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جب کہ وہ اپنے دوست سے عالمِ خواب میں ملاقات نہ کرتا ہو اور نہ صرف رات ہی کے وقت بلکہ اپنے دوست کو دیکھنے کی خاطر وہ اب دن کو بھی سونے کا خواہشمند رہتا ہے۔

عشق کے ابتدائی مرحلوں پر اکثر شاعروں نے طبع آزمائی کی کوشش کی ہے جن کی فہرست میں وحشی کا یہ شہ پارہ اسلوب کی پاکیزگی، صحت خیال اور باریک بینی کے لحاظ سے ضرور ایک اچھی جگہ حاصل کر سکے گا۔ اس ٹکڑے کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ یہ اردو کے ان قدیم ترین ادبی کا ناموں میں سے ہے جو اس وقت محفوظ ہیں۔

نہ مہیں پر دے وہ نہ آسمان میں	رہیا شہ اسکی تار کے دھیان میں
گیا تمللانے بھوت دھات سوں	کہیا جائے نابات و وبات سوں
نہ یو بات ہر ایک کون فام ہوے	وہی جلنے جس پر جو یو کام ہوے
کہ ہیں چکے بنے ہو کہ ہیں چکے روے	کہ ہیں سہ پائے کہ ہیں سہ کھوے
اسی دھات دن رات رہتا اچھے	اپس میں اپنے یوں وہ کہتا اچھے
بھلائی پھیل دھن دو یوں شاہ کون	کہ لہائے جیوں کہہ با کاہ کون

کہ دو نار بھی خواب میں آنے کر
تو عاشق کون بن خواب بھی کی بٹھائے
نہ کچ اس کون آرام تا خواب تھا
کہ نزدیک نہیں ہے دو کونٹ نار
کہ میں پیو پیو کے کہ میں یار یار
جو مستان تھے دوں سو بشارتے
کہے شہ کون نزدیک یوں گئے کر
نہیں غم تجھے کچ توں بے غم ہو اچ
اُساں جو بھرتا سو توں کیا سبب
کس پاس ظاہر نہ کرنا بھلا
وہی جانے منج عشق جس کا ہے
دیوانا ہوا کر منجے بولے گا
کہ سمجھاؤں اب کس کون میں بول کر
کہ چکا لگا گئی سکی خواب میں
تفاضل کئے شاہ، ہو رچپ ہے
کتے کے پرت کے الالے ہیں یو
کتے کے اُسے عشق کا پیٹ ہوا

دٹھے ہو پھر سوے شاہ جائے کر
جو ہر بار یوں خواب میں یار آئے
پریشان حیران بے تاب تھا
لگیا شاہ اُساں ہرن آہ مار
کہ میں بے خبر زوے کہ میں ہوے ہشیار
یوں سطر باں سب خبردار ہوت
بھوت دھات سوں بات سمجھائے کر
کہ اے شہ توں جم شاہ خرم ہو اچ
بکچ کچ کون ہونا سو حاضر ہے سب
کھیا شاہ دل منج دھرنا بھلا
کسے کون کہ منج عشق اُس کا ہے
جلوئی راز یو باپ کن کھولے گا
نہیں بات کہنے کی یو کھول کر
اچھوں سرج پر، موج جیوں آب میں
جتا سطر باں شہ کون سمجھا کہے
کتے کے کہ مستی کے چالے ہیں یو
کتے کے اُسے کچ ادھٹ ہوا

لگیا جگ کرن سبو پر میں کا
کہ لالے کھلے سنبھلتان میں
اندھارا جو تھا سو گیا غٹ کر
کہ کھلیا کل بھول پانی سے
ذول شہ کون اس نار کا فام تھا
بھلا ہے جو گنج ہو اچھے گنج سے

چھپی رات اُجالا ہوا دیس کا
شفق صبح کائیں ہے آسمان میں
جو آیا جھکتا سورج واٹ کر
سورج یوں ہے رنگ آسانی سے
ہر ایک کون ہر ایک کچ فام تھا
کھیا شاہ اب حال میں منج سے

اپس میں اپنے منکر کچھ گوند کر
کہ دھرتا ہوں دل میں جکجک بات میں
نکوئی یار دلسوز محرم ہے منج
اپس سوں ایچ آج محرم ہوں میں
جسے اس زمانے نے یار ہیں
اُن کوں پتی بات بویا بجائے
پتیانا انوکوں کہو کیوں ککر
یو یاری میں کس دھات کا ہر اچھے
جکونی یار یاراں منے نیک ہے
نہیں بھائی میں ہوں نہیں مائی میں
جکونی گھر میں مشول اچھے یار سوں
جسے یار کا دھیان نہت یار ہے
کیا لوگ نزدیک کے دور سب
انجھو لالہ، نین پیالا ہوا

رہیا غنچے کے غنہ مکہ موند کر
کروں جا کے دو بات کس سات میں
نکوئی ہم نفس ہو ہدم ہے منج
اپس سوں لیچ آج ہدم ہوں میں
دغا باز عیباں چن ہار ہیں
انوکے کئے دل کون کھلیا جائے
کہ دل میں برے، خوب ہیں سوں پر
جو سوں میں شکر دل نے نہر اچھے
زباں ہو دل دو نو اُس ایک ہے
کہ طالب کون ہے لاٹ تہنائی میں
نہیں کام کی اس کون بازار سوں
دو عالم کی صحبت تے بیزار ہے
مدیم ہو مطرب پورے سب عجب
مدیم آہ، مطرب سونا لا ہوا

مجلس عیش و طرب

از قلم قلمی قطب مشتری مستفاد و جہی

نشہ کے عالم میں ایک نوجوان مجلس کا جو نقشہ ہوتا ہے اس کو ہر پیش کردہ دنیا ایک حوالی شاعر کا
کام نہیں۔ زبان کی نفاست اور حقیقت نگاری کے لحاظ سے وہ جہی کا یہ بکرا (مضامین کا آفری حصہ) اردو کے بہتر
شہ پاروں میں جگہ حاصل کر گیا۔ ان اشعار کے موضوع کی نسبت صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ ان میں گولڈنڈ
کے ملی عہد سلطنت محمد علی کے زمانہ شہزادگی میں سے چند پر لطیف لمحے دکھلائے گئے ہیں۔

شہنشاہ مجلس کیے ایک رات
بریک خوبصورت، ہر ایک خوش تھا
ہمایت کے کاماں میں جم جم ہے جوں
مدیم، ہو مطرب، سکر، ہمدار

وزیراں کے فرزند تے سب شکلات
سوہر ایک دلکش، ہر ایک دل ربا
شجاعت کے کاماں میں رستم ہے جوں
اسخے شہ سوں مکر یو سب ایک شہ

ندیاں تے مشول باتاں مئے
کہ دھرتی ہلے مست آواز سوں
تو پھر ان کون اس شوق تے حال کئے
سور لگاں پہ راگیاں جاتے اتھے
تو ریتیاں کو خوش کر گھڑی میں نہاں
ہوے مست مجلس کے لوگیاں تمام
خبردار یاراں ہوے بے خبر
گنوائے خبر مطرباں ذات کا
کیس کے اُپر ایک پڑتے کہیں
کیس کے سوپاداں اُپر ایک بات
کہ پانی پتے تھے شراب ہے گکر
گلے لگتے تھے مست ہو چھانوں سوں
سٹے مطرباں ہوش خوشی پاے کر
کراں پھرتے تھے دو دو مست ہو
کہ پیالہ منگے تو صراحی کون لیئے
(دقت ۴۸)

صراحی پیالے مے باتاں مئے
لگے مطرباں گانے یوں ساز سوں
جو مطرب وہ صحرایں اس دھات گلے
جھگھکاون دو شہ کون کھاتے اتھے
ندیاں لطافت میں جو چکھ آئیں
شراب ہور صراحی . نقل ہور جام
جو ہونی رات آدھی پہنچی دو پہر
سر گئے ندیاں طرزِ بات کا
رستے نہ خوبی جھگڑتے کہیں
لگے مست ہو سٹے مستی سنگات
سو یوں کچ وہ یاراں ہوے بے خبر
کیس کون بلا ایک ازمانوں سوں
بجاؤ جو کیس تو اٹھیں گائے کر
صراحی پیالے سوں ہمدست ہو
تیامت ساتی ہوا سدا گنوائے

غزلیں

از منو قطب مشتری مصنفہ وجہی

طاقت نہیں دوری کی اب توں بگی آمل ہے پیا
تج بن منجے جینا بھوت ہو تلے شکل ہے پیا
کھانا بروکتی ہوں میں بانی انجھو پیتی ہوں میں
تج تے بھڑکتی ہوں میں کیا بھوت دل ہے پیا
ہر دم توں یاد آتا ہے آئیں میں بھانا منجے
بر بارون خاتا ہے تج بچ تل تل لے پیا
منج تمیں تیش جلنے تج منج ظاہر لائے نہیں
منج دل خند صریا ہے تجس کیا منزل ہے پیا
قیو میرا میں سودل تج سات نہا کیوں تل
دنات میں میں ایک تل میں تج تے غافل ہے پیا

پو اپنے کون ملک آج میں بس پنے دیکھی ہو کر
جب پو چلتا سٹج منج تے سوتا ٹیو
ہاتھ بڑھا اپنا سارے منج جل جل لایا مارے
ناجاؤں سائیں کارے بھی اجنوں کیا کیا ہو کر
نا پوچوں بہن جو سے کب منا پو سوں ہوئے
عمر بڑا سب میں سوئے نا جانے کھو کو کر
کیڑوں برہا حال کی نین سکتی ہوں بھال سکی
اب کیونکر پاؤں لال سکی جو بیٹھی ہست تے کھو کر
یختا میں سہیل ہر زاد دل دے بڑا دھڑا
اس پو کوں اپنا کرنا اس چا پیو کوں کھو کر

اردو شہنشاہ



سلطان محمد قلی قطب شاہ

باغ محمد شاہی

از دیوان محمد قلی قطب شاہ

ذیل میں ایک طویل نظم کا مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ صنف کی قیاد انکلامی اور باریک بینی بغیر پوری نظم کے مطالعہ کے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ تاہم ان چند شعروں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک بڑا شاعر چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی کسی خوبی کے ساتھ شاعری کر سکتا ہے۔

محمد زانوں تھے بستا محمد کا اے بن سارا
دستے فانوس کے درمیانے تھے جوں جوت دیو کا
بے دم عیسوی دایم جہن میں گل لگانے میں
شکر سے باغ کوں دیکھت کہلے منج باغ کے غنچے
جہن کے پھول کہلے دیکھ سکیاں کا کلمہ یاد آیا
دستے ناسک کلی چنیا جواں دو بات میں تیرے
سو خوشے داکھ لاکھاں کے ثریا سنبلے جوں
اناراں میں ہے دانے سوجوں یا قوت تبلیائیں
کہجوراں کے دیں چھونکے کہجوں مرجانی کے بچے
دیں ناریل کے پھل یوں زمر درتیا ناں جوں
دیں جاموں کے پھل بن میں نیلم کے من سلیم
صفت کرنے کوں سوسن بی کہلیا ہے دینا بے
جہن آواز سن بلبل ایس میں آپ الاہ میں
دکھت مکہ مست ہو دشتک بجادیں بات آواز
انگٹاں آپ انگٹاں سولہ پس میں آپ ملنا ہیں

سوطوبان سوں سہاتا ہے جنت نمنے جہن سارا
سوتیوں دتادو (۱۱) لال میں تھے میوایں کا بدن سارا
ہرے نہالاں کے جلو سے تین مشاطا چو یوں سارا
سواس غنچے کے باساں تھے لگیا جگ ملکن سارا
سہاتا تھا محمد پھل من ان (کا) نین سارا
بھنور تل دیکھ اس جاگا ہوا حیران من سارا
ہے اس را کہ منڈ واسو جیسا سبز کہن سارا
ہر ایک پھل اس اناراں پر ہے سکے تین سارا
سپاریاں نعل خوشے جوں دیں دن ہو زین سارا
ہو اس کے لاج کوں کہتا ہے پیالا کرو کہن سارا
نظر لاگے یوں میوایں کوں رکھیا ہو جہن سارا
دکھن سب سندریاں کے تیں کھلیا ترس نین سارا
سولت آواز سوں مورال کریں رقصاں اپن سارا
سو ڈالیاں ڈولتے ہو متوال میں پھول ابرہن سارا
متنہا کا متن نا چیں ہوئے تن عن متن سارا

نھنی سائولی

از دیوان محمد قلی قطب شاہ

ایک بادشاہ اپنی محبت کا اظہار شاعری کے ذریعہ کرتا ہے۔ مصنف کی آپ بیتی ہوئی کہ جس سے یہ نظم زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔

نھنی سائولی پر کیا ہوں نظر
تراقتہ سرو بکھلے جب چھند سوں
پون سیتی ہت راکھی ہے آپ کر
میں اس نور سوں لبدایہوں کیا عجب
تو دوری ڈراوے منجے دور تھے
معانی کے باتاں تھے جھڑتا نک

خبر سب گنوا کر ہوا بے خبر
دسن جوت منج کوں دسن جوں مشر
سورج چند منج جھمکے دوزر کسر
دو جگ روشنی پایا کس نین خبر
دو کیا بوجھے مودل میں ہے تو نگر
جی چاکھے کہے ہے نک سوں شکر

محبوب الزمن ص ۷۹

تین غزلیں

از دیوان محمد قلی قطب شاہ

محمد قلی کی غزلیں خصوصیات کے لحاظ سے زیادہ ترویجی کی غزلوں سے شاہ ہیں۔ گواہوں نے فارسی طرز کی غزلیں بھی لکھیں لیکن ان کے حقیقی شہ پارے ان کی ہندی طرز کی غزلوں ہی میں ملے ہیں۔

غزل (۱)

گر جا ہے میگہ سر تھے تازہ ہوا ہے بستان
اے خوش خبر صبا توں لے جا جو ان قدان کن
او نو نبال پھولاں ہے جامِ خوں سو باو
کھنوز پر دے یوں منج خط عنبریں او
بے ہوش میوے دل کوں میٹھے او ہر جلائے

پھولان کی باس پایا بلسل ہزار بوستان
چیناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستان
نرگس اپس پلک سوں جھاڑو کرے شبستان
جوں سورا پر ہے بادل ریحان سوں گلستان
گلزار ہے عجب او دو لعل شکرستان

مجمع عشق کے گدا کوں اور نگ شاہی دیتا
روزِی ہو اقطب شہ تج عشق کا پیالہ
سب عاشقان منج انگے میں طفلِ جوں دستاں
بھرے ہیں ہر طرف توں جم شوق کے خستیاں
اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ ۲۴۱

غزل (۲)

پیالہ ج پیالہ پیالہ جانے نا
کبے تھے پیالہ بن صوری کروں
پیالہ ج یکتاں جیسا جانے نا
کھیا جانے ایا کیا جانے نا
کدہیں اس سے بل میا جانے نا
دوانے کو کچ پند دیا جانے نا
اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ ۲۴۲

غزل (۳)

اب مست اچھے دایم ہیں مست اچھے کا شنگار
عاشقِ اول تھے ہیں بہیں مرست ازل تھے ہیں
روزید کے عید آئے میں تاک شہ خراں کھائیں
منگتا ہے مدستاں کنے مد باج نین سکنا رہنے
ساقی پیالہ منج پلا پیالہ پینے ہوتا دلا
قلبا نبی کے آوار تھے - رحمت ہے نت کرار
ساقی صراحی نقل ہو پر پیالے سو مہنا کام ہے
نا آج کل تھے ہیں بہیں زارہ کونیں یہ فام ہے
صوفی چلے میخانے میں تبسج بات اب جام ہے
میخانے کے کوچے منے تو متقی بد نام ہے
اس پیو کوں تو لیا کر لیا جس پیو تھے مجمع آرام ہے
تو تج علی کے پیار تھے بلبل نوا انعام ہے
اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ ۲۴۳

ساجن کی یاد

از دیوان سلطان محمد قطب شاہ

سلطان محمد گو خدائی کی فکر کا شاہ عربیں۔ لیکن ان دونوں کی خصوصیات شعری بالکل ایک ہی ہیں گو
بھیجے کی داغی قوتیں اتنی وسیع نہیں تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چچا کی بعینہ تقلید کرنا سلطان محمد نے

اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ ان کے کلام کے حسب ذیل چار انتخاب انہی مسفتوں کو نظر کر گئے ہیں۔ جو محمد قلی کی شاعری سے متعلق بیان کی گئیں۔

چھبیلی سوں لگی ہے من ہمارا
صبروری کو نہیں ہے ٹھار دل میں
میا کرنا کرے معشوق اپنے ہو
بہنت کھیلے عشق کے آپسارا
بہنت کھیلے ہیں ہو رسا بخایوں
کہ اس بن میں ہیں یک تل قرارا
صبروری کیوں کرے سو کر ہسارا
کہونا کیا کرے عاشق بجارا
تیں ہیں جائز میں ہوں جوں شتارا
کہ اسوں رنگ شفق پائیے سارا

محبوبانِ رن ورق (۷۳۵)

خدا داد محل

از دیوان سلطان محمد قطب شاہ

خدا داد محل کوں محمد سنوارے
بہندی محل کا ہے اسماں جیلا
نہ اس جگ میں دیکھے کوئی ایسے محل کوں
تو اس میں جنت کے نگاراں نگارے
سورج چاند تارے سوں اس محلے سنگارے
مگر دہرت پر قدسیاں لیا کے ٹھارے

محبوبانِ رن ورق (۷۴۰)

ٹھنڈ کا لا

از دیوان سلطان محمد قطب شاہ

ہوا آئی ہے یکے بھی ٹھنڈ کا لا
بہن ناکے من پیا باج دیکھے
سجن کہ شمع باج او جالا نہ بھاوے
جورات آوے چندنی کے منج کوں شاد
نہی صدقے قطبا اندان سوں مل کر
پیا بن سنتا آمدن بالی بالا
ہو وے تن کوں شکہ جب ملے پو بالا
بھلا یا ہے منج جیو کوں او اجالا
کہ چند نامنجنے میں سوز لالا
اپس سائیں سوں پیوے جم مد پالا

محبوبانِ رن ورق (۷۴۴)

غزل

چلے چندنی میں جب لکک پیو ہمارا
بے جس ہیا میں پرت ہم سجن کے
جے سائیں کے عشق کا مد پیاسے
جکوئی مانے ہے سائیں کے حسن جہیتے
بیا نوز بستہ ہے منج دل جھمک میں
تسکی پیو چیتا لگیا ہے ہمن کو
نبی صدقے قطبا کا من تجھ سوں لاگیا

اونن عکس دیسے چندر تھے اپارا
بن اس کی پرت کچ نہیں اس پیارا
نکرسی ادسے ہو رستی اوتارا
اسے مائیں نہ پنتہ میں جگ سارا
کہ جس نوز تھے ہے سرج آشکارا
سجن بن نکر سے لے ہو کوئی نوارا
کہ اپ جیو میں تیرا کیتا ہے ٹھارا

محبوب الزمن ورق (۷۳۳)

کشت و خون

یعنی شاہ ریائے قلزم اور شہ پال کی لڑائی

سیف الملوک بدیع الکمال مصنفہ خواجہ گوگلکندہ

کشت و خون کے بعد رزم گاہ میں جو خونخاک سا پیش ہو جاتا ہے اس کی ایک علی درجہ کی شاعرانہ تصویر اس انتخاب کے مطالعہ سے ہماری آنکھوں میں بھر جاتی ہے۔

ہوئے جمع جنگی ہنسز براں تمام
یک یک جان یک کوہ یا برج جیوں
غضب ناک ہو جیوں انگے دل ہوئے
سلج پوش پولاد کے کوٹ جیوں
اوتالے ہو آفت بھرے عزم سوں
بھیا باؤ جیوں قہر کا شورسات
کئے قصہ لڑنے کوں دودھیر تھے
اوتھیا قل جسد ہر کا او ہر مار مار

قوی ہو رنوخوار امیران تمام
لے ہاتاں میں فتنے بھرے گزر جیوں
کلیجے پھاڑاں کے پھوٹ جل ہوئے
پر آشوب سمدور کی لوٹ جیوں
کھڑے آ کے میدان میں رزم سوں
شلت کی اگن سلگ اٹھی زورسات
زمانا ہوا تل او پر سیر تھے
قیامت زمین پر ہوا آشکار

جھلک دیک بھلیاں سی تر داری کی
 سٹے دہرت پر یوں منڈیاں کاٹ کاٹ
 جو دریا لہو کا ابلنے لگیا
 سراں تیرا اس لہو کے سمندر تھے
 دھڑاں سب نیٹ موج کی لوٹ مار
 بلایاں کی باناں کوں جیوں آگ لگ
 غضب پر غضب کا جو مارا ہوا
 دنیا غیب ہوئی اس دھولارے تلیں
 لیا گرد جا ڈال نپ اسماں کوں
 بڑا رن پڑیا سخت رگڑا ہوا
 اوراق (۱۱۶ تا ۱۲۰)

اوڑی فاختی سخت سینا رکی
 سوکس کوں سمجھتا تھا باٹ لگاٹ
 گلن اس پوکشتی ہو چلنے لگیا
 جو دستے تھے جیوں بڑے درختے
 تھے ڈبے نکلتے نہنگاں کے سار
 زمین ہو زراٹے کوں دیتاگ لالے
 سوایا بڑا کچ دھولارا ہوا
 گنواں تا گیا دلیں اندھارے تلیں
 دھنواں سانپ ہو ننگلیا بھان کو
 کہیں نیں سنا سولو جھکڑا ہوا

ایک بد صورت شہزادی

از سینف الملوک و بدیع الجہال مصنفہ غوامی گو لکندہ

ہمارے شاعروں نے صنف نازک کے حق واداکی اس کثرت کے ساتھ داد دی ہے۔ اور ہم ان کی
 بعض مناسب اور اکثر غیر فطری مدح مرثیوں سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اگر اب کوئی کسی بد وضع
 عورت کی خصوصیات پر ایک نظم لکے تو ہم میں سے بہت سے لوگ اس کو صحیح شاعری ماننے ہی کے
 تیار نہ ہوں گے۔

ذیل کے چند شعروں میں ایک ایسی شہزادی کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے یہ میر و نثر
 کڑا ہے۔ اہ جس کی خصوصیات اردو شاعروں کی بیش کردہ بہت کم شہزادیوں میں پائی جائیگی۔

کہ تم بڑ تھا اس کا سو جیون فیل کا
 انکھیاں ڈو گھیاں دو کہنڈے خار کے
 سر اس کا سو کالا رنجن نیل کا
 دو دپے بھتر جیوں پھتر گار کے
 اسے پیٹ لے سخت پیڑو بڑا
 نکل پیٹ لے گئے ٹینگ آجیوں گھڑا

مسل ہو کے دوڑی مٹھی رومالی
سو جہوں جھاڑ کی پیسٹ موٹی دست
گنڈا نیر مہوریاں میں تھے جیوں پڑے
تو لیا حلق میں انتریاں نکھاس جائے
ان آوے تو ترے پڑے آنہ کار

بوہی کھول جاری کی جیوں اوکھلی
لنگتی جو چسٹراں پہ چوٹی دست
سڑے خوی بنگاماں میں تھے یوں جھڑے
یوں سار اس کے جو تک پاس جائے
اگر لائیں جس شمار مشعل ہزار

(دورق ۴۶ ا-ب)

عذر و دست

از چند ر بدن ماہیار مصنفہ مقیمی

ذیل کے انتخاب سے جہاں میں قومی مناکست کی نسبت ہمیں آج سے دو صدی پہلے کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر قدیم زمانہ میں اچھے شاعر روزمرہ کی زبان اور محاورہ کو کس خوبی سے استعمال کیا کرتے تھے۔

منجے تجہ لطافت دیوانہ کری
اپس تے نکو دور جانے کے تئیں
کہ بن جل بھی کا سو جینا نہیں
توں کرنا عیتا پچ مری دلبری
دہریا میں اس کے قدم پر اونے
سمجھ کچ اپس کوں اے بڈول توں
کہاں رام سیتا مورک توں کہاں
کتا کیا موے توں دیوانا ہوا
اوٹھا دل میں عاشق کے دیں گد گلی

نر یک جا کو بولیا کہ سن اے پری
دیوانہ ہوں تیرا دیوالے کے تئیں
سو تجہ بن منجے کوئی ہونا نہیں
کتا ہوں تجہ میں کہ اے گن بھری
سوں یوں کہ ادب سوں نوڑ کر اونے
گلا اس سنا کر اٹھی بول یوں
ہندو میں کہاں اور ترک توں کہاں
کہاں میں چندر مان کہاں توں دیوا
جھڑک بول اس کوں وہیں پھر چلی

(دورق ۱۰۸ ب ۱۰۹)

حیثیت کا مہینہ

از بارہ ماسہ مصنفہ افضل

ذیل کے انتخابوں سے جہاں ایک وفا دار عورت کا اپنی پیار کے فراق میں رنج و الم ظاہر ہوتا ہے اس کا بھی اندازہ لگتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں دکن اور شمال کی اردو شاعری کے لفظی

خزانے اور محاوروں اور اسلوب میں کس قدر فرق تھا۔ اس نظم سے ایک طرف تو درد مند
طبیعیات متاثر ہو سکتی ہیں۔ اور دوسری طرف اردو پرسانی حیثیت سے نظر ڈالنے والوں کو
خاص خاص سبق حاصل ہوتے ہیں۔

سکھی رہے چیت رت آئی سو ہائی
بہالم پھولیاں پھلواریاں سب
رہے ہیں بھنور پھولوں کے گلے لاگ
نہایت درد دکھ ہم نے ہے رہے
سکھی دن رین مجھ ناگن دست ہے
میرے گل موں پڑی ہے پریم پالنی
ارے یہ عشق سوں ڈرتی پھردوں کے
کہ پہنچی سوں، لکن ہرگز نہ کیجئے
برس دن بھی پھر چلتا رہے نگا
جنھوں نے دل مسافر سوں لگا یا
ارے اے نین پرچین نارہے رہے
اگر میں جانتی یہ بے وفائی
ارے اس اگ نے رسوا کیا رہے
ہ میں عالم صبا بہر خداری
کہ تجھ کو لاج جگ کی کچ نہ آئی
ارنہ انجان کھائی میں دغا رہے
سجن اب گر کہی؟ کی لاج کر رہے
ارے بل بدہ تن موں نارہے رہے
مرے جیو کا بہر و سادہ نہ کیجھو
ارے یہ چیت رت چلتی رہے گی

اجھوں امید میری بر نہ آئی
کریں سیراں پیاسنگ نارباں سب
میرے سینہ جدائی کا لگا آگ
غم ہجراں مجھے ہر دم دے رہے
پھروں دوری تہامی جگ ہنت ہے
بھیا مڑنا مجھے اور لوگ ہانسی
نصیحت اپنے کوں آپنی کروں رہے
ارے دل دے ہزاران غم نہ لیجئے
سدا غم موں جگر جلتا رہے نگا
انھوں نے سب جنم روئے گزایا
مجھے سنگ لے پرائی بس پڑے رہے
خدا کی سوں نکر تی آشنائی
پیا کے عشق میں یہ جیو دیارے
پیا کوں جا سنا باتے ہاری
کرے دل لے ہن سین ہو فانی
کہ تج سین سنگد کوں دل دیارے
مردوں ہوں در غمت ملک آد گھر رہے
تہامی دیہ خاکستر ہے رہے
سویرے آئے کر دیدار دیجو
تین بن پرہے جلتی رہے گی

ارے بھادوں کہاں ساون کہاں رہے ملو کہ آئے کے منانی جہاں رہے

(ورق ۸ ب ۹)

جیٹھ کی گرمی

از بارہ ماسہ مصنفہ افضل

دیکھوں اب جیٹھ سوں دھوپاں پڑت ہیں
جھٹوں کے ہیں سکھی اس رت پیا گھر
ہمارے پانوںنگے دھوپ سر پر
ود پیری ایٹکی کیا دکھ بھرت ہوں
بھبھو لے سراو پر چھالے پگن سوں
اوٹھن بٹھین کی طاقت نارہی رہے
سکھی رہی، ی کہے جا دلہا سوں
کہ بارہ مانس بھی تم بن بہا بے
ترے غم نے پیٹ مجھ کوں دہارے
غمٹ سوں جان زتن باہر پڑے گا
جو اپنی عاقبت کی خیر چاہو

ہمیں حیران و سرگردان پھرت ہیں
اونھوں کوں سرد خانے ہیں مسر
پھروں ہوں دوڑتے پوئے باج گھر گھر
پیا کی جستجو بن بن کرست ہوں
پھپھو لے ہو چلے سارے بدن موں
نجانوں جان بتن کب لگ رہی رہے
ستگر پر جفا ی و بے وفا سوں
ارے ظالم کہو تم کیوں نہ آئے
یہ مکسے جیوں لبوں پر آرہا رہے
کہو یہ خون کس کے پر پڑے گا
رخ جان بخش کوں اپنے دکھاؤ

(ورق ۹ ب۔ اندیا آسن فارسی (۱۲۳۳)

(ورق ۷ ب۔ " " " (۱۲۳۳)

دنیا کی بے وفائی

از بہشت بہشت مصنفہ ملک خوشنود

تنو ملی طبیعت رکھنے والوں کے لئے یہ نظم یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اور اخلاقی نکتوں کے مد نظر بھی اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

عجب بے مہر دنیا بے وفا ہے
جسے ہیں دوستانِ فرزند ساقی
پنچھل نیکی کے گھر کا دال بنیا د
نکر ایسا بدی جو سر دھناوے
لے ہے باپ بھائی سب مرا ٹی
کہاں دارا - سکندر شاہ کیانی
کہاں خسرو کہاں اور ستم زال
جداں لگ ہے سکت ہاتا سے زور
چلے جوں نیک مرداں چل تو خوشنود

محبت عین اس کا سب جفا ہے
سکل ہے گور لگ او سب سنگاتی
ترے بعد از کرے سب خلق تجھ یاد
موے پیچھے ترا کوئی غم نہ کھاے
وے کوئی گور میں ہرگز نہ آسی
کہاں حبشید جم - حاتم دورانی
سنیا نوشی راں کا کیا ہوا حال
تداں لگ سب اچاے دوستاں شور
خدا حاصل کریں گھا - دل کا مقصود

(ورق - ۹۱۷۶)

شہزادوں کی ذہانت

از بہشت بہشت ملک خوشنود

ذرا ذرا سی باتوں سے بڑے بڑے نتیجوں تک پہنچنا ہر آدمی کا کام نہیں۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک غیر معمولی ذہانت کی تخلیق عام انسانوں کے لئے اس وقت تک ناقابل وثوق رہتی ہیں جب تک کہ ان کی اصلیت کے ثبوت چاند اور سورج کی طرح ظاہر نہ ہو جائیں۔ ذیل کے قصے میں شاعر چند ایسی ہی ذہانتوں کو پیش کرتا ہے۔ اس قسم کے ایک دو قصے ہماری آج کل کی انگریزی نصابی کتب میں بھی نقل کئے گئے ہیں لیکن یہاں جو تفصیل شعری ملاوت اور فسانوی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس سے اس طرز کے جدید قصے محروم ہیں۔

اتھا مشہور اد جوں سور مد بھتا
نہ تھا دنیاں میں اس کا کوئی ثانی
اسے منصب دلاوے سروری کا
بزرگان سات ملنے کا ہو سر تھا

اول کے دور میں یک بادشاہ تھا
اتھا عاقل حستہ پر دستہ گیانی
گن ایک جس میں دستہ دانشوری کا
عجب خوبی کا دل میں رنگ رس تھا

کیسے ایک عاقل ہو خسر مند
 نہ تھے عاجز ہر ایک حکمت کے فریش
 کہ جیوں دانا فلاطون بوعلی تھے
 جدا ہر ایک جوان کون شہ بولایا
 جو ہے کل جگ کا یو کھوٹا زمانا
 کروں گا کون کہتا بادشاہی
 کہ توں عاقل سخی عادل ہنر مند
 خدایا کون کیا ہے دستگیری
 سکل خوبی سوں رکھ توں مرغ و ماہی
 جہاں کا خلق سب خوشنود تجہ سوں
 جکوئی دانا ہے اس کو دے وزیری
 بہادر پادشہ کا نیک فرزند
 جداں لک ہیں عرش کرسی چارے
 اچھے تجہ شاہ کا عالم سپاہی
 بغیر از تجہ ہنیں کس کوں سزاوار
 ندے سے بادشاہی کوئی گداکوں
 بغیر دانا اسے جینا حرام ہے
 ستارے تیوں جس میں دتے ہیں نور
 خضر کا تجہ اچھو جسم زندگانی

اتھے اس شاہ کوں سب تین فرزند
 تو نگر علم ہو رہے مال و ہن میں
 سکل عاقل ان کے جیوں قلی تھے
 بچاؤ کیا نول شہ دل میں لایا
 کھیا ہر ایک جوان کوں آزمانا
 دہروں گا کون کہتا ہے سیاہی
 بڑے فرزند کوں بولیا خرد مند
 جوانی سے دیا حق منج کوں پری
 بہت عاقل ہے کہ توں بادشاہی
 جو راضی جم اچھے معبود تجہ سوں
 ضعیفاں کوں بہت کر دستگیری
 دہر یا سر پھین کیا دانا خسر مند
 جداں لگ ہے گلن پر چاند تارے
 تداں لک کر توں جگ میں بادشاہی
 محب یو تخت افسر تخت ہمشیار
 تو نگر کوئی نہ کہے بے نوا کوں
 اگر نادان کوں جینے سوں کام ہے
 جھلکتا ہے جہاں تجہ سار کا سور
 بہت جگ راج کر ہو رشا دانی

کیا دل میں کہ ہے یونیک کردار
 وے ظاہر غضب کر بھار بھایا

صرا سر آرمایا شاہ گفتار
 کیا دل میں خوشی جب آزمایا
 لہ پھر کہا

دوسرا فرزند

اتھا فرزند دو جاہل بلایا
 بہت افسوں گری سوں دل بھولایا
 سوالات جو کیا شاہ خردمند
 کھینچا جو توں کہے سو میں کروں گا
 دے یوں بادشاہی تجھ روا ہے
 اتنا کاں زور ہے بندے کے دم کوں
 فلک بے مہر گرتج سوں پھرے گا
 کیا میں کوئی ابد لک زندگان
 اگر ہوئے کہ ہیں تو شاہ راضی
 بڑے فرزند کوں دے تخت گیلی
 بڑا بن نا چڑے معراج پر کوئی
 بندیا سہ کانت دے دو چاند یک سر

تیسرا فرزند

کیا شہ رخ جد ہر تھا خور و دانا
 لکھا شہ بھوت چھند سوں آزمائے
 دیا جواب اے شاہ سبحانی
 جب اس فرزند کوئی شہ آزمایا
 بادشاہ کا عتاب

کھیا شہ تین گوہر ہے شہ فنا
 ہوا خوش حال اپنے بڑے پر سوں
 دے فرمان دیا تینو رتن کوں

کنک دل کا خوشی سوں آزمایا
 دے ذرہ خط اس میں نہ پایا
 جواباں سوں کیا فرزند زبان بند
 ترا فرمان میں سر پر دھروں گا
 جکوئی دو جانگے ادنا سناہت
 دہرے کا تخت پر جیو کے قدم کوں
 کیا دسریاں سوں دوں تج سوں گلیا
 دفا کس کوں کیا دنیا لے فانی
 کرے دے تخت جاگ میں سرفرازی
 ترے بعد از کریں گا جاگ نوزانی
 نہ تھا موتی نہ رکھ سے تاج پر کوئی
 حصوری تھا نظر سوا اس کیا دور

کیا جن عقل میں جاگ کوں دوانا
 کنک جیو کا کسوٹی پر لگانے
 کہ طفلان سوں نہ ہو سے کاروانی
 بہت کج شادمانی دل میں پایا

رتن جوں کہان کے شہر سوں پاک
 کیا سجد خدا کوں تخت پر سوں
 نکل جا دو تیس ہریک پٹن کوں

یہاں لک ہے مراسب مرغ و ماہی
رہیں گے واں تو ماروں خوار کریں
شہزادوں کی صحرا نوردی

کہے جب بات اس شہ کی پیادے
بندے تو شہ چلے سٹ طمع گھر کا
گئے جب شاہزادے شہرسوں بھار
چلے ہر شہر میں آوے سو سینے
انتخاب مغز سر میں سروری کا
ہر یک شہ کے نگر میں یو دلبر اں
ہو ایک دن قضاے آسمانی
جوں یک شہر کے نزدیک آئے
اتھا اس شہر کے نزدیک جنگل
یکایک ایک زنگی دوڑ آیا
ہتے سب تھا ستے سن اس کے بانگ
لھوے کی کان میں یک باؤلی تھی
ہندیا تھا جھاڑ کے جو گرد پاتاں
اتھا بد شکل کالا جوں سیاہی
کیا اے سور بیٹے سور زادے
میرا یک اونٹ اس باٹوں گیا ہے
گیا ہے کاں اگر بوئے تو جانوں
شہزادوں کا جواب

کیا اس تین میں کا یک خرد مند

جہاں پھرتا ہے منج شہ کا دورانی
سیاست کر دہروں کا دار پر میں

سیاہ پوش ہو چلے او شاہزادے
تماشا دیکھنے سب جسروہر کا
بغیر جنگل بھاراں کوئی نہ تھا ٹھار
خرا بے میں کہیں جوں شیر سوئے
وے کپڑے ہنسر سوداگری کا
چلیں بکری او پر جوں مست شیراں
چلے یک ٹھار مل یو یار جانی
بندے گھوڑے و اں آرام آئے
رہے اس بن میں یوں جوں مست جنگل
کہ جوں شیطان اپنا مکھ دکھایا
رتن زنگی کے جوں گاڑی کے چاکان
مسلسل پیٹ پر رومالی تھی
ہتی کے دانت سوں کچ کم تھے دانتاں
دیکھت شیطاں ڈرے ہو مرغ و ماہی
ہر یک جوں چاند ہے یا شاہزارے
نشان دیو تو منج پر لک میا ہے
بھینے کا خبر یک پل میں لاؤں

جو تھے عادل ہنر مند شہ کے فرزند

کیا ایک آنک اس کا کور ہے او
 جو اس کے موسے یک دانستہ کہ ہے
 دے اس اونٹ کا ایک پانوں لگا لیتے
 گیا ہے اونٹ تیرا بیگ جاتوں
 ڈھونڈ نہا رے کوں جانو جو آیا
 چلیا ہوں شاطر اپنے کام کوں او
 پون سوں جوں سرود لیا چمن میں
 قدم پر دھر قدم چلتے اسٹے نرم
 اتھا ایک باغ نا در صاف پانی
 ہوا ہور چھانوں جو نہ ہر بھول بن تھا
 جو یک یک کوس دوڑیا چھانوں اسکا
 بندے گھوڑے وہاں ٹک سکھ سوں سو
 خوشی کوں یاد کر غم کوں بسرے

بہت کچ شور ہور غوغا اچایا
 زبان کی تیغ کوں پانی دلا کر
 جہاں بولے تھیں دیکھا او دہر میں
 نہیں دیکھا ہوں کانٹے سخت تھارن
 بھریا ہر بال میں سب درد اس کا
 اوڑیا کیا کھن اوپر با تھیں چھپایا
 جگہ سمجھیا ہوں میں سونا چھپا نا
 شہد کا اس طرف لا دیا مرتبان

کیا دانا شتر در زور ہے او
 کیا دسرا حشر کہنا و ہرم ہے
 کیا تہرا جو عارف رنگ رنگ ہے
 دے ہر ایک جواب اس بات دھاتوں
 ہر ایک عارف بچن جب یوسنایا
 پون یتوں میں دکتا کام کوں او
 بلوں دل تے چل جانا سو بن میں
 چرن کے او ترنگ کرتے نہ تھے گرم
 چلے آئے وہاں یوتین گیا نی
 ویسا یک جھاڑ او پنا جوں گلن تھا
 بیگ طوبا لگر تھا نام اس کا
 کچ یک کھائے ہے مکہ بات دھوے
 ہوئے ہشیار سوں بھی بات کرتے
 رنگی کی وانسی

گیا سو ساربان پھر پھر کر آیا
 غضب کی آگ کوں روشن کر آکر
 کیا دو کوس دوڑیا ہوں ایدہر میں
 نہیں دیکھا ہوں بچھو سانپ جھاڑاں
 دے دیکھیا نہیں میں تگر داسس کا
 پون یتوں میں بھوت جلدی سوں دھایا
 کیا جانا میں کا یک جوان دانا
 گھڑا گھو کا بھریا ہے اس طرف جان

کیا دجا کہ اس پر استری ہے
کیا اترا جو ہے او پیٹ سوں نار
یو چوری کا شبہ

نشانیاں تھے جتے پایا او زرنگی
نہیں سمجھا اونن میں ہے امیری
کیا یو چور ہیں دستے بھلے یو
ترنگ مانک رتن کس کا جو پاویں
سیٹھے باتا سر کرتے دنوازی
عرامیں کماں پچاٹے ہو سیناسی
بڑے ساحر برے ہیں چور سر زور
زباں کا کر ڈنہڈورا سٹورا دچا یا
لے لے نمون سب خلق سارے
کنک کہتے آتے ہیں شاہزادے
کہے سب مل کہ تینو کوں جکڑ کر
جب آئے شاہ کن تینو جواناں
کیا تو ساربان سب کن کے دھاتاں
سکل باتاں لول شہ کن گیا او
کیا تینو کوں شہ یو حال کیا ہے
شہزادوں کا جواب

دعا اول کئے او تین یاران
جداں گب رات دن ہے مرغ ماہی
جداں گب ہے دہرت ہوا سور کا نور

چستہ باغ ارم کی شہری ہے
شکم کے بھارسوں ہوتا ہے آزار

کیا ثابت اونن پر او کرن کی
ہلوں آکر کیا او خوردہ گیسری
بشر کے کاٹتے پھرتے گلے یو
او جوں سُرمانین میا نے چھپاویں
ٹہر پنتی نمون دیتے ہیں بازی
جنگل میں خلق کوں دیتے ہیں ہانسی
چرامردہ کفن خالی کریں گور
تماشا دیکھنے سب خلق دھایا
اتھے جویں چاند میا لے او پچارے
لک کہتے کہ ہیں یو چور پیا دے
لیجا توں شہ گنے سب کوں پکڑ کر
نظر کر خوب دیکھیا شاہ دانا
نشانیاں اونٹ کے بولے سو بااں
جگا کہنا اتھا کہ چپ رھیا او
کہو اس بات کا احوال کیا ہے

جو اپنے ملک کے تھے تاجداران
تماں لک کرتوں جاگ میں بادشاہی
اچھو ج شاہ کا یو ملک مہمور

جہاں کے فیض سول ہیں پے نصیبان
ریاضت کی گلے میں کہاں پھانسی
عجائب ہو غرائب بحسب و برکا
طبع کا نین ہمارے پاس تو شہ
جوشم کے شہر کے نزدیک لایا
ڈرے جھل کے سارے میخ و ماہی
درتے راستی کے خوب کھولو
کہے ہنستے، لگیا بدنام کا داغ
انہیں دیکھ سو ہاتھ جھوٹ بوی

انہیں دیکھے سو بوسے کیوں نشانی
سنوں گا جو کے دوکان سوں میں
نشانی کیوں کہے اس کے برن کا

کہے بندے ہمیں ہیں شاہ کے خاص
کیا میٹھے بچن سوں نیک گفتار
ترنگ جم دان مگر ملتے ہے توں
سج اس اونٹ کے اس دھات پر سوں
جہاں تاں یک طرف اکثر چرایا ہے
جو چرنا یک طرف کا سخت ہے زور

کیا میں اونٹ کا یک پانوں پر لنگ

ہمیں تینو مسافر ہیں غسر یہاں
بہت برسوں کے پھرتے ہیں اداسی
ہمیں دیکھے تماشا بنگر کا
ہمیں ہنا کوں بھاتا شہر گوشہ
خدا کا ہے بہت ہنا پوسایا
اول آیا یوزنگی جوں سیامی
کیا دیکھے تو میرا اونٹ بولو
ظرافت کا اوڑاے ماں سوں زراغ
گنہ کی تو لگی ہنا کوں جھولی
بادشاہ کا حکم۔

غضب میں آگیا تو شاہ گمانی
کہو یک بار قصہ دھیاں سوں میں
جو کوئی صورت انہیں دیکھے ہرن کا
شہزادوں کا جواب

کے سجدہ دکھائے خاص اخلاص
ان میں کا چتر یک مرد ہشیار
بہت یک راج کر چتر سے سوں
کیا یک بات پھر انڈھلا سوں میں
جھاؤ گشت جنگل میں کر یا ہے
بدیا میں نقش اکثر اونٹ ہے کہہ
دوسرے کا جواب

کیا دو جا کہ سن اے نیک فرہنگ
شہ پر عہ کہا ہے جتنا شہ کہا۔

چلیا تھا پاؤں گھوار اسما سبانی
سمج اس بات پرسوں میں جو بولیا
تیسرے شہزادے کا جواب
جو تھا تسرا چتر عاقل خرموند
کیا^۱ او شاہ کا سن خوش زبانی
دسیا منج ایک ٹھار او اونٹ آیا
جو گال اس کا پڑیا تھا ایک کنارے
کیا میں یو سمج توں شاہ جم ہے

سنا سب بات بولیا شاہ دلدار
وے بولے تھیں بھی تین باتاں

کیا اول جو قصہ شہد گھیبو کا
اتھا او یوں زمین کے خاک او پر
لکھیاں بھی یک طرف تے شورا چلے
اتھا دو بجے طرف چٹیاں کا تو ندل
جد ہر چٹیاں اتھیاں سمجھا کہ گھیبو ہے
جد ہر لکھیاں اتھتے بولیا شہد جوہی (۹)

کیا^۱ دو جا جو بولیا مہ پری ہے
دسیا منج یو جو بیٹھا اونٹ کنانی
جہاں بیٹھا اتھاسند اونٹ بھاری
سہ کہا تہ جزے

دیا منج ریت پر اس کا نشانی
کہ جیوں غایب چتر شطرنج کھولیا

کیا^۱ تھا دانت یک کم ہے ہنرمند
کیا عرفان سوں گوہر نشانی
وہاں کے شاخ پات او توڑ کھایا
بہت پاتا درختے تھے اس میں سارے
جو اس کے موں منے یک دانت کم ہے

کہے ہیں یوں سمج یو تین گفتار
کرد اظہار اس باتاں کی دھاتاں

سمج بولیا چھپا سو راز جیو کا
پڑیا تھا منج شکل خاشاک او پر
زرہ پوشان بن جوں دل پودھلے
پون کوں تل نہ تھا جائے وہاں بل
جو اکشر گھیبو چٹیاں کا سو جیو ہے
جو لکھیاں لعل شہد اس کا سو جیوہی

چتر اسوار اس پر استری ہے
دہریا کر کا لگر پایا نشانی (۹)
آرافت واں کر کے تھے اونامی (۹)

میرے روم روم میں سب شوق تھا
نہیں اسوار مرد اد استری ہے

پرن ناسک میں اس کا پاس لایا
کیا میں حکم اس میں شہری ہے

ہوا معلوم یوسن شاہ گفتار
لگی تب فکر کے موتی پروئے
انگے دو بات کے تھے نقش کیانی
اے اد پیٹ سوں کر بات بولیا
(برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۱۰۵۹ ورثی ۱۹ تا ۲۹)

کیا تیرا جو بولیا پیٹ سوں تار
اوٹھی تھیں پرسوں جب اسوار ہوئے
جہاں تھا نقش دو گک و سب حال (۹)
چرن دیکھ چار اس کے راز کھولیا

پہلی ملاقات

از بہرام بانو حسن مصنفہ - امین

بہرام باغ میں محو تفریح ہے - شہزادی حسن بانو اور اس کی تین بہلیاں
مالاب میں ہمار ہی ہیں - اور بہرام ہی کا ذکر چل رہا ہے - بہرام حسن بانو کو دیکھ پاتا ہے
اور تقریب پہ ملاقات کی خاطر نہانے والیوں کے کپڑے چھپا دیتا ہے -
نہانے کے بعد جب حسن بانو اور اس کی بہلیاں کپڑے پہنے کے لئے کنا رے آتی ہیں - اور انہیں
کپڑے نظر نہیں آتے اس وقت کی نفسی کیفیت اور پھر عالم بے چارگی میں ان کی شوخیانہ خود غرضی
ایں نہایت پر لطف طریقہ سے ظاہر کی ہے -

انوں نے نکالے یہ اس وقت بات
ہے خوبی نہیں خوب جیوں مہرواہ
فرنگ چین کی خوب صورت ہی او

بہلیاں جو تھیں تین اس کے سنگات
سنا شہر فارس کا ہے بادشاہ
کہتے ہیں بہت خوبصورت ہے او
لہ کہا

چند اس کے آگئیں سوئی جہات تھیں
 رکھا ہے یا کر اپس ٹھار پر
 بچھوں اپنے گھر کوں اپن سب اینٹن
 میں دیکھا (ہے) امشب پر نشان خواب
 مرے دل میں دھوکا ہے کچھ گھات کا
 اپن سب اس اوپر ہویں مبتلا
 نگہبان اپناں خندا آج ہے
 اچھی نیک ساعت اپن پائے کر
 ہٹا کر کے پانی سین آیاں ہمار
 اٹھیاں وہ تر ت سینہ (پر) بار کر
 صبر کر گریبان کے تئیں پھاڑ پھاڑ
 ہو یاں غم سوں رو رو بھوت بے قرار
 جنے اس جگہ آ کیا ہے گذر
 ہریک ٹھار گزریاں وہ ہر ایک مقام
 اپس میں وہ سب آپ لا چار ہو
 کہ اے ذرو چھند می وحیلہ دراز
 کہ ہے جن پری دیو سدا وگر
 قسم ہے خدا کی کر میں اس کوں شاد
 دیکھت شہ کی خوبی گیاں سدہ بار
 کہوں تم کوں ہم ساتھ کیا ہے غن
 جو کچھ دل میں ہو دے سودو تو تم بنا
 چھپے راز دل کے سبھی کھول کر

اگرچہ وہی آدمی زاد ہے
 مے آیا اسے دیو عاشق ہو کر
 کبوتر ہو اسکوں چلو دیکھ آئیں
 اوٹھی بول بانو جن تب شتاب
 نہیں کچھ نفا آج اس بات کا
 کہ واللہ اعلم لگے کچھ بلا
 میرے دل کوں دہشت بڑی آج ہے
 دیکھیں (گے) کیسی اور دن اے کر
 اپس میں وہ کر آپ اپنا سترار
 ندیکھا اپس رخت کوں ٹھار پر
 وہ روئے لگیاں وہاں نہٹ زار زار
 لگیاں دل میں کرنے اپس کے بچار
 خبریو وہ (ہے) کون ایسا بشر
 لگیاں ڈھونڈنے باغ بعیر تمام
 وہاں ڈھونڈیا (ں) بھوت بزار ہو
 کھڑیاں ہو اسی ٹھار کیتا اواز
 توں ہے آدمی یا فرشتہ مگر
 تو ہوئے، اپس کی کہے آمرا
 وہ سن شاہ وان سیٹے آیا بہار
 تر ت سیتی ملکر یوں کیستی عرض
 جو کھڑے ہمارے رکھیں ہیں چھپا
 انوں ساتھ تب شہ اٹھا بول کر
 ملے آگے ملے بھی ملے مات

اے دل میں میرے کیا ہے وطن
خدا اس میں مجھ کو نہ رکھے جدا
ادھٹا شہرم کا مکھ سوں ایجا نقاب
تھے ہے مراتب سلیمان کا
توں ہے جگ کے انسان میں بنیظیر
یو (ہے) سب حقیقت ہو یہ اے مجھے
یہی بات جو فی نہیٹ ہے محال
کہاں آسمان اور کہاں ہے زمین
خدا اس کا دیوے کا تم کوں جزا
مراجی لگیا ہے اسی کے سنگت
مرے دل میں اب یہ دل آرام ہے
نہ دیوں گا میں کپڑے تمہیں ایک بار
اسے دیکھ شہ دل میں ٹہکا ہے اب
کٹمن سر پہ شکل پڑی آ کے آج
بہوت حکمتان سیٹے بہلائے کر
چلا جھوڑ اس کو اپن ہوین روان
سہلیاں ہیں ہم شیرے لائق نہیں
تجھے ہے نفا دیکھ اس بات میں
یہی بات محکوں سوں منظور ہے
رکھا رخت بانو کا شہ میں سنبھال
ہوا ہوش اس کا سبھی ہر طرف
پڑی غم سوں چہرت کے گرد اب میں
(صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۳)

تمارے جو ہے ساتھ بانو حسن
میرا جیو اس پر ہوا ہے خدا
یہ سن کر پریوں میں (نہ) دیاتب جواب
توں ہے بادشاہ جگ میں انسان کا
توں ہے شہ خردمند روشن ضمیر
جاری زبان میں کہیں کیا تھے
عبث تم نے ہم سوں کیا ہے خیال
کہاں ہم پر یزاد کہان آدمی
دیو کپڑے ہمارے اے دیو رضا
کہا شہ نے ہرگز نہ ہوئے یہ بات
مرے تئیں اسی ساتھ اب کام ہے
اگر تم کر دفتد ہزاران ہزار
دیکھا تب پریوں میں یہ اٹکا ہوا
کریں کیا اپن اب اسے کا عیلاج
کہا اس کوں اپنوں میں سمجائے کر
ولیکن نہ سمجھا یہی شہ جوان
یہ سب پر کچھوں تم تو عاشق نہیں
ہمارے دیو کپڑے ہم بات میں
کہا شہ نے نوز عیلاج نوز ہے
دنیے کپڑے ان کے سو ہو کر خوشحال
لے کپڑے سہلیاں گیاں گھر طرف
نخل ہو سر دیا ڈوبی آب میں
لے لے لے لے

پریوں اور دیوؤں کی لڑائی

از قصہ نسیم انصاری مصنفہ صنعتی بیجا پور

نسیم انصاری کو دیو یا پجھن بلق کے صحرا میں لیجا کر پھینکا گیا ہے وہاں پریوں کی شہزادی ان پر عاشق ہو جاتی ہے اور جب دیوا انہیں لیجانے آتے ہیں تو پریوں اور دیوؤں میں لڑائی ہوتی ہے

چلیا دل پر یا نکا ہزاراں ہزار
کہے تو لگن سے شہا باں چھوئے
توں بولے کہ دریا کیاں موجاں چلیاں
ہتیاراں سنبھالے سوارے ہنکار
لگن ہو رہیا گرد سوں آہنوس
پری دیو پر دیو پریاں او پر
ٹلی یکپو یک بے جگر مارنے
پھاڑاں کو پھوڑی تو سے جان کر
کہ تنبول کھائی ہیں جوں جیب لال
ہوا پر دھارے کا یک کھم ہوا
ولیکن پریاں کے انکے پست کھتے
کتک ابر میں جلد بجلیاں من
کہ دیواں پو پڑتا ہے جو آ شہاب
ستارے رین کے اندھارے میں جویں
کریں قتل یک شمع جوں کئی یلنگ
سو دیواں کو سارے کھندلنے لگیاں
تو عاجز ہوا دیو کے سردار نے

سو کر نے کوں دیواں او پر مار مار
پریاں کی ترنگ جب ہولتے اوٹھے
ہوا پرسوں پریاں کی فوجاں چلیاں
ہویاں رو برو جب صفاں بشمار
اچائی ترنگاں کوں ادلی فسوس
غصے سوں پڑے یک پو یک سرسبر
جو سیستے کینہ اپس سارے
چلائی جو تیراں اپس تان کر
دیں لہو سوں یوں لال تیراں کی پھال
ہام سوں اور ایک دھما دھم ہوا
او دیواں اگرچہ در دست کھتے
پریاں یوں چلیاں دیو میں ہر رخن
پری آپڑی دیو پریوں شتاب
دھسی سب پریاں پیر دیواں میں یوں
سو کئی دیو ہر یک پری بے درنگ
پریاں جوش میں آ اپنے لگیاں
لگیاں جب پریاں اس طرح مارے

جہاز کا سفر از قصہ تمیم انصاری صنعتی بیجاپوری

قدیم زمانہ میں جہاز کا سفر جس بے سرو سامانی اور خدشہ کے عالم میں بسر ہوتا تھا۔ اس کا ایک
جہیب نظر اس نظم کے پڑھنے سے آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے صنعتی نے بڑی برہمگشتی اور نئی نئی
پیشیوں سے اپنے بیان کو مالا مال کیا ہے۔

چلے جاں کہے موسیقیوں میں بات	سبک سیر تھا اس گراں بارسات
کہ یک شہر چلتا ہے پانی اوپر	کہے دیک کشتیوں توں سر بسر
سو بے پائے نت آب پائے تھا	ادک جلد تھا گرچہ بے پائے تھا
وہم سات کشتی او کشتی کرے	اگر بیگ جانے کا ہم آپڑے
کہ جوں پیٹ میں سا بنی لیکو پاؤں	کریں پاؤں یوں پیٹ میں لیکو دھاؤں
سو یک پیٹ میں اس طفل کئی ہزار	پھر میں جہاز او جوں زن بار دار
ہوئی تھی سو جو زرا ہزار ان ہزار	عجب یو جو یک ماہ نو پر سوار
رو پیروی تگٹ صاف چندی میں جو	سورج کی دسین تاب سوں موج توں
دسین جل پو دیک ہزار ان ہزار	دین میں زمین یوں دسی تا بدار

(دوق ۷۷۱ د ب)

باغ کا سماں

از قصہ تمیم انصاری مصنفہ صنعتی بیجاپوری

کہ چنل کی جون چک میں غمناکی فوج	دسین جل پو بارے تے اس دھاوج
عروساں کہے رخسار پر زلف جوں	دسین پنج سبیل کی لالے میں یوں
ہر یک شلخ پر مرغ کئی بھانت کے	ہر یک پات پر ہوند برسانت کے
فرشتیاں سوں بشیع میں ہزار تھے	جے مرغ دانکے خوش آواز تھے
صفائی میں نقوش پران کی لاف	بچن آئیں ہر مرغ کے سینے تھان
دیکھت باغ مجد دل ہوا باغ باغ	اتھا گرچہ مے نمن دن میں باغ

بیوی کا انتخاب

از
تحفۃ النصارح مصنفہ قطبی

یہ موضوع اس قدر نازک ہے کہ ہر مرد اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں اس کی وجہ سے الجھنوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قطبی نے معین پتہ پتہ کی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے تاہم یہ اشارے کسی کے لئے روشنی بخش نہیں۔

جو لک سنبھالیا جائے تجھ عورت لیاٹنے صبر کر
جوں جا صوری زن کرے کر خوبست یار سا۔
نالیاے دکھ انجہ ان کے غم دکھ میں لیجائے سب
جو توں ناری کرے دھنڈیلہ چیز اپنے سے کم
کرتاج ناری توں اگر ہرگز نہ کرایسے بغیر
کرتے ہو موٹے زن کو پتلے ہو اپنے خوف میں
ہمیں دیو نہاری نکر ہو ریاں جس پندریا ہیں
اسد ہات کی ندی سمجھ باریک جی پندریات دہر
جو توں بولا دے سچہ پر بھانہ لول ہوں کر کیسے
آہستہ جوں توں بات کے پھر جاب کا دٹے ترک
جئے آئے اس کے سنے کرتی شکایت ہو گلا
اڑے نہ اچل سیں پر کھڑا نہ دہوئے ہات و پا
نتجتے چھپا کر راکھی سخن جہان کوں دشمن دہر
ایسی جئے عورت اچھی دوزخ یقین سینہ سے
راحت جو لوریں توں اپس جا مول لی شیرازی
کہ ہو دیگی دو پاہ سا قانع اچھے خدمت کرے

آفت بلا دکھ غم جفا عورت ملایاں توں اگر
ساتی ہو تجھ بھائی پتلے خدمت کرے شام و سحر
ایسے ہوتے نار پچے دنیا طلاق اس زود تر
رسن ذات قد تجھے تیکس چو تھاسو کیا دہن مال نہر
کر خون ہنس مت بول کر دینا رلیے زور در
ہو کالی کن ہرگز نہ کر فرزند جنے گی بد بستر
ہو مال نہی بھی نکو ہوے دھیت کھڑی رشت تر
مول پر جو پاری جا پکڑ دایم رہے سر باز کر
ہر بات میں خدراں کرے کواں پھرے کرتی قدر
ہو رہا آدے بی رخصتا مندی پکیلیے در بدر
کئی ہیں دو دکھا ہوں مرد تو ہے ادا اگر چہ خوب تر
نایں میں کامل کرے کدنا رکھی پٹیا سوں پر
تیجے اولان کھائے جب بھر پٹ بجے بیشتر
کرنیک ہو دے تار تو جوں ہو ریا یا مشک تر
ہتاب جوں چندا پنم سیٹھی بچن کی سیم تر
اس سات مل جترب کرے میں تو خرمیک ہو کر

بیگانہ نارایاں پر کہ میں نادیکہ شہوت کی نظر
جوں توں مواطت یاز نان دے بوسہ چہ چہ
نادیکہ بھی امروطن نزدیک تے رہ دورتر
سب عمر کیاں فویاں جیریاں چیز ہو گیاں ہو

صبر و شکر

از

نخستہ الفصل مصنفہ قطبی

راحت جو توں جتنوں سنگ اپنا سنگانی صبر کر
سب کام میں توں صبر کر جو صبر تے پادے خوشی
ظالم اگر ظالم کرے توں صبر کرنا بولی کس
ایمان آدا صبر ہے ہو شکر بھی آدا سمجھ
امید کسی کو کر نہ امید رکھ خالق پر
نعمت جو ہے بھر پور تھے اس قید کو توں شکریوں
لے مرتے سکے نعمت شاکر غنی کون ہے دبی
شاکر سلیمان تھا اگر جم سلطنت دہن مال میں
ہرگز نہ کھیا جگنے بن صبر میں کچھ خوب تر
توں جنت پادے صبر تے ظالم درکن کی اپر
جوں داد کستے ناشکے تو ہے حق تجو داد گر
اس دوا کوں توں دوز رو کر ہو گیا توں مومن بظہر
حیوان کوں بنی رزق دے نیکی حزدی ہو ریشہ
لو تیرے جو توں نعمت جھوت ہر تل گھڑی توں شکر کر
اس صابر زکائین شرف مبارہ ہے جس نعمت
نا مصطفیٰ سا ہو گا صابر اتھا ادوق پر

شادی

از بہرام و بانو حسن مصنفہ دولت

بہرام اور حسن بانو شادی کا سماں اگرچہ طویل پیش کیا گیا ہے لیکن یہاں صرف وہی اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو غلطیوں میں صاف طور پر پڑھے جاسکے۔

کیا فرسش زریں سو ہر ٹھار پر
بچھے قالیاں پیچ ایوان کے
بہوت بھانت سوں سارے مند کیا
کیا آب پاشی وہاں ہر زماں
تھے چھتیں باجے اسی ٹھار پر
بریاں ہر طرف سب لگیاں ناچنے
ہوئی رقص بازی مکان و مکان
لحمان سوا مقام تیار کر
کھڑے سر براہ کار ہو مستعد
ضیافت بڑے شان میں اُن کیا
ہوے شاد شادان سو مہمان سکل
بریاں اور کنیزاں اچھے بھانت کے
غلاماں کئی خوب صاحب جمال
ہو فارغ نکاح کے سو سب کاریں
چلا جلوہ کارن شہ اندر محل
اچھی نیک ساعت میں جلو دیا
سو چنی شہابی وہ گلانے لگیاں

بنائے محل سارے گلزار پر
دہرے تکیہ بغلی بڑے شان کے
جواہر کے راسوں سے زینت کیا
صبح شام چھڑکا ہوئے بے گماں
بجان ہار موجود تھے کار گر
یو باجے چھتیسوں لگے باجنے
خبر یو ہوئی ہر ملک درمیاں
کھلانے لگے سب کون تکرار کر
ہر یک کام پر دل سوں ہو کر بچہ
تواضع میں دل ہاتھ سب کا لیا
خوشیاں سب کے دل پر سو آیاں اہل
سبھی آ کے خدمت میں حاضر کھڑے
اوڑا دین شہنشاہ پہ زریں رمال
مبارک کہا سب نے بہوت پیار میں
ہو ہمراہ بریاں چلیاں خوش شکل
جواہر کئی جنس فتر بان کیا
سو مجلس کوں ساری رجھانے لگیاں

دواجنبی شہسوار

از خاور نامہ مصنفہ رستمی

لڑائی کے زمانہ میں دواجنبی شہسواروں کو اپنی سرحد کے اندر دیکھ کر اہل قلعہ کے دلوں میں قہم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک سردار آگے بڑھ کر ان سے گفتگو کرتا ہے اور انہیں اپنے آقا کے یہاں لیجاتا ہے

یہ انتخاب اگرچہ شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا نہیں لیکن اس زمانہ کی زبان اور محاورہ کی سادگی بہت کم اس خوبی کے ساتھ کسی اور کارنامہ میں پیش کی گئی ہے۔

پکار یا کہ اے نامور مہستراں
بولو اول آخر بی اپنا تمام
کہاں جاتے ہیں ہو رکھاں آئے ہیں
ہیں بی کر باند آئے ہیں یاں
اگر جھگڑے کوں آئیں ہیں تو کہو
بولو نانو اپنا بنام آوراں
کے آئے ہیں اس ملک میں کیا ہو کام
کیا جھگڑے پر ہیں یا خوشی دیا ہے
نشانی تمہارا جو پائے ہیں یاں
وگر صلح سوں آئے ہیں تو کہو

دیا جواب بھی یوں اسے سعد شیر
ولاور نہ ڈرتا ہے دیکہ مرد جنگ
برائیں اندیشہ ہمیں دل نہیں
کسی کی برائی سوں ہمیں کام نہیں
چلے ہیں بی مغرب زمین کوں ہمیں
برے دل کا ڈرتا ہے دیکہ کر دلیہ
جو ڈرتا ہے دیکہ چھانو اپنی پلنگ
کہو خوب یاہیں بری بھی نہیں
اس انگے بھی کچھ بولتا نام نہیں
ہمیں پر نکو بدگسان ہو نہیں

ستارے من گئے دو نواہ کن
دونوں کوں بھی دربار کوں کے کیا

بولے چلیا دو نواہ کن شاہ کن
جسے بھیجا تھا شہ سو انگے ہوا
لے کر

دیکھے اس کے دربار میدان کوں
محل کوں رنگا یا ہے سب زینت گات
دیکھے بھوت گھر کوں سنوار یا ہے
کہا تھا اسے فرش بی سات رنگ
ابو المہجن اور سعد بھی دان گئے
سلام ایسا جو او سلامت اچھے
اتھا بادشہ بھوت با عدل و داد
وہ چو کیاں رکھیا تخت کیرے انگے

محلان گئے ہیں بی اسمان کوں
محل اس کے اسمان سوں بولیں بات
ایسے چار صفہ بنایا اسے
سات رنگ کے بی بچھایا تھا سنگ
گئے چور جا کر سلام اس کئے
جو اس آشنائی علامت اچھے
جو عالم کا خاطر اتھا اس سوں شاد
دونوں کوں دیا پیٹنے پیش کے

نواور کھو لیا بات کرنے سوں لب
ادھر تے کہاں جائیں گے سو کہو
اپس حال مجھ راست یوں بول دیو

پوچھیا اس دونوں تھے بی نام و نسب
چھپاؤ نکو راست مجھ او کہو
سب احوال اپنا منجے کھول دیو

(ادراق ۹ ب - ۱۰)

ایک شقی سب تصنیف

از خاور نامہ مصنفہ رستی

کسی کتاب کے سبب تصنیف کے پڑھنے سے مصنف کی ذہنیت اور اس کے زمانہ اور ملک کے
دوسرے عام مشا پر دازوں کے رجحان کے متعلق بھی خاصہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خاور نامہ
کا سبب ذیل سبب تصنیف اگرچہ مجموعی طور پر رستی کی ذاتی تخلیق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ اگر کوئی
تصنیفات کے آغزی حصہ میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کے پڑھنے
سے ہمیں قدیم ادو مصنفوں کے میلان کا ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے۔

شہرہ جاودالی کا خیال ہمارے قدیم مصنفوں کے لئے تعریف و تالیف کا سب سے بڑا محرک تھا

لے ساتوں نے بیٹھے تھے سے سگہ بھی ہے ادھر۔

اپنی شاعرانہ قوتوں کے فزکے باوجود اپنی اصلی قابلیتوں کا احساس اور اظہار انکساری بھی سہا
شاعروں کا قدیم سے شیوہ رہا ہے۔ اس انتخاب میں فردوسی کی شاعری، شہرت اور نجات کے
مشعلق بھی بعض خیالات ہماری نظر سے گزرتے ہیں۔

فلک کوں وفا دار می اندیشہ من
اتنی خوب یو زندگی ہو رہوس
اجل سات کوئی جیو چھپایا نہیں
جو ہستی کے کوئچے رکھیا ہے قدم
جو نور شید ہے تو بھی پا گا زوال
بچھاناں بھی کوئی یاں بچھایا نہیں
جگمگ زورہ ہے خاک میں ہو رہبار
جگمگ بھول ہیں نوک پر خامکے
دنیا میں یہی رسم معتاد ہے
کھیا میں کہ اندر سرائے پہنچ
یکس کوں دیا تخت ہو رذوق ناز
دونو اوچرخ آخر کوں مائی ہو دیں
تو بہتر وہی ہے کہ جوں راستاں
کارڈوں رخت دنیا تھے جوں بھار میں
جو اس دیکھنے میں بڑھا ہوے جواں
معطر کرے اوچرخ عقل کا
عقل کوں ہوے اس تے آرام دل
اسی نامے سوں نام مجھ ہوے بلند
جو مردہ مائی تھے مجھ ہوے غبار
جو شاعر تھا فردوسی پاک زاد
ملہ وہی۔

بغیر از جفا اس کو کچھ پیٹھہ من
اگر مرگ کا ڈر نہ ہوتا ز پس
اپس درد کوں دار و کھایا نہیں
باہر جاوتا ہے زراہ عدم
جو رستم ہے تو بھی اسے مکر زال
جو اس پر اجل ہت پھرایا نہیں
سودہ تاج ہو رہے از شہر یار
سوا و پھول عارض تھے ہیں یار کے
اسی رسم پر آدمی شاد ہے
کیا ماتم ہو ر شادی کیا افلاس گنج
پڑیا ایک تختے پہ کرتا میاز
میں ہو ر دنیا کوں بھی چھوڑ دیوں
سنو ارون اپس دل میں تھے داستان
دنیا میں چھوڑوں اس کوں یادگار میں
عقل کوں بھی ہوے اس تے ناز و داں
ہو دے بھر کر روشن چرخ عقل کا
اسی تھے ہٹا ہوے سب کام دل
ہو دے خلق بھی اس سے بہرہ مند
دنیا میں اچھے مجھ کوں یو یادگار
اچھو حق کی رحمت سوں ادبوت شاد

ہوا شعر تلخ بھی اُسے بہرہ مند
کیا از پہلوانان کیا از خسروان
رہیا جگ میں اس تیج یو یادگار
کیا شعر جگ میں او اس دعات کو
موتی بات کے راس کر رولنا
جو یک بیت آئی خدا کوں پسند
خدا بخشیا فردوسی پاک کوں
سبھی نیست ہیں انجہ ہستی توئی
ملک بات کا اس کوں بخشش کیا
مگر میں بھی یک نکتہ ایسا کہوں
بلندی دیوے ہو رحمت منجے
بندے میں سو موتی کہیں نہیں رہیا
چکیج بولنا سو سبھی بولے ہیں
جو اس پر نہیں بولے بلبول بول
جو اس سات کس دل کوں آرزو نہ تھا
جو خوبان کے کہ پر رکھے خط و خال
دریا میں توں ڈب کر غلط کھا کو
خضرین ہے توں آب حیاں کجا
کرے لطف سوں مجکوں تسلیم او
جو تیج بات تے خلق ہوئے بہرہ مند
جوں باروت جادو گری کر دکھا
زبان آروں کی زبانیں بند کر

دنیا میں ہوئی بات اس تلخ بلند
ہوا شعر اسے خوب آب روان
کیا نامہ او خلق میں نامدار
بلند مرتبہ اس تلخ ہے بات کوں
ہوا ختم اس شہنوی بولنا
بولیا جگ میں توحید او ہو پند
چھوڑیا جوں کہ او قالب خاک کوں
دنیا کوں بلندی و پستی توئی
اس یک بیت پر بہشت اس کوں دیا
صفت بھوت توحید میں اس کروں
جو اس نکتے تلخ ہوئے دولت منجے
کیا بولوں جو میں بولے سو میں رہیا
اول شاعران کچھ نہیں چھوڑے ہیں
میں ابریا ہے بستان میں ایک پھول
کسی پر دے میں ایک خوب رو نہ تھا
تیجے خوبی سوں میں ہے اتنا مجال
عاقل ہے تو دریا نہیں جان کو
نہایت نہیں بات جس واں نہ جا
عقل یار اس بات میں ہوئے تو
کہ اے بات کے خیال کے نقش بند
کوئی تلخ طبیعت کی ابرال آ
توں بھی بات کوں بات سوں بند کر

سہ سے تم اسوے تے ہا

اردو شہ پارے

پچن کی سمند کاھون غواصین



غواصی - مصنف سید الملوک و طوطی نامہ

توں افسوں سنوار اس پی انسان تھے
زبان کوں توں اپنے شکر ریز کر
نکو ڈر کہ عقل و خسرو بارست
تو یاری کریں گے۔ نخت سچہ ہناں
جو پیاسا ہوئے خوش پیوے آب تھے
کہ ہے راست یواز لب داستان
جو اس داستان کوں بندے باتیں
جو اس بات کوں ملے کروں ایک بار
(اداق ۶ تا ۷)

توں بھی بھار لیا گنج و پرا تھے
عیسی دم کوں توں عنبر آمیز کر
کیا توں نیت کام میں جس دست
سخن کی اگر طبع سچہ ہے روان
ہوا تازہ دل عقل کے جواب تھے
آخر خوش کیا یوچ میں داستان
نہ دیکھیا کسی مرد اس سات میں
سخن کے گھوڑے پر ہوا ہوں سوار

وفا دار عورت

از
طوطی نامہ مصنفہ غوامی

صفت نازک کی یو فائی اور عیاری کے متعلق اردو زبان میں خاصہ لٹریچر موجود ہے۔ اور
اگرچہ اس کے صن و نزاکت اور ناز و نوا پر بھی دل کھول کر (اکثر غیر فطری) شاعری کی
جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں بہت کم ایسی نظمیں ملیں گے جن میں عورتوں کے اعلیٰ درجہ کے کردار
اور قلبی اور دماغی نفاستوں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

غوامی کا حسب ذیل انتخاب اس لحاظ سے ضرور قابل قدر ہے کہ اس میں ایک بیوی کے
اعلیٰ کردار بے نقاب کئے گئے ہیں۔

اسے ایک عورت تھی جیوں شہیری
دل او لشکری نے اسوں باند تھا

سینا ہوں جو تھا کوئی نیک لشکری
کہ اس نار کا چودواں چاند تھا

دفاہور ست میں کہ ساری تھی او
 اچھے اس کی رک دیکھ میں جا بجا
 گذرنے لگی مفلسی بے شمار
 کہی عقل سوں ایک دن مرد دہیر
 تو کہنا چلے کس وضع روزگار
 رک اس عشق کوں باندھ کوٹھنے سے
 کہ ہے چاکری مرد کیرا سنگار
 کھیا سچ کتی ہے توں اے گن بھری
 کروں کیوں کنارے ایسے تے بچے
 کہ جانے کوں آتے نہیں منجکوں پاؤں
 سن یو بات عورت اسے یوں کہی
 سو باطل ہے او عذر دیک توں اندیش
 سٹ اس کا کہ ہیں کیس نجاوے نکل
 رہے نا تھا کچہ رکھیں اس سنبھال
 نہ عورت کوں اپنے چیتا صبح و شام
 سو ویسے میں گئی سو جنیاں پاس او
 کتی ہیں جو تھا ایک دلاور جوان
 سوس گنج تھی عورت اسے اس پہ تھی
 سو گل لک سٹے مل کہ ایک ناروں
 دیکھا دوئی کوں ایک بستر سے
 ذرا اس گھڑی دلی میں غیرت نہ آن
 کہ آئی ہے تو بہت مری ہوں سے

اوگ گن میں بے مثل ناری تھی وہ
 ولے او سپاہی زمانے پہ جا
 دیوانا جو گھر میں لے نکلے نہ بھار
 اور عورت سندر گنوتی بے نظیر
 اگر گھرتے جو توں نہ نکلے بہار
 نغانین دیوانا تو ہوئے ست
 لا جا کری توں نکل گھر سین بہار
 سنبیا یو بچن اس نے جیوں لشکری
 ولے غیرت اکشر ہے بالغ مجھے
 یکلی بچے سٹ دے کس دھات جاو
 بڑا عذر ہے مج کوں سوں او یہی
 کہ اے تجھ جو کچھ عذر باہل ہے پیش
 جو کوئی نار ہے پاک دامن نجل
 جہاں لک ہے بد فعل عورت چھنال
 سنبیا ہے کہ نین ایک جوگی دمام
 پھرے پیٹ سوں باند جو اس او
 کتی ہوں سن اس کا کتھا اے سجان
 ولے اس کوں عورت کی غیرت نہ تھی
 منگے آزمائے کوں انکار سوں
 جو مرد آئیا بجا رہے گھر سے
 بڑا مرد ہے کوئی کہ ان پہچان
 کہ باکون ہے اٹھ مجھے سوں سے

آیا ہے تیو نیچ جا ڈر نکو
 اسے بات اوہنس پڑیاں کھولیں
 رہے نامی دلیران میں آج
 رشک اس ٹھار پر آؤ نا
 نا چھپا دل میں او مردویں
 ایک جنگل میں لے جا اتھا
 اس کے سوپیٹ چو ڈول ایک
 بیت اس کامرے دل میں ٹھار
 دصوب داں چھانوں بھی کیس نہتی
 یں پیٹ اپر تھے او چو دول اتار
 بت تار جتنا سراؤں سے
 اس میں لے بہار آئی ہلوں
 نہیں مرادل سو آنا اتر
 کھول اپر جیوں پڑی شوق سوں
 بعد ازاں مجکوں بہاں میں پاڑ
 تاں میں دیں کس کہ یک گانٹھ بھائی
 عقل میری جو گم ہو رہی ہے
 یار جن کوئی مرا مرد ہے
 من میں غیرت سوں عورت کے ہر
 باج بستی میں مجہ نالجاے
 ہٹ سوں دی میں دغا اسکے تیں
 ربار یک گانٹھ ڈوری میں پکا
 وہیں تلے بعد ازاں تلے ہتی -

بچھانے منے ڈرتے لگ بھر نکو
 سودین اٹھ کھڑیاں ہو کھیاں اے چو لہو
 سچا شیر نر توں ہے شیراں میں لہج
 نہیں رشک آیا سو کیا ہے کنا
 لگیا بولنے یوں کہ یک دیں میں
 دکھا ایک سہتی کوں جو اہما اتھا
 مری عقل گم ہوئی اور چو ڈول دیک
 سو یک جھاڑ پر جا ہوا میں سوار
 سو آیا اسی جھاڑ تل اوہتی
 چلیا آپ چرنے بدل ہو رہٹھار
 تھی چو ڈول میا نے سودیکھی مجے
 پر لے تلیں مجہ بلائی ہلوں
 چلی دیں مجے او چو ڈول بہتر
 کیا میں نے بھی بھوگ اسوں ذوق سوں
 اپن ڈب میں تے ڈوری کشیم کی کارڈ
 ڈوری پھر اڈب میں اپنے چھپائی
 صرٹکا مجے کھول تو یوں نہی
 سو کو ٹال جو کی جہاں گرد ہے
 لے پھرتا ہے مجہ یوں ہتی ہوئے کر
 مہا دامی پر مرد کوئی بچھاے
 لود پر گئی نو جنیاں پاس میں
 بدل پاؤں کے میں رکھی ہوں چھپا

او گانٹھاں سو پوریاں ہواں نسوہیاں
 تہاں لے سٹیا دل کوں غیرت لے دہو
 خدا پر کیا ہوں توکل متسام
 اپن مرد کون نرم جیوں موم کر
 کدم کے واسے پس است کے سات
 کہ اسے توں جو رہے لال مرا سہی
 مراست اسی گیند میں دیک توں
 جہاں جائے گا توں نو ہر صبح و شام
 انہیں بار رہے تازہ یو گیند جسم
 گیا ج میں کاست کہ لے دل منے
 درست اس سہیلی سوں باندا اعتقاد
 خوشی سوں چلیا چاکری کے بدل
 لگیا چاکری کرنے اب گسان من
 شگفتا ہو ہر لحظہ ہر پل منے
 ہوا بار کم پھول بن کا متسام
 سو دیک شاہ گیند اس کے ہاتاں منے
 یو کس پھول بن میں لے پایا ہتہ توں
 پھولارا یہاں آشنا کون ہے
 ہیں اس وقت پر پھول کم باب یاں
 ادب سوں اٹھیا بول اس دہات کر
 جو ہے جگ تری چھاؤں تل شاڈان
 جو تازے ہیں نت جیوں کلیاں پاتیاں

ملیا توں جو اس جہاڑ تل ناگہاں
 سنیا جوں میں اس ناز لے بات یو
 مرے بات میں نہیں کہ یو کام تمام
 کہ ایسی حکایت بزان پل او سندھ
 گند ہی ایک پھولان کی گیند اپنے ہاتھ
 دے مرد کے بات میں جو کھی
 سوں کرے دل اپنا ایک نوں
 گر اخلاص ہے جو سوں تیسرا تمام
 تیرے بات میں ہر گھڑی دم بد
 جب او گیند کلا رہے تجھ کہنے
 سن اے بات تب او سپاہی ہو شاد
 لے سنگات او گیند تارے نخل
 سو پر ملک میں جا کے یک شاہن
 دے جوئی او گیند اچھے اس کہنے
 جیوں آیا زمستان کرا او ہنگام
 کلیاں تیج رہیاں تھنڈے ہاتاں منے
 کیا نکاں لے یو پھول لیا (ٹا) ہوتوں
 دیا سو تجھے یو کس کون ہے
 کہ ہیں سب چمن تھنڈے بیتاب یاں
 ہوا جیوں بجد شاہ اس بات پر
 کہ اے بادشاہ زمین و زمان
 گند ہے پھول زل مرے بات میں
 تھے بھی - لے کہ تھے بعد از ان

کسی پھول ڈالیاں پہاچہ سے نہ یاں
ست از ما و اپنا کہہ میرے دنیاں
دہی مچ کوں سو میں کیا ہوں قبول
ہے پورا ست اس میں کہ یوں کہیں یو
پتیارا تو اس کا مجھے ہے تمام
لیا دل میں اپنے کہ اس دھات سوں
دغادی ہے تحقیق اسے سحر کر
کرن غیر کا ماں خجاسے پیچھے
رہیا ہے پتیا کر دفا دار کر
خبر لیوں کہ کیا ہے سلایا بری
مسلم بجد ہو کر اس کام میں
دیا کیچ یک چلیے جان کوں
گیا اس سپاہی کی عورت کے واں
کیا ایک کشتی کوں پیدا وہاں
کھیا مچ کوں ہے اس فلالی سوں کام
مجھے یاں نہیں کوئی بھی توجہ بن
تولے کچھ اچھوں دیو گیا میں بچے
بہر حال جاوی خبر اس کے گھر
انتم پاک واماں عاقل گنہیہ
کہی یوں کہ بازی تو آئی ہے پیش
تو کم عقل دستی ہوں اس بات میں
دغادے اسے میں سلامت رہوں

سو اس دہات کے کہیں پیچہ سے نہ یاں
کہ آتے برآں گھوڑے میرے حلال
اپن صدق کے باغ کے توڑ پھول
ابھوں لگ تو کلائے گئے نیں میں یو
خجاسے لگے کیوں ہے اس رب کے کام
شہ اس کی زبان سے سن اس بات کوں
کہ البتہ ہے اس کے سحر کر
جہاں تے فریب اس کوں یوں دی پا
اسے نو اسے ستونتی نار کر
دیکھوں آکر مار یو مایا بہ بری
کہ اس دہات شہ نیست دین نام میں
دیا دین اس پاک واماں کوں
سو بہر حال سوں گھوڑ پا او جواں
نکرانہ بھی کہیں ہویدا وہاں
ہو بہر سوں بھرو داس کا تمام
لنیا ہے میرے دل اسوں رات دن
اگر اس سوں یک نیں ملائی ہے
نظر دہر ادنا پاک او کہ طمع پر
سو ادنا ستونت روشن سیر
سن ادنا موافق بچن خوب اندیش
اگر چپ رہتی ہوں ندے جواب میں
بھلا جو یلایاؤ کہ اس کہوں
لے جواں لے فہم

بچار اس دُعا کشنی کوں یوں کہی
توں اس جوان کوں لیکر آرات کوں
بھر دے سوں دے اس بڈھی کوں مٹا
جو گھو گھر بچیں خالی یک ٹھار پائی
کچے سوت سیٹے نہی یک پلنگ
امنت رکھی سچ اس کہو اُمپر
نا شام ہوئی دیکھ او ابلہ جوان
گھر آیا کسو تعظیم دینے چلائی
او انجان جیوں اکس پلنگ پر نکوت
پڑیا کہو میں غفلت سوں تل سیر پاؤں
قیامت مگر اس پو نازل ہوا
اٹھیا جوں او کہو میں تے کچوا پکار
کہی کون کوں کاں تے آنا ہوا
تجے یو بلا کھنغ کر کان تے لیائی
جو کچھ ہے سو کہہ کھول کر سب مجھے
ہوالا علاج اُن سو کھو میں تے تب
سو خاطر میں لا او حقیقت سکی

گراے بات توں بولتی ہے سہی
وے کیس نکر فاسٹ اس بات کوں
کتی گھر مٹے فکر ہو ریک وضا
منگا نرم بالی خوش اس میں بچائی
پلنگ پور تس پرستی تازہ رنگ
سجا نیچہ ستوں گھر میں رہی بیس کر
دغا اس ہیلی کیرا نا بچھان
سنواری سوا و صدر اس دیکھلائی
گیا بیٹے کوں سوٹ جا او سوٹ
ہوا لھو میں کھڑی نکل ٹھاؤں ٹھاؤں
نکل بچار آنے کوں مشکل ہوا
ہوں آئی نزدیک تب او نگار
برائے سوں کیوں یو زمانا ہوا
مجھ اپراں کی ہونٹ یوں سچ کوں آئی
جویاں تھے سلامت سوں کارٹوں کچے
جیوں آیا اتھایتوں کھیا کھول سب
اسی کہو میں اس کوں سلامت رکھی
(اوراق ۵۰ ب تا ۵۴ ب)

چار غزلین

از

دیوان سلطان

غزلیں اس نے قابل قدر ہیں کہ اس دور کی بہت کم غزلیں عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں موفیانہ مفاہیم صاف اور سلیس
ہیں ادا کئے گئے ہیں اور ذرا سی غزلوں کی تعلیم میں زندگی دے پرستی کے مطالب نہایت زور کم ساتھ اور پختہ کا شاعر بھی پیش کیے گئے ہیں
میں دور غوغا عشق کا اتنا کم ہوا ہو گیا ہے
وز ورون آغوشان آسب کے کم ہوئے ہیں اُپر
ظفر پیش صمغ کمتر ہوا ہے اس زماں
رب رفا کی قدر بالکل کم ہے نہ وقت میں
مدق و ایمان ہو شوق بیان کم ہو ہنسا کم
محبوب بھی محبت کی گنجائش کم ہو گئی ہے

تب بھون کر جگر کوں کیتا کیا اب تازہ
چک غنڈہیں لہاری ہوتا ہے اب تازہ
ہوں سو ہوئے ہیں دیکھ نہ سحاب تازہ
مجنون لکڑ میں ثانی پاؤں خطاب تازہ
مور ہیں سیاہ جامہ جو اپنے نام تازہ
لیکن تو کیا عجب تر ہوئے کتاب تازہ
نا کر تیا قصیدہ بس یک جواب تازہ
تی لھر جب دیتا شراب تازہ
میں کی خماری برہے کی جوش مای
در زمین جہیں ہیں چھپکشت کہے ہیں
لکڑ نی بولوں اگر زبانی
مرفراق میں ترق خامہ
ن بسن کا تباہ طمع کر
سلطان مست دیدہ رکھ لے اور عقیدہ

اگن میں زر کوں بھاز زر جیوں پھر پھر چلا تارے
سناجب اب جلا ہے تب زیادہ نور پاتا ہے
تو حق ہو مہربان اپنا حدس تجھ تب کھاتا ہے
آفت میں ہوں دامن کو آزماتا ہے
آفت ہے سو دینا اجر پاؤں او
اکا آس جو مگیا تو نے نہ در وقت بھاری

پکڑا د عشق کھینچے بن نپاے وصل حق ہرگز
پکڑ سلطان توں ہمت جھانے عشق کا اول
تجہ مین میں کی کیکی سچ نیہ کی آسیا ہے
ادھ چک میں کوئی سفیدی دیدہ لکر سمجھنا
ای مجہ ہیا کا آٹا اونیکے آسیا لگ
موجہ مال کیوں کہوں میں نے عشق تازہ رفت
اس عشق کا مزہ بھی سلطان من سو جانے

ہو غافل عمر غفلت میں عبث چپ کی گنو آتا ہو
خدا سوں مل ہو شاد آخر اگر عاشق کہتا ہے
مجہ دل کوں عشق گھسیوں کر بھاس میں سیا ہے
میرا ہیا ہو آٹا اجلا جو رنگ کیا ہے
عاشق کہے پرت کا سورج کہلا کیا ہے
تیری پلاک کی سوئی تے موں جیو کا سیا ہے
جن کوئی تجھ ادھر کا بادہ جوے پیاسا ہے

اے یار سن مجھ پند یو دنیا سستی رکھو پید کم
شاغل ہو رب کے راز کا گوشہ پکر غلوت میں
کم بیٹھ صحبت خلق کی کم دھر طلب از سیم و زر
جستی گنوا لے نیستی کرنا ہے درویشی اگر
دھر بر کوکل تجھ نظر مخلوق کا تکیہ نہ کر
نہر و وفا اس دور میں کم ہے عزیزاں تہ سب
گر سراسر سلطان کا پایا ہے تو خاموش

ہو راکھ اپنے پاس توں سنار کا بتا کم
بھی کس طرف تے دل دولا کر جسم کا زقار کم
روشن ہوئے گا دل تیرا کم سو کم کھا آدہ کم
الا ضرورت منگسان کو ہر در جہاں دانا کم
گرتوں کرے ہے تجھ صفت از صورت دیکار کم
ہر کس سستی تجھ در و دل بے دول میں غمخوار کم
لب بند ہو محبوب کر بار دگر گفتار کم

۱۵۰

خلاکریا سر منک همت بلندی
نزاکت سوزگریا مین نقش بلندی



این صحنه علی مصطفی "اول" است

عشق غائبانہ

از
پھول بن مصنفہ انشائی

جس ملک میں پردے کا رواج ہو وہاں کسی حسین کی تعریف سن کر کسی نوجوان لڑکے کا غائبانہ عاشق ہو جاتا۔ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ اس انتخاب میں ایک ایسے نوجوان کا ذکر کیا گیا ہے جو پہلے ایک لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کو کسی طرح دیکھے ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر کوشش رائگان نہیں جاتی۔

نہ تھا پردا اُسے کچ مال دہن کا
اتھا مشہور سالم بندگان میں
کتے تھے کارروان سالار اس کوں
دیگاں سوں تھے روپتے ہو ردینار
گیا ایک مرتبہ گجرات کوں سو
گھڑیا سو کیا کہوں اس ٹھار پر گعات
نوی انپڑی تھی جج کوں شادمانی
فرشتہ خوی بس عابد کوں بیٹی
نہ اس کوں کوئی تھا صورت میں ثانی
چندر آدہا نہیں ویسا نورانی
کہاں دو نور محراباں کے اوپر
چمن کے زرگساں میں کاں ہر و زمانہ
ہر ایک لالے کے درمیانی ہے کالا
کہ تھاتیوں کیا صفت کرنی سکوں گا
تاشے کوں مرا دل سرہ اچایا

مرا تھا باب سوداگر نعتن کا
بڑا تھا بھوت سب سوداگراں میں
ہو کر مشہور تھا سوداگری سوں
پڑے تھے اس کنے جہراں کے انبار
تجارت کی بھوت سورات سوں دو
اتھا میں اس سفر میں اس کے سنگات
مری اس وقت تھی اول جوانی
اتھی اس ٹھار یک زراہ کوں بیٹی
چتر چنیل سرک، کشل سہانی
چندر آدہا کہوں میں کیوں پشانی
بھنواں کے کیوں کہوں محراب تھے کر
نمین کوں زرگساں کہنا ہے ناساز
کہوں رخسار کوں کیوں اس کے لالا
میں سرتے پاؤں لگ اس ہوہنی کا
بھوساں دیکھنے کا ج کوں آبا

جو یاد آتی اتھی و چلیسی ج
پیارے کا پرت پیارا لگیا سو
لگے چشمہ ہو کر نیناں اپنے
دھنواں آہاں کا سر پہ ہو بدل چھاکے
کلی نئے ہوا دل تنگ و ناشاد
پرت کی آگ سوں دل جل ہوا راک
جو اس کوں دیکھنے کا ج ہوا ذوق
ہر ایک نس جاؤں پھیل کی گلی کوں
سنے میں دم کوں اپنے ساند لیکر
کیلا اس گلی میں کوئی نہ دو جا
کہ اس چندر بدن کے گھر طرف مول
ہر یک شب غم سوں میں دور اچھے جا
کروں ہر شب این سوں آب پاشی
کرتک دن کے پھیں امید کا سور
یکایک جھانک کر دیکھی مجھے نار

تو ہوتی تھی سنے میں گد گلی ج
پرت کا تھنڈ ہور بارا لگیا سو
لگیا جیوں شمع ہو کر جیوں جلنے
گرم بھاپاں سوں ہونٹا پر چلے آئے
ہوا کھڑے گریبان پھول کی ناو
صیوری کا جو تھا دامن ہوا چاک
جو آیا دل سنے میرے ایل شوق
ہلوں چھپ کر دیکھیں اس چلی کوں
کمر کوں اپنے دامن باند لیکر
جلوں میں چاندنی کی دھوپ میں جا
ہر یک لسن نین کے تارے بکھیروں
دھنویں سوں آہ کے باندوں کھلاو اپ
اساساں کی کروں دم سوں فراشی
مرے بختاں کے نیناں کوں دیا نور
مرے ہور اس کے دو دیدے ہوئے چاہ

(اوراق ۲۹ ب ۳۲ تا ۳۳)

احسان مندی

از گلشن عشق مصنفہ نصری

گلشن عشق ہیر و شہزادہ منور ہر ایک شہزادی چنپاؤنی کو دشمنوں کی قید سے آزاد کر کے اس کے
ماں باپ سے ملا تا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کی بے حد مہربان منت ہو جاتی ہے۔ چنپاؤنی
کی والدہ کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نوجوان محسن اس کے ایک ہمسایہ راجہ کی لڑکی مدالتی کے عشق
میں بے تاب ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ منور پر کا احسان کا بدلہ ادا کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ
نہیں کہ عاشق اور معشوق کو کسی طرح ملایا جائے۔ چنانچہ وہ مدالتی اور اس کی والدہ کو اپنے
یہاں دعوت دیکر بلاتی ہے

چنپاوتی اور اس کی ماں جہانوں کا دل کہو لکھ خیر مقدم کرتی ہیں۔ اور جب چنپاوتی مدہ مالتی کی ماں کو اپنے ساتھ گنگو میں شغل کر لیتی ہے تو اس کی ماں مالتی کے یہاں آ بیٹھتی ہے جس کو وہ تفریح کی خاطر باغ میں لے نکلتی ہے۔ وہاں دو لعل میں جس ڈرامائی انداز کی گفتگو ہوتی ہے اس کے ظاہر کرنے کے لئے ایک حقیقی شاعر کی ضرورت ہے۔ اور نصرتی نے اس میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ ان کا کا نام واقعی اردو ادب کا ایک شہ کار کہلایا جاسکتا ہے۔

مدہ مالتی اپنی منہ بولی خالا (یعنی چنپاوتی کی ماں) سے چنپاوتی کی واپسی کے متعلق دریافت کرتی ہے تو وہ اس سے کہتی ہے کہ میری لڑکی صرف تیری ہی وجہ سے واپس ملی۔ اور یہ سزا مجھ پر بے حد احسان ہے اس غیر متوقع جواب سے مدہ مالتی پریشان ہوتی ہے اور بار بار اس سہ کو حل کرنے کی خالا سے درخواست کرتی ہے۔ چنپاوتی کی ماں کہہ دیتی ہے کہ تیرے ماحشر نے میری لڑکی کی جان بچائی۔ مدہ مالتی کے شرم کے پانی ہو جاتی ہے اور اپنی خالا کو سخت سست کھنکھاتی ہے جس پر اس کی خالا یقین دلاتی ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے کہ تجھے بنام کروں۔ تجھے چاہیے کہ مجھ پر قہار کرے۔ اور اپنے ماحشر سے ملے بد مالتی اگرچہ صورت حال سے واقف ہو گئی تھی اور دل سے چاہتی تھی کہ منہ ہر سے ملے مگر دکھاؤ کی خاطر اس نے پور غصہ کا اظہار شروع کیا۔ اور باغ سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنپاوتی کی ماں نے دیکھا کہ صرف سہانے سے کام نہیں نکلتا۔ اس نے فوراً مدہ مالتی کی وہ انگوٹھی دکھا دی جو منہ ہر کے یہاں بطور یادگار رکھی ہوئی تھی۔ انگوٹھی کے دیکھتے ہی مدہ مالتی کے جذبات میں سیلاب پیدا ہوا اور اس نے عالم فراق کی سختیوں کو اپنی واقف راز خالا کے سامنے دل کھول کر بیان کرنا شروع کیا۔ یہیں پر جہاں انتخاب ختم ہو جاتا ہے۔

ایدہر ما کے سنگات چنپاوتی	اددہر سات تھی ما کے مدہ مالتی
یکس یک لگاتے چکل کر تھلے	بہوت دن کوں جس وقت بچھڑے ملے
ایو کے کئے بی دسی دھات بھیاں	انو کیاں سکیاں چونکہ سوسات تھیں
نہالوں دہرے حال آواز سوں	چلیاں جب وہ رن جھن لنگ ناز سوں
بزرگی سو بیٹیا (ں) ووجا صند پر	دونو دہیر بی بیاں جوتھیاں مختصر
کھو یا غلامی دہر اہیں کام تمام	دونو دہیر کیاں خوش سہلیاں تمام

بٹھیاں ملے نا فرق دھریک تی
سویاں رنگ اس میں لگا دل سوں دل
ایہ ہر ان سنے تازہ اخلاص تھا
مل یک ٹھار دیکھیا ہے کن نوز کون

یو چنیا دتی ہو رہ مد مالیتی
دو نو کیاں سو اوان بھی یک ٹھار مل
غدا صا او دھران ملے خاص تھا
اچنیا ہونے کیوں چندر سور کون

لگی گود میں ہیں باتان کرن
ہلا لیکہ مستربان جا بار بار
اپس کے کہے میں پھرائی اسے
دوسب سن لے قصہ کہوں گی جو میں
اوک عشق کا تجہ میں اندازہ ہوئے
بھلے ہوئے بچھڑنے کے پرسوز داغ
ہر یک ٹھار انصاف سوں داد کے
اپس سات چلنے اشارت کری
جلی لیکہ چھپ سوں کپریت ہں ہا
پھرائی او سے اینس لہجائے سنگی
تاشے سوں پھرتیاں چین در چین
بٹھیاں مل کے دونو ادک دھریک
لگی بولنے یوں کہ اے دھن سجات
یو سب فیض بخشش ہے تیرے چرن
دو کان پھر کے پڑتی ہمارے نظر
جو ہوئی تجہ انگے بات کرنے کی لاج
کبھی عذر خواہی مئی کیل سبب
اجوں لگ بھی دیتی ہے ہو پر جواب

خوش اخلاص سوں آ دو خا اگے کن
اولے سرے تس پیٹ لگ بات اوتا
نعت کی باتان میں لیا ئی اسے
لنک تب کہی جائیں چل سیرتیں
جو ہر بات سن دل ترا تازہ ہونے
کرے پھول راحت سوں دل بلوغ داغ
اپس دل کی بسرٹ کون یاد کے
چھپی چھند سوں یوں بشارت کری
ادھلی واں تھے تس سات کرتج ہا
بہیلی جو کوئی سات آئے سنگی
گیاں مل کے دونو یکیلیاں گون
یکٹ ٹھار خاطر میں لیا یک طرف
تب ان پاکے فرصت یو کرنے کی ہا
جو بیٹی کا درشن ہوا سو مہن
نہ ہوتا تو تج پگ تھے یو فیض اگر
ہن سر ترا یوں ہے اپکار آج
یوسن بات مد مالیتی وہ عجب
کہ میرے سوالان کوں دے چرچ دتا

حکایت دو کہنے سچ آتی ہے رنج
سچ بات بختی ہے کے ہوئے کچی
تو سو گند کھاتی ہوں سچ حسن پر

مگر بات کا منج میں نہیں کر سبب
لگی پھر یو کہنے کوں اے دہن سچی
کتنی ہوں جو یو بات اچھے جھوٹ کر

بچاراں سوں تجویر کر لاک دھات
لگی پو چھنے پھر پریشان ہو
کہ مشکل دے گرنہ دیکھ لائے کھول
کہی میں تو کرتی ہوں مشکل بوجھ
خدا کے بدل کہ توں سچ مع سنگات
ہو راکش تو دسریاں سوں کم راز ہیں
ہمیں جیو بھی تم کاج پر پیش اچھے
تمن کاج پر جیو سوں میں پیش نہیں
نہ کیں جائے ہمنائے یو بات پھوٹ

سنی جو وہ مدد مالیتی پھر یو بات
اہں میں اپیں سخت حیران ہو
کہ اب چپ نہ رہ توں سچ بول
تب اس بات پر دھنکے جا کت بل
وئے پو جیتی ہوں اول سچ سوں بتا
کہ سچ سوں ہمیں جیو سوں ہم راز ہیں
ہمیں پر تمن لطف جوں پیش اچھے
کو انا تمن خیر اندیش نہیں
یو سب سچ کتنی ہوں نکو جان جھوٹ

ادک نصیہ سوں برامان تب
بڑے پن کا تیرے مناسب نہ تھا
نہنے جیو پہ کرے سنگی گھات توں
ہو راتنے پہ توں بد خیالی اہے
کہ میں مل میں جیوں دیوئی لاج تھے
کہ اے پاک دامن سجاتی سو دھن
نخیل چال میں چاند جونی ہر توں
منج اخلاص جھوٹا پچھانی اہے

سنی اس دیکھن نے یو بات جب
کہی یوں تو اس دھات واجب نہ تھا
کہ لے حیلہ منج پر جب اس دھات سوں
مج ایسی بچے جائے بالی اہے
نکہ پھر توں ایسی بچن آج تھے
یو سن بات خالا کہی پھر بچن
اد تم پن میں یک دھال مٹی ہو توں
مگر منج دوتن کر توں جانی اہے

سلہ کہتی سلہ سہی

توں معجی ہے شاید منجے یوں یقین
کہ ہیں اصل گوہر سوں نہا ہوئے خطا
بہی بات کوں چپ نہ کر جھوٹوں
یو خالائے سب بات کیج میں
چھپا اس سوں دل گرچہ راضی ہری
مدالتی خالہ سے اپنے دل کی حالت کھول کر بیان کرتی ہے۔
کے دکھ یو کہتا نہ دیکھی ہوا
یکٹ نہتہ نہ ہوں غم سے گرسٹار
ٹلے دن تو ہر کیوں پہلیاں کے سا
زینا آگن تن پہ سارے لگیں
چندر منج اوپر زہر کا ہوا مارغ
اچھے من تو دوزخ تھے کالی ٹھن
مرے سرٹے یوں کٹمن ماہ و سال
نہ بولو کہ منج تن پہ ہے پوست جم
ہوا رنگ منج زعفرانی سترار
جو دیکھوں بچھا تو دے من میں

کلنک لا جو تچ مہ کوں ہوؤں عیب چین
نکو ہو، سٹوں اصل پن کا وفا
خدا واسطے منج تھے مت ٹوٹوں
ادک آکے مدالتی تیج میں
دلی موں پہ کئی اعتراضی دہری
مدالتی خالہ سے اپنے دل کی حالت کھول کر بیان کرتی ہے۔

لگی من میں جل تیج ہو لا دوا
نہ کوئی بات یوسے میرے دل کا بار
پڑے پن بھر سل ہو سسے پہ رات
گلاں تیج کے سب انگارے لگیں
دیوسے ہر ستارہ میرے دل پہ داغ
دے دن تو روز قیامت کا دن
خدا بن کہوں کس سو منج دل کا حال
کہ جلتے انگارے پہ وہ ہے بھسم
سورج ہمیں پڑے دیک بے اعتبار
جو بولوں چن تو بسے بین میں

(صفحات ۱۲۹ تا ۱۳۵ اب)

کالی دھوپ

از
گلشن عشق مصنفہ نصری

نصری نے دھوپ کی تیزی اور گرمی کی شدت کا نہایت ہی شاعرانہ سماں پیش کیا ہے۔

نہ کہہ سورہل آگ بادل اتھا
مگر کھینچ دوزخ کی دریا تھے بیر
کرن ہے سوسب جل کی دھاراں دہیں
زمین لے فلک لگ سب یک دھاراں
لگے مارنے جب سراپان کی موج
ولے اس ابر میں ہے یک طرفہ دھاراں
ند ہر تا تو یو نیر عالم تھے منرق
گلن کے اگلن پر نہ تارے دین
نہ کہہ اصل میں کیا یو سیاب ہے
دیکھت کوہ ہولی نرالی ہوی
بھرے لال کھوری دیں آتی ہے یوں
یقین آفتاب آفت آب کھتا
رکھیا کہیں نہ تھاروئے گیتی پر آب
عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک
اٹھی گرم کنکری انگاراں تھے تیز

نہ وہ دھوپ یک آتش جل اتھا
برستالچھے جگ پہ جلیج نیر
ہر یک ذرہ قطرات باران دہیں
بھری سرد آتش کے برسانت سوں
چلے چو کدہن تب حرارت کی فوج
لجاتا ہے پھر نیز کھینچ اپنے سات
تو ہوتی جہاں تب حرارت میں غرق
اوٹھے جی کے لوگاں سوسا دین
رو پا گل کے مس تھے ہوا آب ہے
زمین دیکھ حسیران دیوالی ہوئی
چولیاں میں اگلن دہکدھکاتی ہر جویں
تو ہر چاہ پر آفت ناب تھا
مگر مٹی ندیاں جوں ہوا پر سراب
کرے سنگ کا چونے مٹی کوں رک
دسے تفت بالو ہو چنگیاں کی ریز

(صنمات ۱۱/۱۲۱ اب)

موسم سرما از علی نامہ مصنف نصری

گرمی کی طرح سردی کا عالم بھی نصری کے ہاں بہت چمک لطف اور اصلی ہے۔ یہ ایک قصیدہ کے
قیسی اشعار ہیں اور اس حیثیت سے نصری کے زور کلام اور بلند خیالی کا بہترین نمونہ ہیں۔

— ۶ —

سردار ہو باد خزان تھنڈ کا رچا ہے بہار آج
ڈر سول انگوٹھوں چھانپے ڈر رہتی ٹھکان آج
وہی بی سرکش سر نو اپنی دست سدا ہر آج
گردل میں اپنے عاشقان دیتے نہ اس کوں ٹھکان آج
کانپے فلک جون بڑ بڑائیٹھے تو برس کے لہار آج
ہر بائیں ہوئی ہے وہیں ہنڈی جم نہیں بیکار آج
اے چاند بیگی دیکھ لے بس بیج ابس ویدار آج
ہر یک نگر باغ جہاں ہے تھنڈ سوں بیمار آج
نابیل اپنے گودے لہا کرے ہمت بہار آج
ہر خار و خس شبنم سے ہوتا ہے جو ہر دار آج
نفعے بسر جا بلبلان ہرین میں ہیں بیکار آج
کوں سینکے بس آئے گا انیاں کوں بیکار آج
پائے صلا اس باب کا شہ کا دہروں دربار آج
ہیں بو جہاں پر ورا دک نودھار کوں آہار آج
جس کی عنایت لے اوک عالم دست گلزار آج
پاناں سوں پہلے باغ کا داسن ہی جوں زہر دار آج
کاٹا نہ آتس تن اور کانپے نہ پھر بیکار آج
بس تھنڈ سوں تک میں لے پھٹ نکل نکم گفتار آج
کہ مطلع سارہ سوں پھر وہی شہر شکر بار آج

دی ہے زمستان نوکری دوں گا اچا دھند کار آج
ایٹیا ہوا کا فوج بول شبنم کی گولیاں چھانشتا
او آگ کوئی مارے تو دم اٹھتی تھی ہوسب تن زبان
بے شک وطن اس جگ تھے مت جاتی انگوٹھوں نہا
حوض یک ہوا کا یوں دست مشرق تے مغرب لگ بھڑ
شبنم جو اچلا چلا سا شیر سے جل میں پڑیا
جل تیج ہر یک جا بجا بلور کا درپن دست
ہر برگ کوں بار بار مارے پیلے ہوئے ہیں پات سب
ناسر فرازی پاسکے دولت تے تھنڈ کی کوپیلی
گلشن کے آئینے اپر پڑتا چلیا سردی سوں رنگ
دیکھے نہ جول جوں تھنڈ لے کس یک کلی کون خندہ
سورج کے چشمے کا رواں آب آتشن یوں جم چھا
ہوں میں تو بے سامان اوک شبنم تو ہی بھاری مل
سلطان عالم بخش او شاہنشاہ عادل علی
جس سرطان کے فیض تے تب نو بہار اس دور میں
متر زرفشاں کے ہمت تے نیت پر میں نظر کی گویوں
سورج غم کا تن نگاشتہ ہمت تے خلعت پائے تو
میں اس قصیدے میں صنت کہتا ہوا کی گئی وہ
اے نصری بہتر ہے تج پہلے ہی دل گرمی سین

بادشاہ کی فتح

از

علی نامہ مصنفہ نصرتی

نصرتی دکن کا بہترین قادیانہ دگر تھام۔ اس کے قصیدے
رفعت تخیل اور کمال اسلوب کے لحاظ سے اردو کے
اعلیٰ درجوں کے قصیدہ نگاروں مثلاً سودا اور
ذوق کے کلام سے مشابہ ہیں ذیل میں اگرچہ مختار
پیش کیا جاتا ہو لیکن نمونہ پیش کرنے کے لئے کافی ہے۔ تشبیہ
اور طرح تینوں نہایت دلچسپ اور اہم ہیں۔

جب بے جھلک دیکھیا ادک سورج تری تروار کا
کوئی بند جو تیری کمر کی پانی تے دریا میں پڑے
کس میں تو طالع کے قوی جم تے ادک جرم جم تے
کوئی مہرہ سرخچ انگے جانبار نہیں لیجا سکے
ہر فصل شد کے وصف کی لکھتا تو ہوتے کئی ورق
اب کہہ تے اس مضمون کے مطلع نول پیدا کروں

تب تے لگیا تھر کا پنپے ہو پر عرق بیکار کا
کھا جوش ادک یک نیر ہوئے تختہ اکھنڈ لگے رکا
جس میں تو عالمگیر ہو آیا سکست در سار کا
جاں رزم کے تختے پوئوں شہر بند یا پھل بھار کا
پڑتا ہوں سزا بہ بڑی یک فتح کی طومار کا
ہر حرف کے معنی تے تانکھے سورج جھلکار کا

مطلع ثانی

اے شاہ عادل توں علی صاحب ہر سب سنیسا کا
یک سال او باغی سوا بگ میں شلت پیدا کیا
کوئی کھیل اس مکارے کھیلایا نہ کج بازی کے بن
مرتا سودیکہ اُس خضر اگرے دے بجا ادرت پلا
تھا یکہ یک جو بگ میں سب او گر پنا لہ کا بلند

کفار بھجن جگ تھی نہیں سود کوئی تاج سار کا
ہے طفل کتب کمر میں شیطان جس مکار کا
گویا فلک کجکول ہے سادیا اسی عیب رکا
وئی جام بھر دے زہر سوں پھیرے او بار اچکار کا
تھم نے دہرت لنگر سے ہو رہا بن کوں تھانبا دہار کا

بیت شرف سوں سور کے دہتر ہے نت ہماگی
جس کے حشم کا شب نویں اکثر عطار د کا سگا
پونچے یوں پیری میں جا کر گر جوانی میں چڑے
میں بات کئی لک لک میں کئی ٹھار پر پہلے زبان
دامن میں بس ایسا ہر یک پالے گیا ہے برگ رک
دنیا میں کوئی راج آج لگ اس گز کوں میں رہ گیا
جب بات اس کار کے بھیدوں سے ایسا گڑ جڑا
گڑا دیکھ کر جاننا کہ گڑ جیو (ں) کاڑے آوے ملک
سامان سوں ہر یک جس کے گڑ پر ذخیرہ یوں بھرا
مطلق تجاوز حد نے کر بھی شرسوں پیش آ جاچیا
لڑائی کا سماں

کھر کاں کھنا کن سوز دہر سوران کے یوں چلے
کھر کان کھر کان لگ لگ چوند ہرے یوں چنگیاں
گر رزان سوں ہرے جان یوں کہتے پر آگندہ دن
لاگی تیرے ضرب سوں تفران اجل کے بات کی
ہر گھٹ میں دل کا دھاک سوں سے تھے رکھت کی کچ
مرتیاں کے اہو کے بھرتے دہرتی پو جب مورتی دہرہ
لوٹاں کے پھلیاں پر دسے جالے دین ہر ڈوہ میں
چکتیاں سراں کیاں تیرے دتیاں کنول کے پھول
دیرے بکھرے جا جھل ہرے سلیمانی دہر یا
چو لاگن کا عکس پر سارا کسنا ہو رہیا
اہو میں رنگے جاسب کنکریا قوت ریزے ہو رہے

میں سوں اس کا دہنی دعویٰ دہرے حقدار کا
جس کا انگلی نت دہرے ذرا سوں ناتا یار کا
اپڑے نہ دو جی عمر لگ تس پر قیاس یک بار کا
گر نانوں کوئی لینے منگے تس راہ ناہموار کا
آتا ہے واں بھالنے بچے سیمرخ دریا پار کا
ترجک کا دل لے دو جنم کہویتی یک بند کا
ہو ریک دغا کا جو عمل جالے اسی بدکار کا
تو منج طرف دیکھیں نہ یوں ہوں لکے ہنی منج لکا
نی نت پڑیا سو گڑ عجب او جا ہو بھاری بھار کا
شہ نیست تب کرے منگے پایہ و و ناہنجا کا

زہرا کا زہرہ گل رہیا آواز سن جھلکار کا
جیوں آگ کیاں بھلیاں چک بربسا بدل انگار کا
گو بھین کے جون لگتے پھرتے پھرتا ہے حقا نار کا
جم کی بھیتے کم نہ تھا دھبکا گز کی مار کا
ہر رنگ کے گل تے تھا عیاں فوارہ اہو کے دھار کا
جینیاں پوت پڑے لگیا ڈونگر پو ڈونگر ہار کا
تھا گل کے دوڑے کے منن تا گا سو ہرز مار کا
پنچہ جھڑیا سو وند تھا ہر تس وندل کے سار کا
سنگ یہودی ہو دلاں دامن بھریا کھسار کا
جب لال منل سب زمین اوڑے جو تک بند کا
جوں مانکیاں دسنے لگیا ڈنگین ہو چورا گار کا

چٹکیاں نہ تھیاں ہو کیاں مگر بونچ لکینے شاہ کا
 ہو رہے مویاں زہد مند نابود سب کہنڈ لاٹ
 لشکر کے جمے کم نہیں شہ کے وزیراں کا کٹک
 مہنی پوشہ کی فوج کے جس کے ملائیک پیش رو
 اس فوج طالع دار کوں دیکھے فلک کے بلب ملک
 نکلے جد ہر شہ باند رخ فی الحال اہ دہرتے فتح پی
 بلغار شہ کی پیش رو ہے عقل کی بی دوڑے
 اینٹیاں جوشہ عادل علی جب مرتضیٰ آباد کوں
 صف پر گنہ گاران کی تب قائم قیامت ہو رہی
 جو جان آئے سو تیو پنج واں حیرت سوں سار دنگ
 شہ کے غضب کی رت لگن نہیں سرکشی پر آئے لگ
 تحقیق سب جانے کہ اب آخر تھے پر آسمان
 یوں الاماں کی ہانک سب چونہ ہرتے کڑ پڑتے ہی
 جب شہ چڑے گھوڑے اپریوں فتح گڑا سیا کئے
 کہنا ہے دہن اس المی کوں ہو جس کوں ایسا خلیف
 جس گھر کی نعمت تے جنم پالی گئی ہے سب میں
 جس دل کوں کر حب الوطن کیتی ہو لندن رشتہ
 ریت جہر کی نت چھانوں میں پانی ہو آسائش جہاں
 جس قول ثابت کوں پتیا سمرغ آدے قات تے
 دنیا کشاکش کر اگر بھاڑے فلک کے دودھ کوں
 سہو آبی تس کی بات میں نامیر ہوئے ظاہر کہیں
 ہیں کہ شجاعت کی ظلمت ان کا خلف یو سوری

پاتاں پو بن کے آسمان افشاں کیا چھڑکار کا
 جیتے ہوئے نہرت پھیلے بونچ اپنی دیدار کا
 آصف کی صف تے ہے اوک حملہ ہر یک سردار کا
 و مدار پشتی بان ہے جم جم مدد کرتا رکھار کا
 بوٹے کہ عالم گیر ہوے بیشک یو بہار اتار کا
 آدے لگیں جوئے ہیں مدد سے ملک آوار کا
 نا جہانک سک سے دہم جہاں ہوشہ ہنی تس تیار کا
 زیر و زبر جگ کوں کیا آواز اس مہنکار کا
 بسے کیس یک کی مدد پیش آسب دشوار کا
 صورت میں ہر تن یوں دسیا جو نقش ہر دیوار کا
 شہ شور میں دل جا پڑیا ہر نایہ اشتزار کا
 ہر گز تھنیا سکے نکوئی بل بہت کی دے آوار کا
 عاجز ہو کار طی کہ کپڑا سٹ دے دہندہ استار کا
 تب کہ میں شایاں کے ہوائت در اور گفتار کا
 سو اوڑے صاحب ہیں جم پاکر کرم کرتار کا
 تو آب دریا میں اتر ہے تس کی کھار کا
 ہو ر گھر کرامت سوں جنم ہے تس زبان میں پیار کا
 تس کا کرم توجہ کوں جم آوار ہے زردھار کا
 رکھوال ہو رہے سنگ نمن شہ زانی تس دربار کا
 سر رشتہ پھر ساندے اسے تس جہد کے پکار کا
 گریو گزرتے دل میں ٹک جس کے سچے اوتار کا
 جس تیغ روشن تے چھپیا بل کفر کی زندکار کا

جب اس علی کے ہاتھ تے ہو آئے فتح خیر
جوں شب کے خوش نفاش لے دالے سفیدی
ہونے میں سن خوش جلوہ گر شہر گشت ات شہر
نس میں عجب شہ سور سائلیا جھلکتا نور سوں
چند نانہ تھا بل شرم تے گل گل کو پڑتا تھا چند
چوند ہر ہلا لان شعلایوں بھر ہیاں شعلایوں
چاروں رخ رنگ میں بھرے ہر بھانت باجے یوں
پھولاں کی چھتری سا گن تاریاں سوں بھر شہر تھا
ہر ہر قدم چلے آگیں چند ہوشہ کے پانوں گل
اس شہ ترنگ کوں دیکھنے نکلیا سو گلشن تے یوں
اے شہسوار اس وقت پر پڑے شہا باں سوں
شہ شہر پاس آئے وہیں لے ہر یہ امرت کی کھڑے
چند نانہ تھا بل چاند اپس کسوت دیا تھا شہر کوں
جوں شمع کی فانوس تے ہوتی ہے خوبی جلوہ گر
الحق کہ حق میں جاگ کی جو توفیق رنج تے آئی ہو
تیرے قوی طالع کی اب سو گند ہوئے عالم تے
رنج حکم مانیا سو اہی مقبول ہو دارین میں
فہم و شجاعت عقل و دل شرج خدا بخش کیا
تیری صنعت سیاقی بولیا ہوں یو پوڑ میں
گو ہر ہنر کا بے ہا تجہ دور میں قیمت دہریا
مغفل تھا یں یورتن پاتیں ہوا اتجار میں
گر رنج نظر تے یک رتن کچے بے ہا پاوے تو ہوئے

دار الخلافت کی طرف کیتی ہوس رفتار کا
کاسہ سنے کے جل تے جب خالی دسیا زنگار کا
کر لے ہوس لیا دل سنے کسوت کیا زرتار کا
چندر او پر کالے کلنک نہیں رہ سکیا اندکار کا
نادیک سنگ سنگ شعلہ اس موہی جھپکار کا
جوں نور بھار آہا ہے چل گلزار و لالہ زار کا
قاضی فلک کا حال ہر پروا شیا دستار کا
نیکھا گلاں کا چاند ہو تھا سایہ بان دیدار کا
بھوئیں پر بچھا تا تھا اپیں اجلا گٹ جھمکار کا
ہر دم کیا تحفہ آگیں خشوی کی مہکار کا
کرتے تھے نس ہر دک پہ رنج باران گہر ایشار کا
اقبال پیش آیا اپیں بنداجو تھا سرکار کا
تامن کوں صافی بخش ہوئے نظارہ سنی نگار کا
یوں شہر کوں روشن کیا شہ کا درس انوار کا
عالم بسر سے ناکد ہیں یو شکر رنج اپکار کا
حقا کہ رنج ہر دم مدد ہے حیدر کردار کا
مردود عالم ہے رکھیا جن رنج سوں رخ انکار کا
بخت و جوانی کا اول دے بل اپس کے پیار کا
کنجن کی او تم بست کوں کیا کام تن کن کھار کا
دولت تے رنج تیار ہوئے جس لگ ہر ایشار کا
تو شاہ عارف شستری ہے ہر در شہوار کا
تاریاں کا خور دے لگن صراف منج بازار کا

معلوم ہوتا شعر اگر کہتے سو اس بستر کا
کرنا ہے ٹھارے ٹھارے ادا کیوں لازماً شاعر کا
بولیا ہوں بوجیوں تیوں بری بری سکتی رکھا
طرہ بنانا چیرا دک جیسے بی نازک تار کا
اے شاہ عارف اس ابرو واقف ہو سکتا ہے
کافی ہے دو جگ میں تجھے تل فیض نس آثار کا
قائم ملک یو چتر اچھو شہ جگ کے پالن ہار کا
(ادراق ۳۲ تا ۴۳ ب)

دس پانچ بیت اس بھانت ہیں کہ تو شو قول کیا ہوا
سیوٹ ہنرمندی کے فن کہتیں قصیدہ ہو عیاں
استاد عالم کا جو میں شاگرد تھا کر گسترین
کے موشگافی کا ہنرمیج ہمت میں ہون نہیں
یک حرف کہتیں شہ تجھے ہوتے ہیں لک نہیں سمجھ
اے نصرتی مشغول ہو شہ کی دعا کے ورد میں
ہے آسمان یار ب ملک دہرتی کے سر پر سایہاں

دکھینو اور مغلوں کا ایک معرکہ

از
علی نامہ مصنفہ نصرتی

آغاز جنگ سے قبل کے لمحے جس عالم میں گذرتے ہیں ان کا ایک دلچسپ اور صحیح نقشہ پیش کرنے کے
بعد لڑائی کے لئے جو یکایک ہل چل شروع ہو گئی۔ اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں خالصین
یعنے مغل فوج کے کردار پر بھی ایک تنقید پیش کر دی ہے جو شاعرانہ جوش اور لطیفی تعصب سے
مملو ہے۔ اس کے بعد ہی لڑائی کا خوفناک سناں دکھایا ہے جو نصرتی کی قادر الکلامی کا ایک
اچھا ثبوت ہے۔

دکھن کے سب اعیان تھے مہمان
نشین میں ہر روح راحت گزریں
اتھا یک گت میں ہو بیٹھ یک طرف
نہ بازی کی مذکور جان بازی باج
دیرری میں رستم کی ٹھولیں زباں

اسی رات ارسطوئے دوراں کے یہاں
سنوارے تھے کئی انجمن دل نشیں
ہر یک نامور لے دیران کی صفت
نہ نغمی بن گھر کچ گت کوں رواج
کہیں لے کے شہ نامہ شہ نامہ خواں

سکندر کی مردی کے بولیں نکالت
شجاعت تے ہوئے چلیں ات دوکن
کھولیں ہوزرہ کیاں کڑیاں تن بنگ
دیکھیں تول ہاتھ سون دھار کے بار
کہ گو آٹھے گا منغل سات کام
جو دہر تاپے یوں دشمن بدامید
سبی شیر مرداں نے غصہ میں آئے
اوتاریں اون سر تے مستی ہیں
کہے مہالداران کہ ہے زین زین
سلج باند سب راوتاں ہو رترنگ
گتے چار آئینہ روشن بندے
قبایان دیکھیاں تو تھیاں بے عدد
دامیاں پہ چوند ہرتے لکڑی پڑی
ہد رتا ہے سیاب جو تھال میں
سوالاک پر بت گر جئے لگے
رکھے تیز تانہ ی نظر باد میں
لگس رست چھترایں کے موہاں پھٹ
دو گرد آگن کے طبق میں جہی

چلی تھی دکن دل پہ کس دہات سنا
دسے ناگئے انتہا ہو ر او پرج
نخنا جس میں سردار اصحاب میل

لنگ لے سفینہ نظامی کلمات
دلیراں ہریک بھانت ززمیر سن
پھولگیوں تہور سول مردان کے رنگ
جے شیر شمشیر میاں لے کاڑ
دیا شوق یوں سب کوں جلدی نام
تلک یوں کہے آکے جاسوس بھید
بد اندیش کے دل کا جب بھید پائے
کریں تیغ سوں پیش دستی ہیں
دلیراں اوٹھے بولتے دین دین
گھڑی (بھر) میں ہو مستعد بے درنگ
قوی بکتران کوئی سو جوشن بندے
زرہ و غلہ بیٹے کتک چہل قد
ہوی فوج جوں مستعد جس گھڑی
گنگن پر تارے ہوئے مال میں
جتنی بھیر و بر غم جو بچنے لگے
سواراں چلے مست ہوتاؤں میں
دسے فوج دریا نمن ہر طرف
جو پیے گئی بھارتل سب زمین

کتا ہوں اتا فوج دہلی کی بات
کہ جس فوج کوں دیکھے میں سمجھے
ہتیاں کا عرابہ چلے میل میل

سراسر اگر بھار سارا دسے
 سبک منہسی ہو رہی بھاری کتے
 یک یک ملک کے نام آور جوان
 مغلان کتے ملک و کئی لشہر کے
 جفتی قزلباش اذبک بلی
 مروت کے مغلس محبت کے شوم
 فیرب ان کے فن میں بڑا بردہ ہے
 پنجہ جن میں اصلا مروت کی بوئے
 بدی باپ سوں اپنی میراث جان
 دیکھیں کچ ہے جہاں فائدہ آپ کو
 ایسے میرزا میر کشمیر کے
 خراسانیاں اصفہانی کتے
 کمند از کوئی گرز بازی میں چست
 بھوکے ہو کے جھگڑے کوں پھرتے دیر
 خلال ان کے دانتاں کا بھالادے
 کتک ذات کے تھے روہیلہ اوٹ
 دلیری کے بن کچ نہ اول میں ادبار

تو یک فوجدار اس میں دارادے
 اتھے کئی صدی ہو رہی کتے
 دو اسپہ سپہ سپہ بے گمان
 کتے ہندو کئی ماورالنہر کے
 قندھاری کتے بلخی و کابل
 فراست کوں طوطی نخواست میں بوم
 جنم جن کا ابلیس شاگرد ہے
 کریں اس سوں بد جس نے نیکان یہ ہو
 برادر (کا) خون شیر مادر پچھان
 پنچوڑے سکے بھائی ہو رہا بکوں
 غریب سپاہی بی چوند ہر کے
 دماوندی و دامنہ تی کتے
 تیر انداز کوئی نیزہ بازان درست
 لوہے چاہئے دل نہوئیں انکے سر
 گراں گزر مکھ کا نوالا دے
 زبردست پنجابیاں دل کے گھٹ
 جنم رہ کے شہراں میں ایسے گنوار

مغل ہر مہر میں بڑا کار ساز
 لڑائی کے فن پر قوت حیلہ باز

سب اس دعوات فوجان خوش آتے
 ہر ایک مرد کا شوق تازہ ہوا
 چلیاں تھیاں عروساں ہونو آتے
 لٹاپٹ بدل ذوق تازہ ہوا

دلے سخت خونریز جان سوز تھی

خوش آنے لگیا مویں میں گھر گاں کے آب
اوبلے لگے تیر تر کش مسین
کہ پھکتا ہے جوں باد لیکر جو جنگ
سواران بھوکے رن کے باگان دسے
نکل یوں مھرائے دونو دہیریوں
لڑنت کا جنگامہ رہیا لال ہو
زمین کی دہک تے فلک ہل بجا
نکل آئی جوں میان کے لب تے بہار
کیا جیونے دشمن کے ہونٹاں میں ٹھار
کڑا کر زنبوریاں تے پر زور اٹھیا
ادچایا دھواں باد ہواک کی گرد
پکڑا گرد میں اڑ رہی ہے جتی
زمین پر فلک آکے بیٹھیا دسیا
معلق ہوا پر بندیا کون فرسش
انگے لیکے عشا فوج ہاتیاں کی دست
سلج پوش دل پر کڑا کر گھسٹریا
نیستان میں جوں گر جتے ہیں باگ
لگے ہے نیستان کوں آگ جوں
چلیں جوش سوں آہنی جوں نلے
ہوا بھر کے تیران سو تر کش ہوئی
اڑے کھیت تے جوں نہراں تلیر

عجب فوج رنگین دل افروز تھی
جنگ کا سماں -

غینماں کے بھیجیاں کوں کھلے تھپ
کمانان رکھیاں دل کشا کش منین
پھو کیا تیز یوں سخت بھالیاں میں رنگ
بھڑکتے ترنگاں ہو آگاہ دسے
نکلتے ہیں جوں باگ پخیر کوں
رکت بھوئیں پہ پڑ پڑ کے پال ہو
ہزاراں ترنگاران کا لک تل بجا
زبان ہو کی پیاسی کھرک کے اپار
ہر یک کہ تے آواز سن مار مار
شرانگیز بانا تے شر شور اٹھیا
جو یک دم چھوٹی توپ ہر فردوز
دسے نس میں تر وار ہلکی جتی
دھواں جس نظر میں جو بیٹھیا دسیا
کہے دیکھ حیران ہو اہل عرش
مغل کا جو بادی سیویا پیش دست
اول اس پہ شرزے کا پنجہ پڑیا
دیران کریں نعرہ یوں ہو کے آگ
چھلنے لگے گرگ بھالیاں میں یوں
بھوساندیاں تے لہو یوں موندی پچ
کماناں کی رت جب کشا کش ہوئی
چھوٹی صفت تے یوں ہر یک مہ دلیر

کہے تو کہ ٹولاں کی نکلی ہے فوج
 دسیا ہوا دھچکتے فوارے کا جال
 پھو کا پا ہے غصے سوں جوں پچ بال
 ہوا ہر ترنگ عین عسکریت سار
 لکڑیاں کے جوں فیل کوں آئے پر
 لگے جا کے سو ج کے کڑیاں کوں لگ
 کیے کو فتنہ سرکوں گرز گراں
 دلاں پچا پچ چھوڑے جو خنجر کو پیش
 مر بار ہیا ہو کہ بنیاں میں دل
 کرے مغز خوار می تو دل چاک تھا
 دیاں کئی سواراں کوں لٹھیاں سولیا
 نکل بھار دیدے پڑے ہو کہ مسد
 ہریک سر پہ آبِ بھج اسپن پڑی
 یو پا پچو کی غالب ہزاران پہ آپچ
 یکیلایج آکر بھڑیا ہو گئے دلو
 اجل نازل یکبارہ آفت کرے
 زرہ کی کڑی موبو ملوق ہوئے
 گئے کر پو تعظیم خاطر نشان
 کرے یک بہ یک تن کو یوں رنگ برنگ
 ہوئے دنگ سر دھونٹے بیٹھ مست
 دیں مغز بادام ہو رطب انور
 اپس سوکے کاسیاں میں بھیجاں کشک

ہوا لال گیتی پکڑتیرا وج
 لگیا تیر ہر تن پہ جب بالے بال
 دسیا زرہ پوشان کا تیراں سو طال
 چوبے پا کھراں پر جو تیراں پار
 ہمتیاں کا ہوا حلقہ یوں سرسبر
 دم تیختے یوں اوٹھے شعلہ جاگ
 کریں ہمتہ تن کوں تیرے بے کمان
 کیاں جب کٹا ریاں نے مینیاں کو ریش
 مہرا ہوئے سب لہو کے شربت میں مل
 ہریک تیرا ایک مار صناک تھا
 شپاشپ جو برچھیاں موٹھیاں کھولیا
 پڑا بار ہو جس محلے آکند
 بنکوی کس مدد کر سکے ش گھڑی
 کے منغل سوکوں دکھنیاں نے پانچ
 ملیا دار کوں یک پہ یک آکے جو
 دم تیخ قائم قیامت کرے
 اجل کا جو جس مرد پر ذوق ہوئے
 منغل آئے کر گھر کوں جہان جان
 زمین صدر رنگین بنا لے درنگ
 کتے سے اجل کا ج پی ہو کے مست
 کریں نقل مستی میں ش با الصنور
 گنگ کھا کے پینے لگے غم کے اشک

سورج سخت طوفان کا ایک اوبال
ہلاوے جو پر زور آنے لگے
ہوا سب یو اروح سوں بھڑکے
منگیا چڑے چندر کی کشتی نکال
تہی ٹول میں ڈللائے لگے
پون پر اوک مارتے پر رہے

برسونکا کام لمحوں میں

از
علی نامہ مصنفہ نصرتی

شاعر کا مربی علی بیجا پور کا نیا نیا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک باغی کی سرکشی کے لئے وہ اپنے ایک سپہ سالار
کو روانہ کرتا ہے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ تو خود یکا یک دشمن
پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ اور ایک بالکل چھوٹی سی فوج سے ایک ایسے فتنے کو رفع کرتا ہے جو بید خطرناک تھا
نصرتی کی رزمیہ نگاری کا ایک۔ پر لطف نمونہ ہے۔

سورج ہات لے تیغ آتش فشان
لگے دوڑنے سات بادل شتاب
اسی وقت شاہنشاہ صف شکن
لیا آج ناجائے یہ گڑ اگر
کچیا توڑنا غار بہتر دے
سکندر ہولنا جج فوج اسکندری
مربی تیغ کوں شیر مردان نے جس
جج اوچار کے کام کون کیا بچار
تہ سوچ شیوں منگا دین ترنگ
کیا نین وزیران کے لشکر یہ میل
کے ہرے سکت جو سکے کرنگا ہ

کیا جب رواں ابلق آسمان
غاصر چلے تس کے ہو ہم رکاب
کہ گڑ کی تدبیر میں لوں بجن
تو ہوے گا انکے یوج فتنے کوں گھر
کہ چھوڑے تو ہو تختہ خنجر دے
دیا کس مجھے پنجہ حسد ری
دیکھوں آزا باری یو تیغ و کس
مری تیغ کوں یہی ہے ہلا شکار
چڑے گھوڑی سینے چلے گڑ اپنگ
خارہ اپس ہو راپس خاص خیل
اٹل فوج دو ہو رپو سردار شاہ

چلیا دہم پہ دہم شاہ جوں ہبلی
جھلکنے میں شہ کی شجاعت کی تاب
جلالت کی جوں تیز لونی دہریا
پکڑتے تھے میدان لڑنے جو تیز
سوکا شیر کی چک کے چٹھے تے آب
سورج دیکھ دہشت پکڑا تھر تھریا
لگے ڈرسوں ڈہنڈے کوں راہ گریز
سٹیا کھود - فتنے کا پا یہ تمام
اوڑایا کھنڈل کر غنیمتوں کی گرد
(صفحہ ۳۱۱ تا ۳۲۲)

نماز تہنئے کا بیان

از
شریعت نامہ مصنفہ شاہ مالک

یہ نظم ادبی نہیں۔ لیکن اس لئے شامل کر لی گئی ہے کہ اس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دو سو سال پہلے اردو میں خشک موضوعوں پر بھی کس مادگی کے ساتھ نظمیں لکھی جاتی تھیں۔

نماز کے تہنئے کے ہیں بیست و پنج
نماز میں کرے بات یا کھائے توں
بھی کرنا سلام یا توں اُس جواب
نماز میں پکارے دیا آہ کہے
بھی تہنئے در د کے رونے منے
کھنکارے اگر بے عذر کوئی یار
پڑے گا غلط کوئی قسراں کوں
طلب بھی کرے یوں خدا تے جے
بھی دنیا جواب چھینک کا در نماز
تہنیکا فرض ترک کرنے منے

نمازی نے کرنا ہے یو یاد گنج
پہراوے جو قبلے تے سینا و موں
دے توبی تہنئے سن اے شہاب
تہنیکا اگر ادوہ ہور دام کے
کرے گا عمل یک کثیرا جے
تو جائے گا نماز اس تے سن کہنیا
بھی تہنئے پھرے دیک فرقان کوں
جو کرتے طلب جوں کہ ادیاں منے
ہنیکا جو قہقہہ تے با اواز
بخس پر بی سجدہ کرے گا جے

امام مقتدی غیر بھی لیوے بول
بھی بولے خطا اپنی غیر از امام
بھی اچھنا برابر مرد زن اگر
زمین نے اچا دیے تو سجدے مئے
بھی صاحب ترتیب اچھیکا جو کوں
تئے گا نماز اس تے سن نیک رک
امارتے انگین مقتدا ہوئے کھڑا
نبر نیک بد یا عجائب جو کوئی
نماز میں جو اس کا دیوے جا بیا گر
تئے گا بی اس تے کتا ہوں سکھوں
نماز ہوئے فاسد بی اس کا تمام
موافق رد اتھسرمیہ یک دگر
بھی تئنا اگر ہر دو پاوان کئے
وقت بی نماز کا اسے تنگ ہوئے
نماز میں قضا گرا سے یاد آئے
تئے گا سو جا نو نھنا تا بڑا
اگر چہ بقران حدیث پیسے ہوئے
تو جائیگا نماز اس تے سن کان دہر
(ادراق ۱۴۳-۱۴۶)

سوال و جواب

انہ بھرام و گل اندام مصنفہ طبعی

انہ و غزلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ غزل کی شکل میں شاعر نے دوسرے مضمون کو ادا کیا ہے
اس قسم کے غزلوں کی اردو میں قابل افسوس کمی ہے۔

بھرام کا سوال

غزل ہوا مجھوں بردتے سدہ گنوا میں
تجے دل میں چھپایا ہوں اپس کے
اتھا دانا سو دیوانا ہوا میں
خرابے میں لگایا ہوں دیوا میں

اچایاں ہوں تمہے غم کے پھاڑاں
صنم تیرے بدل ہو کر برہمن
منجے کیا دیکھتی ازمان گل اندام
عجب ہے نین سنیا بھٹکرموا میں
گلے میں اپنے بجایا جانوا میں
پرانہ ہوں نہیں عاشق توامیں
(صفحہ ۵۹)

گل اندام کا جواب
غزل تجھے حاصل نہیں ہے مجھ تے بن غم
تیرا دل ہو گیا پھوڑا دو گلوں تے
مرا پا نل پو سر شیرانہ ایڑے
کہ ہاں لک غم توں کھانگا بول بکر
نیا لگا اس چمن میں تے توں میو
نکو کر غم میں اپنا یا تو محکم
نہیں اس زخم کا نیچ پاس مرہم
کرے کھن کی فتن گر تو کمر غم
منجے توں چھوڑ دے آج بھوت غورم
ہوا کو تہ سخن دالسا علم
(صفحہ ۶۰)

حس وطن

از بہرام و گل اندام مصنفہ طبعی
طبعی کے یتیم چھوٹے چھوٹے پارے اخلاقی شاعری میں ایک اچھی جگہ حاصل کر سکتے ہیں۔
جکوئی یاد کرتا نہیں اپنا وطن
اگر کوئی غمت میں شاہی کرے
اپس کوں دیکھے کھول کر جو آنکھیاں
وطن سب کوں دنیا میں پیارا ہے
ادمردا ہے پیرن ہے اصل کا کفن
اگر مال ہو ر ملک لا کھاں دہرے
دیے خاک تن کا وطن کا نشان
سفید سو جوں باد باران ہے
(صفحہ ۶۳)

مقابل دوستی

نکو دے (توں) مجلس میں ناکس کوں راہ
نہنئے آدمی تے توں ہرگز نہ مل
ہمیشہ توں ایچ عاقلان کے حضور
توں مجلس تے نادان کوں دور کر
ہمیشہ ہرزند سیوں بار ہو
توں صورت تے جاہل کی بیزار ہو
کہ سہل آدمی تے خدا۔ فیہ سہل
نہ ہنس ہر کسی دیکہ کر کھیل کھیل
یو صحبت سے جاہلان کے ہو دور
گھر اپنا نیررگان تے معمور کر
توں صورت تے جاہل کی بیزار ہو
(صفوہ ورق ۳۴)

غور و مشورہ

توں اندیشہ ہر کام میں بھوت کر
نکر کام ہرگز توں اندیشہ باج
کہ اندیشہ ہے کام کے سر پو تاج
کہ اندیشہ بن کام ہوتا خراب
توں اندیشہ کر مرد کاہل سے
بد اندیشہ کر تا ہے کام ہار
نہ کر توں اندیشہ بغیر کام کج
ہمیشہ توں مل بیٹھ عاقل سے
کہ اندیشہ ہے بھوت عانی تو ہر
(دوق ۳۳ ب)

سوال و جواب

از دیوان عبداللہ قطب شاہ

عبدالمصطفیٰ شاہ کی شاعری محمد قلی کی شاعری کے نہ تو ہم پہ معلوم ہوتی ہے اور نہ اس کی طرز پر کی گئی ہے
زمانہ کے فرق کی وجہ سے ان کے خصوصیات میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ لفظی شان و کجوت
اور زبان کی سلاست عبدالمصطفیٰ کے یہاں صنف قابل ذکر ہیں۔ لیکن خیالات کی ہندی اور اسلوب کی
گھلاوٹ صرف محمد قلی ہی کا حصہ تھا۔ ایل کی تینوں نظمیں عبدالمصطفیٰ کی قوت شاعری کا بہترین
نظم ہیں۔

اردو شاعر



سلاطین محمد الہی قطب شاہ

سوال و جواب

گفتہ کہ اے پری توں ہے فستہ زمانا
گفتہ کہ در جہاں یا لیلیٰ ہو آئی ہر توں
گفتہ کہ خاں وزلفت کیا ہو سوبل منج کو
گفتہ کہ در ہوایت پھر ماہوں ذرہ ہو میں
گفتہ کہ خانہ تو کاں ہے نشان دیکھ
گفتہ کہ در دبانت امریت کا ہے چشمہ
گفتہ کہ کیت ایں جاتیرا پران پیارا
گفتا کہ راست گفتی اے گھن بھرے سجانا
گفتا کہ من چو مجنون پائی ہوں تجہ دولانا
گفتا کہ زلفت راحت ہو ز حال سوہو دانا
گفتا کہ در دل تو کی ہوں ازل تھے خانا
گفتا کہ ذرہ پرور سوبرج ہوں میں توانا
گفتا کہ خضر ہو توں اس چشمے پاس دھانا
گفتا کہ شاہ عبداللہ ہے ترا پرانا
(صفحہ ۷۸۲)

(۲) عشر محفل

بول دل کشا عشرت محل مطبوع اوتارا ہوا
ہر طاق یاں خوش طرح کا دستار پیا فرج کا
انکھیاں سوں چندر سور کے دیکھ آسماناں
دیویں صفاد یوار سولگ نقش ٹھارے ٹھارے
نازک اپنبا بے مل لکھیں بھریا ایسا محل
جیوں پھول تازا بن منے جیوں پوتلی بوجھ سے
صدے بنی کے پا اناں اس محل میانے ہزراں
جوتی زمین کی پیٹ جیوں مشتری مارا ہوا
عاجز ہو اس کی شرح کا حیوان سینا را ہوا
عاشق ہیں اس کے نور کے کیا خوب ٹھارا ہوا
خوش بان یاں عطار سو فروں کا ہارا ہوا
باندیا نہ کوئی آخر اول حبشید یا دارا ہوا
توں آج اس دکن منے یو محل تم سارا ہوا
جم عبد لاشہ تر کہاں بھوگی گنہارا ہوا
(صفحہ ۷۸۲)

(۳) انتخاب یار

اے پری پیکر ترا کہ آفتاب
یاد ایسا تارا دکھاتا ہے ہنوز
دیکھتا ہوں تو رہے نامنہ میں تاب
دیکھ تیری زلفت کا وچ و تاب

میں بچے بلقیس کوں تو کیا عجب ساج ہے بلقیس کا تاج کوں خطاب
قند ہو نابات گلتا ہے ابھوں دے نہ سکے ترے مسٹھے لب کا جواب
تجہ بہشتی خود نوں دیکھا ہے جن جم حرام اس پر ہے دوزخ کا عذاب
شاہ غم اسدنی صدفے بچے خوب رویاں میں کیا ہے انتخاب
(صفحہ ۷۸۳)

سخن

از
قصہ ابو شحمہ مصنفہ امین

شاعری کی فضیلت اور اس کے مادی فائدے ان چند شعروں میں نہایت خوبی کے بیان
کئے گئے ہیں۔

دنیاں میں بزرگی سخن کر، ہے سخن تے بزرگی بشر کوں ہے
سخن لے ہوئے، او جو خائل بشر سخن جس میں ہے سوا و کامل بشر
سخن کا سبوں میں بڑا اعتبار سخن تیج دنیا ہے برستار
دلاتا ہے سب کوں سخن دو قباں پنتا ہے سب کوں سخن کسوتاں
سخن خوب ہے سب جو ابرسنے سخن کے جواہر ہے سب کتنے

روح افزا اور میاں

از
رضوان شاہ و روح افزا مصنفہ فائزہ

روح افزا اور شاہزادہ رضوان شاہ پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اور اس کی محبت دل میں طرح طرح کے شہ
پیدا کر دیتی ہے۔ اسے یقین نہیں آتا کہ رضوان شاہ بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب
وہ ایک پیامبر کو روح افزا کے بیان بھیجتا ہے تو وہ اپنے درد دل کو بے اختیار بیان کرنے لگتی ہے۔ یہ
شہ پارہ ہندوستان کی ترجمانی میں میر حسن کے اس شہ پارے کی شکل کا ہے جس میں بدرینہ کی حالت پیش کی گئی ہے۔

پلک زد مئے ہوئی گرفتار میں
 درد عشق کا دیں ہویدا ہوا
 مرے دل میں بھوکھاٹ بیٹھا عجب
 مری جیب بھی لٹ پیٹاے لگی
 مری بھوک بھوئیں شتابی گئی
 کیا برہ دل کوں مرے چار باٹ
 مجھے اپنے گھر میں بھی آرام نہیں
 بغیر شاہ کا یا دینے مجھ کوں کام
 نہ یو دو کہ اپس دل میں سنہ سکوں
 نہ کس کی رفاقت بھی بھاتی مجھے
 کہ جگ میں ہنووے مرار از کاش
 بہوت دو کہہ دیکھی اس نھنے سن میں
 پکڑنا نہیں ٹمک مرا دل مسترار
 سمجھتا نہیں مجھ کوں اردپ دو
 تو کھڑے جنگل بھاڑ مجنون ہو
 تو باطل کروں سور کے نور کوں
 کرے نور کہ سوں مرے اقتباس
 مرا حسن دنیا میں تھوڑا نہیں
 مرا حسن ببری ہوں جس مجھ میں حال
 کمری نین ہوں یو بات کیں آشکار
 قصہ بول شہ کا توں نا آکو باز
 دو شہ جان ہے نور کس ماہ کا
 دو بیدہ ہے یا کہ ہے دل میں سوز

ولے شاہ کا دیکھ دیدار میں
 مرے دل مئے سوز پیدا ہوا
 ہوا باو بار مرا جیو سب
 میں باتاں مئے گڑ بڑاے لگی
 مرے موں پوکی لالی شابی گئی
 کیتک دن کوں اکلا ہوا مجھ اوچاٹ
 اگر سچ کہوں اب بھی بے سدا ہوں
 میری یلین کوں نیند ہو ہی ہے حرام
 نہ کس سوں یو گفتار کہنے سکوں
 نہ اس درد میں کوئی سنگاتی مجھے
 ولے جو بھی کرتی تھی میں یو تلاش
 او پر خوش ہوں کیتی ہوں باطن میں
 مجھے وقت گتا نہیں ایک ٹھار
 دیکھیا نہیں ہے اجنوں مراروپ دو
 اگر خوب دیکھے مرا حسن دو
 اگر ٹمک دکھاووں مرے سور کوں
 پھرے چاند ہر ش مرے آس پاس
 وجاہت مئے مجھ کوں جوڑا نہیں
 ولے جب جو دیکھی ہوں شہ کا جمال
 بغیر وصل دل نا پکڑے مسترار
 تجھے جان محرم کہی ہوں یو راز
 کہ دو شاہ فرزند ہے کس شاہ کا
 اوسے عشق بچا کہ یا نین ہنوز

ارادہ ہے اس دل میں کس دھات کا
کہ ہے تیوں یوسب بولنا ہی مجھے
کہی سن کہ ہے تیونچہ کہتی ہوں حال
اوسے بی نہایت ملک ہو رسیا ہ
دو پالے گیا میرے دامن سے
درد ہو ر دو کہ میں سنبھالا ہوت
پڑ یا دو چ آخر تری قید میں

لگاؤں دل اس سوں محبت کروں
یہی نفع ہے زندگانی سے
کروں اپنے دل کوں یک ٹھار بند
ایکس کپاچ ہو کہ اچھوں یار میں
یو دیوانگی بے اندازہ کروں
دیکھاؤں پہکا عشق شیریں کا
جو بسرے اپس دو کہہ کوں سیف اللوک
کہ عشاق کوں ہوئے شرمندگی
مرے بعد میری حکایت کہیں
اوسی غم سوں دل کھول کرنا ہنسنے
ہیں آرام ہے اس کوں یک سات کا
اجھوں دو ترانا نوین جانتا
ہیں ہر جس میں سو محبوب میں
جفا بس ہے ، آہرانی اوپر
(ادرات ۱۴ تا ۲۰)

اسے کون محرم ہے اس بات کا
ترے شاہزادے کی سوں ہے تجھے
یوسکر بوڈی ہو اول سوں غم شحال
دہ شہزادہ ہے نا لوزضوان شاہ
پلائی ہوں دو داس کوں نہیں پن سے
اوسے باپ لاڑاں سوں پالا ہوت
وہ سمجھا کہ لا دوں تجھے صید میں
اتامی کہتا دیکھ کر ہر کسی
جو کچھ عاشقی میں ہے محنت کروں
کروں عشق بازی جوانی سے
علم عاشقی کا او چاؤں بلند
یکس کا ہوا ہوں گرفتار میں
حکایات مجنون کی تازہ کروں
ہوں خسرو محبت کی آئین کا
پرست کی بدیع سوں کروں یوں کہ
کروں عشق میں اس وضع زندگی
مری عاشقی کی روایت کہیں
وہی رات دن پنج من میں ہے
برس سوں دیوانا ہے اس بات کا
اوسی خیال میں دیں گز رانتا
ایکس کوں تپانا بھی یوں خوب نہیں
اتارم کرشہ کی جوانی اوپر

بات چیت

از

رضوان شاہ روح افزا مصنفہ فائز

اس چھوٹی سی نظم میں اس حقیقت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ طریقہ گفتگو ہی کسی آدمی کا رعب قائم کرنے یا اثر نمانے کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔ اور یہ کہ آدمی بات چیت ہی سے جانچا جاتا ہے۔

سمجھ آدمی کا دسے بات میں	پڑے عیب سب بھارا اسی سات میں
زبان سول صدارت اچھے گیان کا	زبان سول ہے تصدیق ایمان کا
زبان سول اچھے دوستی دشمنی	زبان سول ہی غامز باں سو ہی لاڑ
زبان سول فصاحت ہے ہو ر شاعری	زبان سول کرامت ہے ہو ر ساعری
بڑی بست ہے آدمی میں زباں	کہ سارا ہنر عیب کرتی عیاں
بندے علم منطق میں لوگال کتاب	کہ بولیں سمجھ سول سوال و جواب
سمجھ بات کرنا بھی آسان نہیں	سمجھ گیان میں جس میں انسان نہیں

(درت (۲۶) (۱)

ایک خط

از

ظفر نامہ مصنفہ لطیف

ماہیار کا خط عمر علی کے نام جب کہ اول الذکر قید ہو گیا تھا اپنی محبوبی کا ذکر اپنے آقا کے ترانہ

مضمون نامہ

سیادت پناہ صاحب قبلہ گاہ	مددگار تنہا اچھوں منت اللہ
کہ معنی نماند تم پر یو را نہ	کتا ہوں سنو سر بسر کھول باز
ازیں جانب اے فدوی ماہیار	دلچسپی فراوان اکمل استوار

کہ میں وہ محب ہوں تمہارا سدا محمدؐ حنیفہ نہ تنہا ہے
یوں بولیا ستا نیرید تیں اپندا ہنوز ان کی کے بھالی پنہا ہے
علی کے سپوتاں سو خوشخوار ہیں ان دل سے ان کے سکل یار ہیں
یو سب متفق ہوئے کر ایک ٹھار حج آخر سو ماریں گے کر خوار و زار

یوسن کر صلابت و لرزیا اٹھا کروں کیا کہ دنیا بدل ہو اسیر
گیا تھا اسے ہیبتی یوں بستا ولیکن محب دین و ایمان تے
یو مرد و دکن ہو رہیا ہوں وزیر کہ فی الجملہ کر بولیا ہوں بیان
شریک ہوں تمہارا دل جان لے تے یو مطلب سوا تلچ تھا جان لیو
متن پر سو محفی ہو دے یتوں عیاں لکھیا ہوں کر اظہار محفی کلام
سو کر مشورت سیٹے پھچان لیو زیادہ یہ کیا لیکھنا والسلام
(دوق ۹۵ ب ۹۶)

شعری نتیجے

از

پدماوت مصنفہ غلام علی

غلام علی نے اپنی شہنوی میں ایک طرح کی جدت سے کام لیا ہے۔ وہ ہر بیان کے آخر میں اس کا ایک اخلاقی نتیجہ نکالتا ہے۔ جو اردو کی اخلاقی شاعری کا ایک اچھا جزو قرار پاسکتا ہے۔ مثلاً حسب ذیل انتخاب میں قسمت، دنیا کی بیوفائی اور نیکی وغیرہ کے متعلق اچھا شاعر پیش کئے گئے ہیں۔

غلام علی جس کے تیں ہے حیات جئے حق کی توفیق سوں کوئی دعات
اگر جاوے گا باگ کن دھیت کر کھڑا موں پھرا اس طرف پیٹ کر

پڑے جا اگر آگ میں ناگہاں
ہو وے او اگن اس او پر گلستان
(۵۷)

غلام علی نین دنیاں میں وفا
کہ جوں کا نہ کا ہے چونا زندگی
دنیا کا یوسے کام کوئی سراو پر
دو دن کا سو جینا نکر پا نال

غلام علی کہہ بھلا ہر کسے
بھلائی سے توں بھلا پائے گا
ہو وے کوئی براتوں بھلائی پھوڑ
برا کہنے سوں جگ میں دشمن دے
برائی سوں سر پر بلا لیاے گا
برا بول کس کوں اپس میں نہ توڑ
(۶۰)

غلام علی جس سوں دل لایے
کتے خون دل سوں سو دل لاؤنا
بنا ور کے جانے سے دک پائے
بچھڑنے سوں بہتر جو جو جائے
تو یک تل منے توڑ کر جاؤنا
تو انسان خاطر نہ غم کھائے
(۵۵)

حَالِ وَل

از کلیات میر جعفر علی زٹلی

میر جعفر علی کو بالعموم ایک نہرل کو شاعر تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی حسب ذیل نظم ظاہر کرتی ہے کہ سنجیدہ مصنفوں پر بھی وہ قادر الکلامی سے لکھ سکتا تھا۔ اس نثر میں جو عجز و انکسار اور انسانی ظلمت کی حقیقی جھلکیں نظر آتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ایک شاعر محبوبوں کی بنا پر ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

دریعا از چہل بگذشت سہالم	بجا باشد ازین فہم گر بنالم
کرے اب دھول راجا لے چڑھائی	سٹی (۹) اب سیام ٹھا کر کی دھائی
ہوا جو بن نگر جب سب لندہ ورا	پھر اجب دھول راجا کا ڈھنڈورا
ارے من باد رے اب سو دنا کیا	ریلے نینواں (۱۰) بن دن کھو دناں کیا
بوڑھ پایا آگیا جو بن گیا بھاگ	اند میری ۲ میں لکھن لگے ناگ
ارے جعفر نکر اب سوچ آتہا	محمد کے قدم سے لا و چیتا
محمد بار اوتارن ہار سب کا	محمد سرور سالار سب کا
حی الدین صاحب پیر میرا	ملا دیں اب محمد سے۔ سویرا
خدا سین رات دن ہت سین بتا کر	محمد یا علی ہت سین جہا کر پ
نہ تو رہے گی نہ یہ سبہ رہے گا	بولا کر لال تجہ سے کیا ہے گھا
جو پوچھے بات تجہ کوں لال پیارا	کہ پچرے پیچ میں کیا کیا سنوارا
چہ خواہی گفت اے طوطی جوابش	بکن امروز فکر دین خطا بش
دریغ اے طوطی روحانی من	کہ گہ در سنجہ رہ جسمانی تن
نگفتی یک سخن از براہ وحدت	نماندی یک نفس بادشاہ وحدت
زبان بر نہل کوئی ہا کشود ی	دریغ اوقات خود ضایع نمودی
باب و دانہ مشغولی در لعلنا	برنگ خانہ مشغولی در یعنا

بآب و دانہ تو مت بھول طوطی
 نہ ایں الحان (دو) آب و دانہ ماند
 نیدانی کہ یہ چنبرہ جتن کا
 کہے سب کی رے کا خاک میں جا دے
 اری طوطی کہوں میں بات کس کی
 تجھے چپ آپکڑ بلی دبوچے
 تجھے تب کون اے طوطی چھڑا دے
 بھائی رات تجھ کو سو دیتی تہ
 پیارے لال سے قہانہ جوڑا
 سجن سے آج توں ریاں منلے
 وگر نہ کیا بھروسہ اس پون کا
 نمی دالے کے تب سوچے نفع کیا
 اندھیری گور میں دیا نہ باقی
 کہتا سوچ یہ من میں بہا ہے
 پڑی ہے دور سنڈل وقت تھوڑا
 بیا جعفر تو کل پر قدم رکھ

بخوش الحان تو مت بھول طوطی
 نہ ایں خانہ نہ صاحب خانہ ماند
 کشد آخر بہ بر حلہ کفن کا
 نجانوں تو کہاں اڑ جائے گی ہائے
 لگی کہنے برہ بیرنگ سسکی (۹)
 پکڑ کر گردن پر اور مانس نوپنے
 پکڑ بلی کے پیچھے سے بچا دے
 بھیا ناں دن تجھے دکھ رو دتی ہو
 ہوا اور حرص سے ٹک مک نہ موڑا
 رنگیلے مسج پر کلیاں بچھالے
 یکا یک آئے پھینچا دن مرن کا
 پلک دو چار کے دم کو وفا کیا
 یکا یک چل بسے شکھی سنگھاتی
 کہ مجھ کو سو دتے دن ڈھل گیا ہو
 نہ تو شہ راہ کا اور رنگ گھوڑا
 خدائی یاد دل میں دم بدم رکھ

مرح اورنگ زیب

کلیات میر جعفر علی زٹلی

اورنگ زیب کے معاصر شعرائے جو اس کی طرح کی ہے اس میں یہ نظم اس لئے خاص اہمیت رکھتی ہے
 کہ یہ ایک ایسے شخص کا نتیجہ قلم ہے۔ جو بہت کم کسی کی مدح کرتا تھا۔ ذیل کی نظموں میں جعفر نے داتا
 پر ایک خاص نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

زہے دھاک اور نگ شاہ ولی
دریں پیر سال وضعیف بدن
بر آور د عسکر بسا دھوم دھام
زہے شاہ شاہان کہ گاہ و گاہ
جہا سوز چو دھابی بے بدل
کمر بستہ ہنثار میدان پر
بڑے ڈنڈ والے دکن بیج آئے

دراقلیم دکھن پڑی کھل رہی
چمائی دھما چو کڑی درد کھن
کہل چل پڑی برسر دم شام
نہ ہلد نہ ٹلد نہ جبہ ز جانی
چو البرز قائم چو پرست اٹل
شب و روز طیار گھمسان پر
سکند حسن کوں کیا ریح آئے



مرثیہ اوزنگ زیت

بنال اے عندلیب گلشن ہوش
اکل بے گل ہوا سنار سارا
کہاں اب پائیے ایسا شہنشاہ
رکت کی انجھووں جگ رو تاہی
صدائے قوپ د بندوق است ہر
بہر سوار مار و دھاڑ دھاڑ است

بکن انجان خود از غم فراموش
بخون طیار شد مریم خمارا
کمل اکمل و کامل دل آگاہ
نہ میٹھی نیند کوئی سووتا ہے
چھا جھٹ و پٹھا جھٹ است ہر سو
اچھل چال و تبر خنجر گذار است



ہجو مرزا حسن دایار

کروں اب خبر شہر بازار کوں
خدا یار پر صبر میرا پڑا
تڑا تڑا تڑا تڑا تڑا لگے
مصاحب نہ کیجئے کفن چور کوں
محو اور جو کوئی شفقت رکھے

لگے آہ میری خدا یار کوں
کہ تالاب پر یہ بکھیرا پڑا
شک چال مرزا لگے بھاٹنے
کہ پھوڑے پدر پیر کی گور کوں
جگت بیچ اس کی خدایت رکھے

رنجی

از
دیوان ہاشمی

دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ رنجی کی ابتداء شمال ہی میں کی گئی۔ ہاشمی کی
مذہبیت اگرچہ اس نوع کی شاعری کی ابتدائی کوششوں سے ہے لیکن اس قدر علیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی اس کو
پہلی کوشش نہیں سمجھ سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی زبان محفوظ کر لی گئی ہے۔ آخری
غزل شاید شاعری فطرت کی بہترین ترجمان ہے۔

بہوت روزوں سوں جیتا میں نے دھن کس گنا میں
کہا کیا چٹ لگائے کی بوری ہر چٹ تہا میں
چچیل توں بات پکڑی سو ہوئے میں بخت مجھ غالب
عجب جھلکاٹ دتا ہے میرے جس کے شکر میں
او جسدن گول کنڈی میں گئی ہو باد میں بااں
ہیں تم مل کو بیٹھے تھے سکی جردن دو لاکھیں
ادبار اگھر میں ہوتا گر بنگ لیا لمبار لبانا سو
انگن سے تب بلوں آکر تیں جب سو بار تیں
اے دودن دل برا کرتوں پو ا جڑیا چاندنی چند
کہ میں تحقیق آتی ہوں تجھے ملنے اندھا کیں
سکیاں پھر کہی سنے گیاں ہو کہی گیاں ہاشمی منجوں
کہ اداے شوخ کسی خون رکھی ہو جو نظارے میں

لائس کوں جا سہیلی میرا سلام بولو
یو عرض ہے ہمارا دل کا تمام بولو
سچان اے سنگاتی تجھ تے پھر رہی ہوں
ان پانی سب بتی ہوں سونا حرام بولو
فاقہ درس کا پیارے سینوں اوپر پڑیا ہو
بھوکیاں کوں دے صوابی دین علم بولو
مجھ تن بگر کوں قابض رہے نے آگیا ہے
پھرتی ہوں جوں مسافر نی تھو بھٹا بولو
سندن زبان میں میری جاگا کیا ہے آکر
شہد و شکر سوں میٹھا تیرا چ نام بولو
پھر تا سو آس میں بو تھو میں چہ دیکھ بھڑا
ہو ہر بان غم سوں روتاج شام بولو
عرفان کیاں کتاباں پڑنا کھی ہوں تیرے
جب تے لگی ہوں پڑنے تیرا کلام بولو
کسی پرت پیار سے سی دن چپا رکھی ہوں
کہتی ہوں دن رہے ناب خاص عام بولو

ان سوں کرو وقائی اب بیونا کو انا لائن نہیں تھا یو کون کام بولو

سج بول ہا سستی توں عارت سمجھ کو پوچھے
لائن کہ ان ملیں گے سو مجھ منگام بولو

منجھے پڑے ہیں کی چھوڑا دیکھو ہانک مارونگی
جئے جھوٹ موٹ باتاں کر بولنا کر لیاے ہیں تمنا
اسے کٹنی میں تو سمجھی منجھے کئی آداری میں
اونے ہنگے تو میں یوں کئی آیا تو پناح طسوں میں
تنہا ہوئے ہانک مارے پراتا اوس تجھ چپے ہیں
او جرگے کیا ظلم کرتا پڑوسی کوئی دیکھیں گے
خدا کی سوں میں معنتی ہوں بڑی بو کو پوکارونگی
میری پیزار پرے لے سواس کٹنی کون وارونگی
کنگھی کرتی ہوں چوٹی بھاپناستان سنوارونگی
صبح ملکر سیلیاں کن یو باتاں سب بچارونگی
صبح کٹنی کا سر مونڈ کر میرا یو دند سارونگی
منجھے ہانک چھوڑ دے بارے جو پردا جا اوارونگی

نکل جا ہاشمی توں تو خدا ستا ہے میرا
اگرچہ کوئی دیکھیں تو میں سو گند بھاپنا رونگی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھونگی
اونو یہاں آدیکھیں گے تو کہوں گی کام کرتی ہوں
نزدیک میں ان کے جانے کو خوشی سوشا دھو دلیں
پکڑ کر بات پردے میں بجاویں گے تو میں کونگی
بلا یا جیو کالے جیو میں پڑونگی پانوں دلسوں میں
کرونگی ظاہر چپ میں غصہ ہوزان ہٹ لیکن
سولا دیں گے تو اوسو اٹھونگی وانے یوں کہہ کر
بھانا کر کے موتیاں کا پردتی ہار بیٹھوں گی
اٹھتی ہوڑھٹھتی چپ گھڑی دوچار بیٹھوں گی
وے لوگاں میں دیکھلائے کون ہو بنیارتیوں گی
گھونگٹ میں مکہ چھپا کر مک میں ترکا مار بیٹھوں گی
وے ظاہر میں دیکھلائے کون ہو اغیار بیٹھوں گی
میر سجن پرے جیو اپنا یہ جیو میں دار بیٹھوں گی
چو خون دا خوشی میری میں ہو ہوشیار بیٹھوں گی

کنے کون چپ کئی ہوں میں وے میں ل میں گھٹ کی ہوں
نزدیک ہو ہاشمی سوں ملکو آٹوں پیار بیٹھوں گی

ایک نافر کا ایفائے عہد

از

ہدایت ہندی مصنفہ ضعیفی

یہ ایک عام اور مشہور قصہ ہے۔ ایک جانور کا آنحضرت کی خاطر قید میں واپس ہونا۔ عہدگی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ خطوط کی خرابی کی وجہ سے اس نظم کے بعض لفظ سمجھ میں نہیں آتے تاہم مطلب صاف ہے۔

بھی ایک روز پیغمبر راہ پر
سودیکھے یہودی کول آتا ہے
یکایک ہرن نے زبان کہول کر
کہی یوں کہ اے خاص خیر البشر
تیس لاک میرے واسطے ہو زبان
کہ تا جانوں اپنے بچوں پاس میں
کہ آیا ہے میرے چو چیاں پنج دود
بچوں کول پلا دود آتی ہوں پھیر
نچے میرے رات سوں ہے بھوکے
کہوں سخن تصدیق کے تول سوں
تھنڈا کر میرے دود کا دیک میں
چھوڑاؤ مجھے اے رسول امین
جو حیوان کی منہ سے سنے جب سول
کہے چھوڑ دے مک اسے جان دے
سوسن کر یہودی نے بولا یہ بات

کئے تھے جو اطراف کنن گذر
مگر ایک ہرن کول لاتا ہے
نبی سات وہ رمزدابول کر
میرا بند چھوڑ آ کہ اے بول کر
زبان ہو نبی تک دلاؤ ماراں
کروں دور دل کا سود سواس میں
بوٹک پاؤں تو جا کر میں آوں زود
تیں ملک میرے حق میں ہو دستگیر
ہوئے ہوینگے ان کے سینے سوکے
سنے بات ہرگز نہ جھوٹ بول سوں
یدی میاک آتی ہوں بھرگیگ میں
جو پاؤں تمہاری سوں میں بے غمی
سو بولی ہو میرے سوں یوں تب سول
بچوں کول پلا دود پھر آن دے
کہ حیوان چھوٹے پہ کب آئے ہات

تیس اے ٹھہر چھوڑا سنے او سے
 نہیں میں زباں اس کا دی ہوڑوں
 نکلاتیں نہ ہرگز کرے مجھ سے بابت
 نہ اندیش نہ چھوڑ دے ہوڑوں
 بہت وہ یہودی نے ہو کر عجب
 بہت خوب کر کر دیا چھوڑ بند
 دشمنی سوں وہ اپنے ہنکاتے چلی
 پلاد و اپنے بچوں کوں اونے
 بزان پھر اسے راہ دہرا پنا یک
 او یک تبارگی سوں وہ لینے ائے
 خوشی سوں پھر آئی ویسا دوڑتی
 جو دیکھا ہوئی نہیں ہے ہر نیو دیر
 سچا قول کہئے نبی سات وہ
 دیکھا معجزہ وہ نبی کا عجب
 اکے او نبی کے قدم پاس او
 کہا صدق سوں اے رسول میں
 آنا مجھ کوں تم دین کی بیج لاؤ
 کرو مجھ پر یہ شہادت بیان
 جو دیکھے نبی اعتقاد اس کا راست
 تب اس وقت وہ رحمت عالمین
 شہادت زبان سوں بولا اسے
 جدا ہو کر تب وہ راہ میں سوں

یہی پھر کر نہ آوے تو پوچھوں کہے
 میری اتنی فرمود کے مان توں
 آنا جا کو آدگی پھر تیرے بات
 یو میرا کہا کچ نکو توڑ توں
 بارے وہ نبی کا کہا مان تب
 سوہرنی چلی خوش ہو کرتی اند
 سو جا اپنی وہ بچوں سوں ملی
 سو ہلکی کر اپنے پھتیاں کوں ائے
 بنی اس جگہ جا کھڑی ہں ملک
 سو لیکر بچوں کوں شکل آپ نے
 بنی سامنے میں تہکاں پھورتی
 نبی کو سو وعدے کوئی آتی ہے پھر
 سو آئی یہودی کے ہر بات وہ
 فدا ہو یہودی نے فی الحال تب
 دی بوسہ کہی اپنا راس وہ
 سچی ہے سچائی تمہارا سو دین
 مجھے دین اسلام کے راہ دیکھاؤ
 جو ایمان لایا نہاں اور عیاں
 کہ دہرا ہے ایمان لائیکا خواست
 دیکھائی اے راہ ایمان میں
 اس میں تب ملے اے
 ملا کر ایمان اور دین سوں

امام حسین کی تیاری جنگ

جنگ نامہ شاہ محمد

یہ بحر کہنی شاعروں کے یہاں غالباً کم استعمال کی گئی ہے۔ شاہ محمد نے ادب پیدا کرنے سے زیادہ واقفکاری کو ملحوظ رکھا ہے۔

اگرچہ زبان صاف ہے۔ لیکن ادبیت کے فقدان کی وجہ سے دلچسپ ہیں۔

کوئی نرینہ رہیا نین	بزاں حسین دیکھی وین
قصہ عزا پر لیاے ہیں	بران آپس آئے ہیں
تیزی اوپر بھائی زین	نفر چاکر تاہیں کیں
اپنی ہاتوں زین اچا	شہر بانو وں اٹھ آ
دیکھی حسین شہ سرور	بھاتی تھی جوں تیزی پر
پوچھی تم یو کرتی کیا	دل میں افسوس ہو غم لیا
بولی ایسا لکھیا ان	بزاں بانو امتا سن
تمن خاطر تخت بچھا	کوئی دن ایسی تھی اے شاہ
دندیاں میں توں جاتے شاہ	آج کے دن ہی کیا آہ
تیزی پر میں بھاتی زین	تم پر ایسا وقت کٹھن
روتی سب مل ہاک پکار	آنا کہتی نفرا مار
رات میں دیکھی خواب بچھا	بھی یوں بولی سن اے شاہ
روکر ہاتماں سرائے دہر	جوں سستی ٹمک تلمک کر
جانو سچیں ایک ایک	تو لک اس میں سہنا دیک
نبی محمد کیری دہی	آئی بی بیاں کی بی بی

خاتون جنت شمع جہان
 برسوں اتری آئے پاؤں
 کربل میں ایک جاگتا جا
 دستی تھم لی غمگین پر
 دامن گیری پلوسات
 کنکر پھتر کیتی دور
 دو جگ بی بیان کی مہسبر
 اے بھین جھاڑیں سو کیا کام
 بولی ہیں اد پاک ضمیر
 میں ہوں حسین کسری ماں
 فرزند میرا شہ سوار
 جس پگ دیکھی روشن بین
 شہید ہو گا کر تر وار
 تو میں جھاڑی یہ ہی گت
 کبت کانٹنی کنکر سنگ
 سپنا دیکھی ہوں میں رات
 تعبیر اس کا دستا آہ
 سرور بولو منجہ جواب
 رات کوں دیکھی ویسا میں
 مظلومی کا حال ہوا
 ہنسنا اوپر یو سختی کا
 رونی لاگے یوں نیٹ
 یوں پلاتی او بانو

حسین گیری سکی مان
 فاطمہ زہرا جس کا ناؤں
 جانو فاطمہ مادر آ
 یاد ر سیتی باند کمر
 جانو اٹکر اپنی بات
 جھاڑی وازکی بھین خسرو
 میں ہو پوچھی اے مادر
 بولو منجہ دھیر کھول تمام
 بزاں یوں کرمیری دھیر
 پھر کر بولی سن ری ہاں
 دن صبا کی ایسی تھار
 سرور غازی شاہ حسین
 سوان پر کر ایسی تھار
 کنکر تن میں چو ہیں مت
 مت ای چو ہیں اس کی انگ
 یوں روکے فاطمہ بات
 اتنا دیکھی خواب اے شاہ
 بولی بانو ایسا خواب
 ایسا خواب میں دیکھی میں
 میں بھی دیکھی خواب فدا
 دشمنان کی خوش وقتی
 کیوں کر رہوں یینا گھٹ
 غم یو کرتی شہر انو

ایسا منجھ پر عال کھڑیا
 لٹ پر داماد اوتھاسم
 داماد تھاسم نیک جوان
 اس کی شادی کا احوال
 بیوہ بیٹی مسیری ہے
 چھوڑ کر چڑیاں ننگی ہات
 نت کون کاری توڑ بیسر
 مہندی جو دیکھو ہات
 ایسی شادی نین دیکھی
 جلوے کے دن ہو جدا
 رن پر جاتے باراباٹھ
 ایسی دکیاں کون اے شاہ
 یو دک البیا ساریاں کا
 غم پر غم ہے ساریاں پر

اصغر بالک او مریا
 رن پر گذریا او خاتم
 شہید ہوئے کربل میان
 لہو میں احمر کسوت لال
 رو رو کہ اودھوتی ہے
 ملتی بیٹی دونوں ہات
 غم سوں روتی سینا بھر
 لہو میں بھر کر دونوں ہات
 جیسی دیکھی بیٹی کی
 دولا اس کا کر ودا
 اس کے خاوند کا سرکاٹ
 چھوڑ کر جاتے تم ایتا
 رونے لاگے ہیبت کہسا
 اہل زنا کی ناریاں پر

حکایت راجہ

از

پہنچھی باجھا مترجمہ وجدی

نظموں کی زبان ملیں اور ادبی ہے اگرچہ محض واقعات بیان کئے گئے ہیں لیکن۔ ادبی
 حلاوت سے خالی نہیں۔ ایک راجہ کا قید ہو کر مسلمان ہونا اور پھر اسلام کی خوبیوں
 سے واقف ہو کر اس خیال سے پتا کہ کاش میں پہلے ہی مسلمان کیوں نہ ہو گیا۔ نہایت
 خوبی سے قلم بند کیا گیا ہے۔

کہیں ہوا محمود سلطان کا اسیر
 دین سوں کیتے بنی کے روشناس
 دل دو عالم سوں کیا اپنے جدا
 رات دن رولے لگیا جب زار زار
 روز اس کارا سوں بدتر سیاہ
 ہوئی براں محمود سلطان کو خبر
 مہربانی سوں کیا توں کیوں ہزار
 جی توں یک ساعت میں ہو جا نہال
 دکھ سنے اپنا نکو گالوں سر پر
 میں رومین جو ملک مال سوں
 جی قیامت میں کہیگا یونچہ رب
 کسوٹا کیتا ہے توں ایسا جفا
 تجھ نہیں سلطان آیا جو لگوں
 آسرا میرا لیا اے زشت خو
 دوست سمجھوں یا کہ دشمن کر تھی
 یوں وفا داری منے ہے کیوں روا
 سوز دن کا ہو زاری رات کی
 راہ انصاف و وفا درپیش لیا
 نین تو بات اس بات سوں کوتاہ کر
 ہے جوان مردی منے اسکے قصور

ہندواں میں کوئی راجہ تھا گنہگار
 ایک آئے جیوں اسے محمود پاس
 جب ہوا اسلام سوں او آشنا
 ایکلا جا میں گوشب کی جہار
 کچھ نہ تھا کام اسکوں غیر سوز و آہ
 سوز وزاری جب گئے حد سوں گذر
 بس بولا را جا کوں شاہ نامدار
 میں تجی دیونگا تیا کچھ ملک و مال
 اون کو رسبحانت ای راجہ گنہگار
 بس لگیا کہنے کوں راجا شاہ سوں
 سوز وزاری ہے منجے اس کے سبب
 ای میرے بد عہد بندے بے وفا
 میں کیا توں یاد میرا تو لگوں
 جب کیا لشکر کشی تیرے پہ او
 میں کیا توں یاد لشکر میں منجی
 کر لگوں تجھوں جفا منجے سوں وفا
 شرمساری ہے منجی اس بات کی
 تو بھی اے درویش دلریشی پہ آ
 جی وفا تجکوں تو عزم راہ کر
 کوئی اچھے راہ وفا داری سوں

(ورق ۱۳ اب تا ۱۴ ب)

حکایت عاشق

از
پنجھی باچھا مصنفہ وجدی

ایک عاشق تھا دیوانہ بے خبر
از قضا معشوق نکلیا اک وہاں
پس ایک لکھ کو اس کے بندوں
عاشق اوٹھ کر اچھی دیکھا جو کھول
اے دیوانے اسوضا سوتا ہے کیا
ہو اگر زابد ہے تو بیدار رہ
بھی جو عاشق ہے تو آتا ہے عجب
مرد عاشق تو سدا بیدار اچھے
تجکوں نالیو ہے نہ آئے مودغام
عشق میں سونا تجے گر سہل ہے

سورہیا تھا نیند میں یک گور پر
نیند میں عاشق کوں دیکھا ناگہاں
باند کر جاتا رہیسا آندسوں
یار کے خط سوں دے اسہیں بول
اوٹھ جو سودا گر ہے تو دوکان پہ جا
بندگی میں سب اپس ہشیار اہ
نیند چک میں عاشقان کے آئے کب
دن کوں حیران رات کوں ہشیار اچھے
لان میری عشق کا ہے تجھ حرام
عاشقی کے کسب میں نااہل ہے

(ورق ۱۱۳)

ایک غلام کا فخر

جنگ نامہ حیدر مصنفہ اسٹ

اس نظم کا اسلوب نہایت رواں ہے۔ لڑائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ کسی غلام کو اپنے آفاقی قوت اور خیاں انتقام پر اس سہرا پر یہ اقدار نہیں ہو سکتا۔

قبر نے سو یک وار بد کر دیا
سحل نے سو او دار رد کر دیا
پیالے کیا وار تیرا قبر
سحل نے لیا تازیا نے او پر
بھی چو تھا ضرب دے ہو گھوگر
قبر کی سو تلوار گئی ٹوٹ کر
قبر کا پچلتا ضرب بات کا
سحل بعد از ان گرز آسمان کر
حیاتی قبر کی اتھی پور پور
قبر سو ہوا (پا) پیادہ دے
پڑیا جب کند میں قبر ہو ایک
قبر کوں بند با بات سوں آستوار
سو اس میں قبر کوں تبسم ہوا
”مگر ہے دیوانہ یا خفتی مگر“
سنیائیں ہے تو خواجہ میر علی
پچھوڑے تجھے کیس زمانے میں جاہ
پچھوڑے تجھے ساتھ آسمان میں
پچھوڑے تجھے سات دریا کے پار
نکلے ترا جیو یک لات سوں

سحل نے سو او دار رد کر دیا
سحل نے لیا تازیا نے او پر
قبر کی سو تلوار گئی ٹوٹ کر
سحل تھا کتا کفر کی ذات کا
سو مار یا قبر (کے) او پر بان کر
سو گھوڑا قبر کا ہو اچور چور
سحل نے کند کھول ڈالیا گلے
سحل بھی پیادہ ہوا بے درنگ
ہو سر کاٹنے کوں سینے پر سوار
سحل نے کہا کیا رسم ہے ترا
مراجیو جاتا ترا کیا فسر
ود شیر خدا پہلوان بنی
اگر باد ہو توں تو او شہسوار
پچھوڑے جنگل ہو رہیا بان میں
پچھوڑے تجھے کیس زمین کے تار
امید وار دوزخ ترے ذات سوں

سحل نے کہا اے تو خفتی گر سحل کی شجاعت سنیا نہیں گر
ادل ماروں خواجہ کوں تیرے حضور بزاں مار تجگوں کر دوں چور چور
صفحات ۱۸، ۱۹، ۲۰

شہید کربلائے حسام

از
مراثی اشرف

دو نومرثیوں میں حضرت شہر بانو کا غم بیان کیا گیا ہے۔ ایک بیوی اور ماں کے جذبات۔ پنج و الم کے بیان کرنے میں فطرت نگاری اور ادبیت دونوں کو عروج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

کہاں ہے وہ ولی والی حید حسن میرا کہاں ہے وہ حسین ابن علی صفہ شکن میرا
اگن سوں ماتم شہ کے جلا ہے تن بدن میرا برنگ برق خرمین سوز دل ہے ہر سخن میرا
لگا ہے بسکہ تیرا تم شہ دل منے کاری شہید کربلائے غم ہوا ہے جگ میں سن میرا
ہوس گلگشت رمضان کی کرے کیوں علیہ لب محبت کی گلی میں شاہ دین کے ہے وطن میرا
ہوا ہے بسکہ زخمی خنجر واغ غم شہ سوں برنگ لالہ ہے سریز خون دل فائین میرا
مہ ذخورشید کے جھلکا رسوں بسن دن پرور صبا کے حب آل مصطفیٰ سوں آئین میرا
کیا ہوں بے بدل یو مرثیہ جیو لالہ مونکا ہوا مشتاق ہر یک شاعر ملک دکھن میرا
جو کوئی ہے صدق دل سوں دستار آل خیمبر اے اشرف اس کے پگ کی خاک ہر کھل میں میرا
(بیاض مرثیہ نمبر ۱۳)

۳

حضرت شہر بانو کا بانو

انوکہیں اصغر نہیں اب میں جھولاؤں کے تیں سونا ہوا ہے پالنا اب میں سولاؤں کے تیں

وہ پھول سوکھا نیرین اب میں بناؤں کس کے تئیں
 بیدم ہے دیکھو آج وہ اب میں جگاؤں کس کے تئیں
 بے جان پڑا ہے گود میں اب میں مہناؤں کس کے تئیں
 سوتا کفن وہ اوڑکرا اب میں لیجاؤں کس کے تئیں
 دکھ میں بھولاتی اس کہلا اب میں کہلاؤں کس کے تئیں
 تیس دھاران دود کی اب میں پلاؤں کس کے تئیں
 اس کے بجائے کوں گلے اپنے لگاؤں کس کے تئیں
 رور وکے میں بیہوش ہوں اب میں دلاؤں کس کے تئیں
 تاج بن اے احمد ماجرا غم کا سناؤں کس کے تئیں
 (بیاض - مرثیہ نمبر ۲۱۶)

ہنلا کے تیں کپڑے پنا اس کوں بناتی گل من
 سوتا تھا وہ جب نید بھر پیٹا اٹھاتی درد کوں
 جب مسکراتا وہ بچا میں شاد ہوتی دل منے
 جب شہ کو غم گئیں دیکھنی لیجا کے دیتی گود میں
 جاتے تھے شہ جب بن منے اصغر کوں چھاتی لگا
 اٹھتا رور و دود بن اب یوں چو پی لیکر رہا
 آتش کے شعلے دل منے اونٹھے ہیں تہ بن اے بچے
 یک تل نہیں ہے چین مجہ غم کا بیان کیوں کر کرو
 اشرف نہیں محرم کوئی اس درد کا دنیاں منے

فراق گجرات

انہ کلیات ولی اورنگ آبادی

اس نظم میں شاعر اس ملک کی یاد میں اپنی بے قراری دکھاتا ہے۔ جس نے اس پر بہترین نقوش تازہ چھوڑے ہیں۔

بے تاب ہے سنے میں آتش بہاؤں
 شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل
 جیوں بال ہے آگن کے پر بے قرار دل
 آخر کوں اس فراق میں کھینچا خمار دل
 ہے جوش خوں سوں تن میں میر لا لہار دل
 دیکھا ہے مجہ شکیب سوں صبح بہار دل
 عشرت کے پیر ہن کوں کیا کیا تار مار دل

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
 مرہم نہیں ہے اس کے زخم کا جہاں میں
 اول سوں تھا ضعیف یہ پابستہ سوزین
 اس سیر کے نئے سوں اول تر داغ تھا
 میرے سنے میں آگے چمن دیکھ عشق کا
 حاصل کیا ہوں جگ میں سراپا شکستگی
 ہجرت سوں دوستان کے ہوا جی مرا گداز

ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن نہیں
سب عاشقانِ حصنور، اچھے پاکِ حریف
حاصل ہوا ہے مجھ کوں شرمِ شکست سوں
مجرمن ہوا ہے بدن سوزِ ہجر سوں
افسوس ہے تمام کہ آخر کو دوستان
لیکن ہزار شکرِ ولی حق کے فیض سوں
ہر دم میں بے قرار ہے مثلِ شرارِ دل
اپنا اپس ہو سوں کیا ہے نگارِ دل
پایا ہے چاک چاک ہو شکلِ انارِ دل
اسپند کے مثال ہے آتشِ سوارِ دل
اس نے کدے سوں اٹھ کے چلائے بُنال
پھر اس کے دیکھنے کا ہے امیدوارِ دل

(۲۸۴ - ۲۸۵)

شہر سورت

ان
کلیات ولی اور نگ آبادی

شہر سورت - یورپی تہذیب و تمدن کا وہ واحد منظر ہے جہاں اردو کے کسی بڑے شاعر کا اس زمانہ میں گزرا ہوا تھا۔ ایک ایسا شہر کسی قدیم شاعر پر جو اثر بٹھا سکتا تھا اس کا اس سے بہتر نقشہ شاید ہی دستیاب ہو سکے۔

عجب شہراں میں ہے پر نور یک شہر
اے مشہور اس کا نام سورت
جگت کی آنکھ کا گویا ہے یہ نور
شہرِ جویں منتخب دیوان ہے سب
میرج سن آگ اس کی جگ میں کاپنا
کنارے اس کے ایک دریاے پستی
کیا سب تنِ نجات سوں یہ جویں ق
شہر سوں ہے وہ ہسم بازو ہمیشہ
کہ آبِ خضر کی ہے اس میں تاثیر
بلا شک وہ ہے جگ میں مقصدِ دہر
کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت
اچھو اس نور سوں ہر چشم بد دور
ملاحت کی وہ گویا کھانا ہے سب
سمندر موج زن رگ رگ میں کاپنا
کہ دنیا دیکھنے کوں اس کے پستی
ہوا دریا اپس کے عرق میں غرق
دریا سوں ہے وہ ہم پہلو ہمیشہ
ہوا دیتی ہے اس کی یاد کشمیر

عجب قلعہ ہے وہاں اک باقرینہ
نرک قلعے کے بار اگھات ہے وہاں
اسے اس ماسیے پر جانے آدم
اے بیل پاک بینی سوں نظر کر
کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل
جو کئی دیکھا ہے ان کا باغ رخسار
جو ہیں وہ محض تصویرات اخلاص
کہاں ہے ساقی اخلاص انگیز
صفائی سوں کہلے مجہ جیو کا باغ
اسے سورت حقیقت کی نشانی
شرافت میں یہ ہے جیوں باب مکہ
اگر دیکھے ہیں ملو نکاں شام و تبریز
کہ اس بھتر کئے ایسے ہیں ستار
اتے آتش پرستان کی ہے بستی
فرنگی اس میں اتے میں کد پوش
وہاں ساکن اتے ہیں اہل مذہب
اگرچہ سب ہیں وہ ابنائے آدم
بھری ہے سیرت و صورت سوں ستار
ختم ہے امر داں پر اد صفائی
سبھا اندر کی ہے ہر اک قدم میں
کشن کی گویاں کی نہیں ہے نیل
ہزاراں اس سبب شیدا ہیں بیل
نہ کئی رقت سوں کھنچے شوخ بچل

انگوٹھی میں دنیا کے جیوں نگینہ
کہ دایم گلرخاں کی بات ہے وہاں
طلسمی باغ وہاں ہوتا ہے ہر شام
مٹانے کی قطار سوں بس حذر کر
ہر اک گل کے نرک وہاں پر ہر شام
ہوا اک دید میں وہ محو دیدار
سو عاشق پر دی میں بیچ ہی خاص
محبت کی کرے مجہ اپر ریز
کروں اس دردے کوں مریم داغ
کہ ہیں مہمور وہاں اہل معانی
تو ہے سب ملک پر اس کا جو سار
نہ دیکھا کوئی ایسا ملک زرخیز
کہ تاروں کوں نہیں ان کے نرک بار
سکھے فرد وہاں آتش پرستی
عدد وہاں جن کی گنتی میں ہی ہوش
کہ گنتی میں نہ آویں ان کے مشرب
وے جنش میں رنگارنگ عالم
ہر اک صورت ہے وہاں تصویر ہوش
وے ہے بیشتر حسن بنائی
چھپا اندر سبھا کو لے عدم میں
رہیں سب گویاں وہ نقل اصل
کہ ہیں وہاں غنچہ لب و لہا محفل
وہ مکھ کے باغ کن دیوار اخیل

نظر بھرد کھو ہر گلبدن کوں
رہے وہاں عاشقان کوں عام آواز
کسی کوں نہیں نظر بازی بنا چین
شہر بھیتر جو آوے محنان کا دن
ہر اک جانب دکھوں میں فوج و فوج
کے ہے پر دستے بے پروا ان کوں
کہ نہیں پردہ بغیر از پردہ ناز
کھلے ہیں رات دن سب غرقین
ہندو کی قوم کے ۲۰ شنان کا دن
تجلی کے سمندر کی اٹھے موج

صفحات (۲۷۹ تا ۲۸۳)

عرس شاہ وحید الدین

کلیات دلی اور نگ آبادی

یہ قصیدہ کئی باتوں میں مقامی کے قصیدوں کے مشابہ ہے۔ اوج تخیل و وسعت مفہامیں۔ اور پائیداری زبان اس کی سب سے نمایاں خصوصیتیں ہیں۔

اردو شاعروں میں نضری کے بعد اس شان کا قصیدہ غالباً دلی جیسا شاعری لکھ سکتا تھا۔

ہو اے خلق ادب پر پھر کے فصل ربانی
یہ آب صاف میں گوہر کوں دیکھ نہ جلتی
تمام پات ایسے بجمدہ کے بحکم
قطار قطرہ شبنم سوں آج سبزہ خضر
ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزش باواں
اس آب روح قزاق کے کمال لطف کو دیکھ
ہر ایک قطرہ شبنم بے عنیست گوہر
اب سوں حضرت حق کے زبیکہ مٹے ہے
چمن میں اس کے کرم نے دیا ہے حکمتیں
یہ لطف دیکھ ہوا ہے دماغ بسکہ محال
کیا ہے ابرے رحمت سوں گوہر افشان
صدف کی بیت میں گل کو ہوا ہے جویں پانی
زبان حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی
لے سجا ہات میں کرتا ہے اوعیہ خوانی
کیا ہے آج تفرج لے جوش طوفانی
چھپا ہے پردہ ظلمت میں آب حیوانی
ہر ایک پات پر برسا جو ابر غیسانی
ہر اک کلی ہے سوجیوں کو دکھ دیشانی
ہر ایک پھول کی کھڑی کوں رنگ مرجانی
بدل ہوئی ہے اتنی حافظے سوں نسیانی

رہا نہیں ہے جلالت میں نشان ویرانی
 پیئے ہیں آب منظر راز ہائے پنہانی
 کہ بلبلان نے لیا شیوہ غزل خوانی
 ہوئی ہے پھر کے عیاں حشمت سلیمانی
 ہر اک چراغ ہے جیوں آفتاب نورانی
 ہر اک سفال پہ دستا ہے رنگ ریحانی
 دنیہ میں چراغ کون تعلیم سجدہ گردانی
 زبکہ عود و عنبر کی ہوئی فرادانی
 کیا ہے خلق نے اس پر جو بس کاشانی
 کہ جس کے گرد ملائکہ کریں سبق خوانی
 عدم ہے آج زمیں کے اُپر تراشانی
 تری زباں کوں سر اور ہے سخن رانی
 ہے نقد علم ترار سلسلہ مسلمانی
 نتھے جو کشف ہوئے راز ہائے پنهانی
 عطا کیا ہے تری ذات کوں ہمدانی
 جو اس جناب میں آکر کیا سبق خوانی
 وہ سرخ رو ہے سو جیوں جو ہر بدخشی
 ہوئی ہے ختم تری ذات پر خدا دانی
 کہ تجھ سوں فیض یلے عالمان ربانی
 ہوا ہے سر سوں قدم تک تمام پیشانی
 ترے کرم سوں ہے اکثر کوں قرب حقانی
 اگر جو حق نے دیا سب کوں شکل انسانی
 وہ غم کہ طول میں تھا جیوں شبستان

تمام ملک ہوا حق کے فضل سوں آباد
 جو اس کے بھید کے پیاسے تھے وہ یہ پانی کچھ
 نہ ہے بہار حلاوت نہ ہے بہار طرب
 سو اس بہار میں آیا ہے عرس حضرت کا
 چراغ گرد میں روغن کے جو ہو روشن
 ہوا ہے بسکہ طراوت سوں یہ مکان سرسبز
 چراغ یہاں کے شاعرے غن ہیں گردانت
 ہوا ہے گنبد پر نور آج طلبہ مشک
 قبر ہے آج لطافت سوں غیرت گذار
 وہ جسم روح اور اس کا ہے جسم مرقد پاک
 یو دین پاک میں بے شک ہے تلوہ جہیدین
 تری طبع کوں ویا حق نے فہم پر مقصد
 ہے ملک دیں میں تری ذات کو کشتن نشانی
 ہر اک کوں اس سوں خبر نہیں ہے جلالت کے منہ
 دیا ہے حق نے تجھے جامع الکمالانی
 عجب ہیں جو دوسے عقل کوں وہ آج سبق
 سجدہ آفتاب سوں ہو کوئی کیا ہے کسب شرف
 خدا کی یاد میں از بسکہ محویت ہے تجھے
 تو وہ ہے فیض رساں باگ میں امبارک داتا
 سجدہ آستان پہ سجدہ تاکہ آکرے سجدہ
 تری جناب سوں ہے فیض طالبان کو دمام
 تری ہے ذات سرا یا حقیقت انسان
 ترے کرم سوں ہوا دل خوشی سوں آج بدل

تجہ آستان مبارک پہ مثل نقش قدم
تری جناب کا وہ صحن ہے سراپا نور
وہ آبِ حضورِ دل سرد کیوں نہ دایم
ملوکِ حوض کے کنو اں ہے آبروئے نین
فلک پہ فخرِ زمین گر کرے تو نہیں عجیب
ہے آرنی کے منظرِ مدرسہ یہ روشنِ صاف
ترے جو ذکر میں رہتے ہیں ذا کرانِ قائم
کئے ہیں وصفِ ترے گرچہ صد نبراز
نئے علم ہے مرنشکر سے شیریں تر
لکھا ہوں دل کون دلی یہ صبحِ عرفی

رکھے میں سیس چہ ایرانی وچہ تورانی
کہ جس کی خاک بہ از سرہ صفائی
یہ حوضِ پاک سوں جو کئی کہ آیا پانی
کہ جس کی چاہ میں دایم ہے ماہِ کُنغانی
کہ اس کے سر پہ یہ گنبد ہے تاجِ خاقانی
بگاڑ کوں ہے تماشے سوں کے حیرانی
ہے ان کوں حضرتِ داؤد کی خوشِ طعانی
وے ولی نے کیا مدح میں گلستانی
کیا ہوں بکہ جلاوتِ شکر افشانی
کہ ایں قصیدہ بیامنی بود نہ دیوانی

(۳۷۱ - ۳۷۶)

ایک مسافر کا عشق

مستزاد بیگ آبادی
از کلیات دلی اور رنگ آبادی

ایک دکنی شاعر شمالی ہند کے سفر کے لئے نکلتا ہے۔ وہاں کسی بانکے سے اس کی آنکھیں دوچار ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا جی نہیں چاہتا کہ اپنے وطن کو واپس جائے۔

ہے کس میں یہ قدر
لاگی ہے لگن تم سوں چھڑا کون سکے گا ؟
کردل ہوں زناقت
اب مجھ کوں وطن اپنے لجا کون سکے گا ؟
اے ہند کے بانکے
ہے نقشِ کناری کا ترے جا سے کے اوپر
ہیں زور نہ طاقت
دامن کوں ترے ہاتھ دگا کون سکے گا ؟
نہیں کام کھن سوں
ہوں خاک تہلری ہی گلی کا اے سر بہن
یوں گرہے حقیقت
اب مجھ کوں جازے میں اٹھا کون سکے گا ؟

سن بات ہماری
بن غمزہ ظرافت

صفحہ (۳۱۱)

مت مار دتی کون میں یہ کہتا ہوں کہسا کر
اس بھر کے طوار کون پا کون سکے گا ؟

عاشق کی ایک اہم آرزو

کلیات ولی اورنگ آبادی

نکو کر آشنائی غیروں اے سیم تن ہرگز نہ ہو اے شمع رو ہر غمخیز میں شعلہ زن ہرگز
نہ مل مائل ہو ہر طوطی سوں اک شکر شکن ہرگز نہ مل ہر بیل مشتاق سوں کے گلبدن ہرگز
ہر ایک گلشن میں جویں زگن کھول اپنے نہیں ہرگز

فصیحان خلق کے سارے تجھے شیریں سخن کہتے پشانی روز روشن اور زلف کالی رین کہتے
مبصر ہو جو اہر کے تجھے در عدن کہتے جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر پلکاں کے کاٹاں پر نہ کہ اپنے چہن ہرگز

سدا مشتاق ہے طوبی ترے قد جویں منور کا تجلی میں ترایہ کہ ابے خورشید محشر کا
دہن تیرا سو خیر انجام ہے یہ جام کوثر کا تو بے شک روح ہے جگ میں خلاصہ چاند خضر کا
بجز تجھ روح کے قائم نہ ہو جگ کا بدن ہرگز

دور خسارے تیرے روشن یہ دو نور ستار ہیں ترے چہل نین آگے چکارے کیا چہ کارے ہیں
عزیزان مصر کے سارے تری خاطر سنوارے ہیں زلیخا سے کہتے عاشق ترے پر جیو دارے ہیں
نہ کر مسکن ہر اک پوسٹ کا یہ چاہ ذوقن ہرگز

تو ہے محبوب عالم کا دے عالم سوں ہو کیو تو محبوباں میں غمقا ہے نکوہ کھلا کسی کو رو
جو آتش دان کیا دل کوں بی بجا دہان لہو بغیر از عید مست دکھلا کسی کوں بھال ایہ
نہ مل جہاب میں بھی کس سوں آچہ بدن ہرگز

دعائیں

از ولی اورنگ آبادی

مت غصے کے شعلے سوں جلے توں جلاتی جا
تجہ چال کی قیمت سوں خرید لے ہر وقت
اس دین اندہیری میں مت بھول پروں سوں
موجہ دل کے کبوتر کوں پکڑا ہے تری لٹے
تجہ مکہ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
تجہ عشق میں دل چل کر جوگی کی یا صورت
تجہ گھر کی طرف سندر آتا ہے وہی دایم

ملک ہر کے پانی سوں یہ اک بھاتی جا
اے ناز بھری چیل ملک بھاؤ بتاتی جا
تک پاؤں کی بھوڑوں کی آواز سناتی جا
یہ کام دہر ہم کہتے تک اس کوں پھرتی جا
اے بت کی بچن ہاری اس بت کوں بچاتی جا
یکبار ارے موہن چھاتی سوں لگاتی جا
مشتاق ہے درشن کا ملک درس دکھاتی جا

(صفحہ ۳۳)

وہ صنم جب سوں بسا دیدہ حیران میں آ
ناز دیتا نہیں گر حضرت گلگشت چمن
عیش ہے عیش کہ اس مہ کا خیال روشن
یاد آتا ہے مجھے جب وہ گل باغ و فانا
نالہ واہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
پنچہ عشق نے بے تاب کیا جب سوں مجھے
حسن تھا پردہ تجرید میں سب سوں آزاد
بشع یہاں بات تری پیش نہ جائے گی کبھو
غم سوں تیرے ہے رسم کا محل حال بدلی

آتش عشق پڑی عقل کے سامان میں آ
اے چمن زار حیا دل کے گلستان میں آ
شمع روشن کیا مجھ دل کے شبستان میں آ
اشک کر سہ ہیں مکان گوشہ دلمان میں آ
دفتر درو بسا عشق کے دیوان میں آ
چاک دل تب سوں بسا چاک گریباں میں آ
طلب عشق ہوا صورت انسان میں آ
زہ کی جھوٹ کے مت مجلس زندان میں آ
ظلم کو چھوڑ سجن چشمہ احسان میں آ

(صفحہ ۳۶-۳۷)

امام حسین کی شہادت

از

روضۃ الشہداء مولفہ ولی دیلوری

خالص مذہبی موضوع ہے اور مصنف بھی ٹھٹ مذہبی آدمی۔ لیکن نظم دلچسپی اور ادبیت سے خالی نہیں۔ گو ولی اور نگ آبادی کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

ولی ہو روضۃ الشہداء کا مالی
تواکل مدح کے گلشن سوں لا کر
شکاری تھا عقیدے کا سچا ایک
قبول اس کوں شہ عالم نے فرمائے
دیکھے آہو بچہ حضرت کئے دو
اسی ساعت نبی نے اس ہرن کوں
یکایک آحیٰ ذوالکرا است
پوچھے اے بھائی یہاں تم کاں سوں کا
حسن نے کہے ہرن کر پیار منجہ کوں
بنی سوں گئے حسین آدوڑ کر دیں
یہی جھنڈے کریں تکرار پھر پھر
تسلی شاہزادے کوں کئی دہات
ہو نزدیک جو غمناک رو میں
جو یک ہرنی نے بچہ لیکے ہمراہ
دیے نے بچہ کوں ان کی ڈال

نہ یکدم فکر رنجائیں سوں حسالی
کرے بھی شاہ کی مجلس معطر
نبی کوں لا دیا آہو بچہ ایک
جواتے میں حسن مسجد میں آئے
حسن کوں خوش کیا ہے دل سے دو
کرم فرمائے بختے ہیں حسن کوں
حسن کوں کھیلے دیکھے ہرن سات
ہرن کا یو بجاتم کان سوں لائے
دیے ہیں جد بزرگ وار منجہ کوں
ہرن ان کوں دئے تم مجھ کوں کوئین
نبی کے ہات اوپر پاؤں پو پڑ کر
کریں حضرت رکھ اس کے سرا پر ہات
ہرن بن ہات کہ دیگر ہو نہیں
پو کاری اور مسجد پو ناگاہ
دیکھے لائی حضرت پاس فی الحال

لگی کہنے رسول انس جان سوں
 شکاری چین لیں یا قید کر کر
 جنگل میں میں پلائی تھی اسے دودھ
 پیغمبر پاس لیجا اس بچے کوں
 ہرن کے ساتھ شوق اسکوں بڑا ہے
 فرشتیاں پر ہو یگا عرش کے غم
 بچا لائی ہوں خدمت میں شتابی
 انجو رخسار پایا ہے نہیں راہ
 جتے حضار منجلیں تھے سو روئے
 بچا لے شاہ زادی کوں دئے تو
 ودا کر کر کے ہیں روئے بھرا
 بچا ہے جس انجو پہنے کوں کہ پر
 کئے ہیں لہو کوں رخسار پو جاری
 رگ نور شید کوں کہتے ہیں گلگوں
 اچھے گا کس وضع قہر دہلی
 ہوئے حیران دشت کر بلا کا
 روا ہے وہ پتے پانی نہ پا کر
 زمانے کی ہے وہ دفتر پو معلوم
 لے آیا اب کر دوں کچھ بات غم میں

سلام آ کر فصاحت کی زبان سوں
 بچی تے تھی ان میں ایک دہر کر
 رہا تھا ایک دن میں ایک خوشنود
 ندا اتنے میں آیا آسمان سوں
 کہ شہزادہ ہرن منگتا کھڑا ہے
 مبادا کر ہوئیں اس کی نین غم
 ندا کرا مضطربانی اضطرابی
 ہنور اس کے آنکھیاں سوں حمد اللہ
 یوسن سب دل میں غم کا بیج بوئے
 دعا ہرنی کون حضرت لے سکئے تو
 دو ہرنی نے دعا سوں یا کھ پھرا
 عزیزاں سب فرشتے ہو پیغمبر
 جکوئی کر اس کی سر پر خشم کاری
 وہ روشن موں جنوں کی کر کے سرخوں
 انوں پر کیا اچھے رخ رو سیاہی
 روا ہے یو پیارا مصطفیٰ کا
 کہ جس کا باب اچھے ساتی کوثر
 صفت اس کا ہے سب عالم پہ معلوم
 تولد مدح سوں شہ کا قلم میں

ایک محبت آمیز خط

از
چت لگن مولفہ عشرتی

ایک عاشق غمناک کی طرف سے بے پروا دوست کی خدمت میں نہایت ہی دردناک التجا ہے زبان کی قدامت اور مظلوم کی غلابی کی وجہ سے بعض جگہ الفاظ سمجھ میں نہیں آئیں گے تاہم مضمون کا تسلسل اور خوبی دلچسپی کو برقرار رکھتی ہے۔

لکھیا دل کے لہو سوں یونا مائے
تیری زلف مشکین کی سو گند ہے
کہ جب تے آنکھیاں لہو بھریاں جھوڑ
تدہاں تے ڈوبیا لہو میں لانے نہیں
کیا اس روشن سوں بہنی لہو کا نہیں
پوں شاہد ہے ہور تارے گواہ
گلی کل کی دہر بول ہنسی نین سو نین
دھونڈن ہار سنار کے راز کے
جنتی برہ ہور عشق کی سب حکات
مقابل کو یہ لینگے جو منج حال سوں
کہ ان بے دلاں کے درد کا کھٹلا
سمجھ سچ تو دردن کے بچھڑے گاردک
کھریا یوں کہ مجنون ہور فرما دتی
جو دشتاہے سورج اگن کا کنواں
اگر اس غصے کا سبب ہے یو کاج
پرت کوں خل کیا ہے اس بات سوں

جو منج بن دیسا دن قیامت مے
کھسی کہب میں جس جیو کا ایک بندہ
رہیاں ہیں تیری موک کے پھول بن سو
جو از بس سٹی لہو کی انجواں نین
کہ غیرت لیجا تا ہے اس بر کہیں
کہ منج دل کی تنگی پہ کر یک نگاہ
ہو این میں منج بن زدی نین سو نین
دو مجنون ہور پر دین شہباز کے
کہیں کہیں کی دفتر سوں دہند دین شہ
تو پاج دس آئی کا خیاں سوں
ہے میرے برہ سوں و دسب یک قصا
منج عاشق او پر جن شیا بیاس بھوک
اول آخر یک عمر میں اپلی
ہے میرے کلچے کی اگ کا دھوان
جی ظاہر ہوا نین و د تقدیر باج
جو منج دل کی درپن میں سورات سوں

بھی کسی حب کا نقش اس میں بڑا محال
 کسی کا حکم ناپٹے اس میں کوچ
 کہ جادے میری سرسوں بھی کس نکل
 تو اب بات کو نابڑھا بے حساب
 پشیمان ہوں میرا غدر ٹوک ماں
 نین حل سوں دھو کر کیا بر طرف
 کہ جیوں پر تنگی لک حرفان کون سیک
 دھواں عود کا یوں نکلتا فقط
 نہ ہر جیب پر کوچ بہلا ہور برا
 سرو قد اپس کا ادھر موڑ کر
 کہ کیوں کر بہتا ہے تیرا برہ سیک
 رہیا کیوں ہوں کاری ہوئے دو کھل
 ہوا تانت تن کیوں نیٹ چہر مو
 کہی یوں میں اہل سکوں سینہ
 جھوڑا ناسکوں ہل اپن ٹھانوں سوں
 نپا دے کہ ہی کوئی ڈھونڈے جیتا
 نہ کوئی خام سکتا ہے اور اک سوں
 نین تو نہوے کوچ میرا اثر ول
 کہ اس کت سوں کیوں کہ جیوں میل ہول
 دیوے مومیائی سیا کی و و ہل
 کہ جالی ہے جن میرے جیو کا کہلا
 بھر اس کے نین کوچ منج دل کا اس
 مو اس کا میری دوک کی امان سستی
 تو یو دوک اگلے کی لک سے کا ہلک

ٹیا جانو تیری پرت کا خیال
 ملک دل کا تجھ سوئے پایا ہے روج
 تیرا برہ نین سرسری ہو رنبل
 بنا عاجزی نین جو عاشق کوں لاب
 نہ چو کیا جو اس کوں بھی چوک ہیکہ جان
 اپس کی خطا ہور خودی کا حرف
 بہلا ہے جواب پڑیو نامی کوں بیک
 سپند ہو چلے منج اکن سوں فقط
 چند ریتوں یو سورج سوں ناکہ پرا
 گلے ہور جھگڑے کوں سب جھوڑ کر
 تماشا میری جگ کے حسنے کا دیک
 دودن کیج بچڑے مین بس دیس جوک
 تیرا مو کہ دیکھیں موک ابجواں سوئے ہو
 اگر مڑی منج تن پہ جالائے
 چلے جیتی منج بسند پالو ا پر
 بچن بن پر ن سوں میرا تن ایتا
 میری دھڑکوں پنے بجز خاکوں
 اتا جو کی نا نو پہنچ رہیا ہے لکر
 خدا نا بن جیوں توں اپج بول
 الہی نرم کر توں وہ سنگ دل
 بہر اس کی غصی کی اکن کی بلا
 بوہا وصل کا جل جہنک آس پاس
 قلم دوزیاں ہوی یو کہا و ان سستی
 بہا کا لا جیوں تیری مشکین انگ

ایک سینا سنی راجہ اور مان کی محبت

از
شعوی دیپک تنگ مصنفہ عشرتی

ماں کو بیٹے سے جو بے لاگ محبت ہوتی ہے اس کا نہایت اعلیٰ درجے کا خاکہ پیش کیا ہے،
اور پھر بیٹے کی غرضی محبت بھی ساتھ ہی واضح کر دی ہے ادبیت اور خوبی مضمون دونوں کے
خاکہ سے یہ عشرتی کی ایک اچھی نظم کہلائی جاسکتی ہے۔

پجاری ہو رہی تب پجاری و دوائی	پجاریاں نن و وکوں رو ہائے ہائی
بہو گھوٹ لی بھر کے سینے میں خار	کلی کے نن دل رکھی ہنوں تملار
چندر گھر کے گہن کی ہٹیلی و دناہ	نکل راج کے غم سوں آئی بہار
سنا مار سر پیٹ کی ہائے وائے	چندر میں پردھرا انجوا حل نہوائی
کہ اے گل مجھے آگ تجہ بن ہے بن	کہ گھر تجہ سجن بن دسی جیوں سجن
جگتر میں تجسوں مسیرا نام ہے	کہ تجہ سور بن دن مسیرا شام ہے
تسوں کھائے حسرت میرے لالہ زار	بغیر تجہ ہے منج بیج میں پھول خار
اسے تجسوں میرے حوض میں نیر ہے	تیرے باج نت خاک منجہ سیر ہے
ای تجسوں میرا حاصل ہر مدعا	اگن تجہ بنا جملوں باد صبا
تسوں نجت ہیں زیر مجہ زور میں	ہے تجہ باج آرام مجہ گور میں
اے تجہ شمع ہے بزم اوار ہے	بغیر تجہ میرے دل سے نار ہے
اے تجسوں بیج ہے جملوں راز ہوناز	نہ تجہ بن بغیر سوز دستا ہے ساز
نہو یکسرٹ کہ مجہ دل بوخار	بدائی کی پردے کا ناچھیٹا مار

نکر بیوفائی و فسادار ہو
 ہو س اس سفر کی توں مٹ دے ایتال
 منجی فرج کر میں تو کیس موند کر
 تیرا سن ہری تجھ کرے یاد جب
 کیا راج اے چھند بھری ناز میں
 نگو مجھ جیتا سرے اپنے ہنسہ
 سحر بھی اد چا دل کرے کوڑتے
 جہلوں سوں تیرا دل دہکا یا انگار
 اتیا میں ہوں ہو رہ دل سوز کا
 ہو بل اوروں میں سوین کے کہ ہن
 پھروں میں جنگل میں پون کی مثال
 جلوں میں چن دہیر پانی کی دھات
 جلوں میں پتنگ ہو کہ ہر شمع پر
 ہوں جیوتا جلگ جیوتی گلٹی اچہ
 پیہ سوں لگیا خیال میرا آمال
 توں دہیز گھر کی نہوے ہم سفر
 جہ جیب اس جب لہوی پوی کا نام

میری دیک زاری نہ یزار ہو
 نہیں تو لے چل مجھ کو اپنے دنیاں
 اگرچہ نہوے تن لہو بوند بھر
 دی اس یو بشارت ہوئی شاد
 ڈویا یا انجو جل میں اب گھر کیتس
 جدائی میں مسرت بھرے دل کوں ہر
 لگا آگ پانی کیتس دور سے
 جلیاں تے تن من تیرا گھر کے سار
 توں ہو رہ گھر بھی جہکنا شب روز کا
 توں کا نٹیاں میں اچہ مکے کل کی کٹن
 توں اچہ دیکھ سوں مٹی من پانال
 توں نت جلتی اچہ آگ ہوں سن سگات
 توں اس گھر میں اچہ غم تے شمع سحر
 مردوں تو اگن میں جسم جلتی اچہ
 میرے خیال سوں توں بند اپنا خیال
 میرا جت چو را یا سودوی ہم سفر
 دہر جہ لب پو آگ جیوں شمع وقت

نہانے کی دعوت

از
دیک تینگ مصنفہ عشرتی

نوجوان سہیلیاں غمزدہ اور محبوبہ شہزادی کا غم غلط کرنے کی کوشش کرتی ہیں اس
نظم میں شاعر نے ایک پر لطف اشارہ اس کی طرف بھی کیا ہے کہ شہزادی کو نہانے کی طرف مائل کر کے سہیلیاں
اول سب جنیاں جا کے پدمن کے دھیر خود اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں۔ ادب سوں رکھیاں اس کے پاؤں پو
جو بن سکے ہر سوں تھی من میں تنگ دریا جوش دل کا جوانی ترنگ
کیاں تج تے اے شہ پری نیک نام ریکھا ہنس جلن ہو ر صنوبر قیام
یو دودن کی دنیا میں دکھ سب سبار اسند کرے سٹ فکر غم تے بھار
کہ کل پر سوں کی آس ہے چپ ہوس خوشی جاگ میں ہنسنا ہی دم ہیس
کسے کیا خبر ہے کہ یو آسماں رچیا کیا ہے پردے میں بازی ہاں
ہو غم تے مکٹ کہ لیویں کوچ آج صبا کن دیکھیا ہے دہریں روج آج
صبا سا ہو رے جائے گی تہ جوڑ چلے جب سکے ہو رماں باپ چھوڑ
ہمیں تو پیچھے غم میں رہنا چ ہے بدل گل کے سونا رکھا ناچ ہے
وہ اچ بل پچھل نار سدھ گیان ہر سہلیاں کی سن و بچن کان دہر
نزاکت سوں دل مین کا نیر کر قدم سرو کا چک پو پانی کے دہر
سورج کے من جل میں ڈوب شہ پری صدن تیوچ جلد موتیاں سون ہی
ڈوبیاں جل میں گم کے سکل جو رزا د ہو یاں شاذ پایاں جو اپنی مراد
ڈوب اس جوصں میں شوق سوں کسیتیا اگن تن پو پانی ٹھنڈا میلنیاں
کھولاں اچا جل پکس یک پولس ایس دل کی آتش پوٹیاں تیاں ستل

میدانِ جنگ

از

نہ درین مصنفہ عشرتی

لڑائی کے آغاز اور اختتام کا ایک نہایت واضح اور دلچسپ سا پیش کیا ہے۔

بل بجتے تھے ہو رہ سنگ و پرشم
 گھڑ ہوئے تلگ دو دہر کے رن سور
 اٹھے یوں منتظر جو ہوئے گھستہ
 کھرگ لے ہات میانی ایک بار
 بری ہر حال و و آخر ہو ہی رین
 دکھایا سور اپس خنجر کا جھلکاٹ
 ہوئی دو دہر سے مستید و ددل
 دلیران لے صفاں آراستہ کر
 پڑے ہر تن اوپر داران سے غار
 لگا چھاتی سوں چھاتی ہو کو گل چوڑ
 کرے گزراں کے ایسے دہات سوں مار
 زہرہ پوشان بڑے ہو رن میں پایال
 کرایوں پھوڑ ہریک ہات کا تیر
 دہنک جب کھینچتا ہریک کمان دار
 دسی یوں پاکھران سوں ہست کا دل
 دسی زخمیاں کا عکس اس میں رنگ سوں
 لڑے دلسوز گر پڑ ہو کر اس دہات
 دماے ہر کدہن بجتے تھے دہم دہم
 ابلتے تھے غضب سوں جیونکہ سمہور
 نکالیں میان سوں کینے کا خنجر
 کریں جوہر اپس کا آشکارا
 چھپیا کولے میں جا آرام ہو رہمین
 تساریاں کا سکل لشکر گیا نھاٹ
 دسیں جیوں بھیں پوپاڑ ہو گھوڑ پال
 دے تھے مردمی کے دادیک سر
 بدل پانی کے نکلیا لبو کا انگار
 سٹے سر ہو رہینا ہو رہات یک توڑ
 پڑے تھے دہرت کون پاتاں لگ غار
 پڑے جیوں میں بھیں اپراں بے حال
 کہ جو میا ہات ہراکیں کا زنگہیر
 چلا گھٹا زہازہ اسوں سو بار
 کہ جیسا نیر بھر بادل دیا حیل
 دکھایا جیوں شفق بادل سنے ہوں
 دیوانیاں کوں ہو اجیا کہ سنیاٹ

دعوت

از

نبیہ درین موصنفہ عشرتی

قدیم تمدن کے کمانا سے ایک شادی یا کسی اور خوشی کے موقع پر جس ٹھاٹھ اور
تکلف کی دعوت دی جاتی تھی اس کا اس نظم میں عشرتی نے ایک مکمل
اور یادگار نقشہ ہمیشہ کے لیے پیش کر دیا ہے ۔

بچائے چاندنی کا سرش زبل	کہ جیسا چاندنی میا نے صفا جل
بچائے سوزنیاں زرباف کے صفا	ہے اس گل پر سورج بلبل کو انصاف
روپیری اور سنیری مسنداں پر	صدر جہری رکھے جیوں سور و چند
اتھتے بردار تکیے برنیاں پاٹ	پریاں کے گال جیسی نازک ہو رصاف
سزنگ آسمان گیریاں تھی شفق سی	اتھتے گلدار جیوں گھنٹے طبع سی
لطافت کا ہوا گلشن وہ مندہیر	دیوار گیریاں کے کھینچے باڑ جیوں بھیر
رکھے پھولاں سوں بھر اسٹار گلدان	رکھے تھے پان سپتے بھر تہنول دان
جڑت کے شمع داں میں شمع کالوز	نوی چند تیوں لگن میں گھن کے برنوز
محافی تھے چراغاں سات پر نور	دسے تھی نین میں ہو رین کی سور
قندیلوں کی دکھت جھونکے سہانے	انگور اں کے جھڑے خوشیاں کے دالے
دیویاں سوں کنگراں ایسے سنوارے	کہ جیوں قوس قزح میانی ستارے
دسے حوضاں میں اڑتے سو پھینارے	کٹ ماکاں سوں بالیاں کو سنوارے
جو ایا قوت کی پایا لیاں میں گھالے	سزنگ رنگ سوں دسی مانند لالے
طبق بلور کی خوشبوئے سوں بھر	ہزاران چاند تھے جیوں بھیں کے اوپر
دے تھے منڈ خان بوندہ ہیروں راز	کہ کھن اس جلی حویں بادل کیا بجات
نمر کا دور جو دسنے میں نا آئے	وہ پایا بد سے بھر بھر کو دکھلائے

کریں چو گان بازی جیوں ہوا پر
 گرم ہولال کرموں جوئے بھر لائے
 شفق ہے چاند پر تن پرستارے
 تماشے کی سنگے دل کا مرا نی
 پری رخ دلربا سوں بولی بھینجیں سکے
 بہت کج خوب گائے ہو رہ جائے
 بتنگ ہوئی گھن پور ہرہن میں کوئل
 چندر ہو ر سوسوں گھن کے کھلے کا
 عجائب دلربائی کے گتاں لائے
 تھے دل عاشق کے ڈستے سینوئے
 تارے گھن تے اس بھیت تھوئی۔
 طلب داران کی دل چندی دی بجا
 بھنوریں جھل سوں غوطی جل منے کھا
 گتاں سیاب کے چھند و سوں دکھلائیں
 دھریاں مہوراں کے تن پر رشک داغ
 کندوری بار کر کھانا کھلائے
 چنے تھے سب چتر گئیانی بچتر
 تسرا لٹاظر بن آوے زبان پر
 طبیعت نے اسے اول مقبولی
 کھلایا تھابن میں گویا ہار سنگار
 ہے گل چینی دوا جلی کو کھیا جائے
 کھلی دل دیکھ نس رنگ ز غفرانی
 کرن مہان کی تین دست جو بسی

حریفان جھیلے جو جسم ادھنتر
 ہوس کے جو ترنگ کوں خوب دوڑا
 دیں رخ لال پر بند خوی کے سارے
 ہوئی جب می سوں دلکوں شادمانی
 سبد شیریں سے ہووے بہوت سکے
 طرب سازی کے مطرب تان لگائی
 ان آواز کے شعلے پہ رکھ دل
 بلند آواز پران کے رکھیا دھیان
 بجتر تا پڑان جب نہ چنے آئے
 دوزلفان مکا پر اپنے جو کھو لے
 نین مٹکائی جو ہریک مدن مست
 انجل گردان کر جب بھاؤ بتلائے
 چھیلیاں چھیت سے جب چرخ میں آئے
 ڈھلکتیاں رقص میں آکر سلگ جائیں
 کریاں رقص ہو عاشق دل باغ
 تماشادیکھ جب نینان اگھائے
 جو کج کھانے کی ہووے چیز بہتر
 دکھت خوش رنگ پاکسیدہ موعفر
 رکابیاں بھر رکھے تھے سو قبولی
 تسخن کا اتھائے خوب مہکار
 جو جنیاں بیج خشک صاف بھر لگے
 مصالح دار کچھڑی تھی سہانی
 تھی ناہاں بیچہ کس بیچہ عروسی

دیون مہمان کے لب تائیں بوسا
کرن یو بحث جو ہیں کون فضا ضل
لمائی موم میں مہماناں کر یک بات
اچاران ہو مرے لے مزہ دار
نیچے سرخاب کے جیوں نیر اندر
ان کی گرم جوشی تھی ہر کیسات
نہ تھی رغبت کوں اس تے بے نیازی
کنڈوری کا ہوا سر سبز منڈوا
جل اس جھل سوں ہوا ریحان کالا
ہوا میتھی اپر دونا دیوانا
انگور اں کھائے تیس جھل کے غلوے
صندل تیس رشک سوں اسپیں گھنایا
خداور سیخ کی جھاڑیاں سوں اترے
نہ تھی سد جو پکڑ لیتے ان کوں
تھے قلبی نرگسی ان تیس نشیمن
لوے مرغابیاں تہوں اسپیں رہے تیر
ہوا سماج خروس ان رنگ پر دنگ
ان رشکوں سوں لہو گھونٹتی اتاراں
تھے سندر کے ادھر شیریں تے پیارے
جھہرتے پٹیاں کے شہر ہی جھانک
بنائے چاند کے بلور سوں جھیل
ثریا کی تھے دو جھونکے کے دلہ
گلے جیوں سیخ نہ ہو سک اس برابر

کھلیا تھاموں ہر یک ورتی سنوسا
کما چان سوں ہوئی ماندے مقابل
صلح کارن ان سینے پور کھ ہات
رکھے رنگیں قلبی ناد رہے ہسار
دیس یوں تیرے گھیر میں چقدر
صفائی سوں کرم رکھتے کرامات
کدو کی ہوئی تھے گردن سرازری
کویلی ہو رجو نڈی جو رکھے لا
دسیا خوش رنگ نظر ان تل پچالا
دکھت تیس سیر رنگ محبوب جانیا
کلی دلی گرہ کفتیاں نے کھولے
جو پیالا دال کا سفرے پو آیا
چمن نعمت کے ایسے دیکھ سترے
درا جان مست تھے اپنی سداسوں
بٹیران بلبلاں سفر تھا
رکابیاں حوض خانی گھیر جیوں نیر
کباباں مرغ کے یا قوت کے رنگ
تھے موتی چوڑ لڈوان کے انباران
شکر باری نزاکت سوں سنوارے
جلیبیاں کے پھل شیریں پور کھانگہ
نہ کوزے قند کے تھے صاف قندیل
نہ کے جاوے کو تھے شکر چھٹانے
نہ بہت نیری کی پیالی نہ سیر چند

جو کوئی دیکھیا ہے وہ پا لودہ زنگدار
 کراہی دہات کے نعمت جہت
 کندوری کے صفا میدان میں جب آئے
 ملیدے کی کد ہی ٹینکاں پولاے
 اڑائی جب نم نیکھے کی دی جھال
 لگا سر کے کی اسکوں تیز ہمیں
 وہ پھلین کا کرے سب سیریک بار
 مزعفر کے لئے تھے جو نولاے
 ملا کر دال کوں خشکے کے سنگات
 جو تھے خوش رنگ جیوں یا قوت دئے
 کانچاں جس کے ہماں بیج آئے
 کیا بان آتشی گل کے سوں بھتر
 غرض جسکوں ہوا جس دہات غبت
 مٹھے کھانے کے جو میں وصف بولوں
 جو کھارے کی صفت کا میں کر دلاں
 کندوری خرچ کر جب سب اگھاتے
 دہلا کر بات دی ان تائیں لی ماں

نظر اس کی رنگارنگ ہوئے گلزار
 بٹھائے یہاں تائیں لی آ آ
 ترنگ کوں اشتہا کی اثر بتلاے
 کد ہی طوے کے دل دل میں جھٹکے
 پڑیا ترس پکینے سینویاں کرا جال
 چلاے داں نے کر بیگی جلوریز
 لئے جن کر جو کج تھا ان کوں دکار
 دسین صدر برگ کے پھولاں میں آئے
 کرے جنٹری گل عباسی پس بات
 گل اور رنگ کر کفتیاں کوں جائے
 گل چندر کے نننے دو سہائے
 لئے دور اشتہا کا ان سے بھر
 ملے ویسج واں اس تائیں لغت
 قلم سینے جھڑی شربت کی کھولوں
 سلونیاں جج سے لیویں نک دلاں
 لگی ہر ایک کے ہماں دہلائے
 دیے عزت سے ہر ایک کوں پیاں

موم کا بچہ

از زوجہ تاجر ۹

مولفہ سید عبدالرشید قلیا سی

ایک عورت کو روپیوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اُن کے حاصل کرنے کے لیے وہ
بہ طریقہ اختیار کرتی ہے اپنی حیثیت سے بالکل کیاتے موم کا بچہ بنا کر دوکان پر چھوڑاتا
مجیب و غریب دھوکہ بازی ہے۔

رہتی تھی انت عشرت میں اومن ہرن
مرتب ہوئی گھر کی خسرچی تمام
نہ آیا ہے تب لگ بھی خاوند او
اشی دانی گھر میں سو اس کوں ملائی
دہنی جا کو گھر کا ہوئے بھوت روز
لکھائے کون باقی رہیا ہے ایا
کھی دانی بی بی کر یہ کیا مال
کسی طور اب زندگی کا شش
کھی سن کو اس بات کوں مہنی
بڑا خرچ گھر کا بیٹی جان یو
کریں فکر ایسی کہ در حال کچھ
کھی دانی بی بی مری بات سن
جو کچھ فکر کرنا سواب تو نیچہ کر
سن اس بات کھل نار اس تل منے
بزن موم دو تین روپیہ کا شگائی

مرد جا کے گذرے سو کیتے قسرن
ہوا بھار کا بلکہ کچھ ایک دام
سو اس دہن میں بے حد فکر مند ہو
کھی کیا فکر اب کریں بول دانی
نہ آیا ہے اب لگ خبرین ہنوز
کریں فکر کیا کچھ ردت بست
نکچہ فکر نکلتی ہے نہ اندر کے باج
کھیں پسنا کو شش کا تن
اچھی بات بولی اری ما جی
ہو دے کیوں مری میں گذرات
ہوئے گھر کا گذران ہر حال کچھ
نہوتا ہے کچھ اب مرے ہاتھ سن
تیا بول رہی چپ کے مول موچر
کری یک اندیشہ ابیں دل سن
سو اس موم کا ایک پتلا بنائی

جکوئی دیکھ بولیں ہے ادھی سجا
کہ کپڑے اور بستان نیالی دے
اے دائی لجا مجکوں دو ہی ٹھکان
سنوار سراپر اوپر برتے کوں یونچہ
چلی ڈولتے ہٹکے سوں جوں گلزار
جہاں جو نہری تھے وہاں لیکو آئی
کہی جو نہری کوں اے دوکاندار
ہے کچھ بے بہا قیمتی تول کے
تعجب ہو دل میں کیا یوں بچار
ہے کس گھر کی بی بی یا شہ کی دوا
کتیک وضع کے لاکو مولیٰ حضور
رکھی مول ان کا چکا تین ہزار
کھیا نین ہیرے لعل میرے کئے
حکم ہوئے تون کو بلا لیاؤں یاں
بلا کر لے آیا بزان ان کوں ویں
بہوت بے بہا پیش مادر لے آئے
لئے لعل یک آٹ ہزار کا
بزاں جو نہریاں کوں کہی یوں انار
تھیں تین آدمیاں پواسے سنگات
تماری جو پیسے دلاتی ہے دائی
تارے جو پیسے بہاں لیاے لگ
ايس کے سے سات تین آدمیاں
شہر کے گلی ہو ر کو نہیاں میں میں

کہ ایسا بنائی اونادر بحبہ
عجب صنعتی سوں بنائی اوستے
کہی جاں اہے جو نہری کی دوکان
بچے کوں لیکر آپنے گو دے بیچ
لیکر دائی کوں سات نکلی بہار
چلی پیش خدمت انگے ہو کے دائی
سو آچھب سو دوکان میں بیٹہ نار
ترے پاس موتی ٹرے مول کے
دیکھا جو نہری سو وہیں سدہ ببار
عجب نور بخشا ہے اس کوں حسدا
اوبے عذر ہو کر رکھیا در زور
اوموتی سبوں میں اٹھے نامدار
پوچھی لعل ہیرے ہیں تیرے کہنے
ہے یا زو کے دوکاندار اسکروان
کہی لا بلا کر بیاں ان کے تیرا
کتک دبات کے او جو اہر لے آئے
ہیرا ان میں تے ایک ہزار چار کا
ہوئے پیسے تینوں کے پندرہ ہزار
جواہر میں دیتی ہوں دائی کے ہاتھ
جواہر لیکر گھر کوں جاتی ہے دائی
کہ میں میٹھتی ہوں او پھر آئے لگ
قبولے سن اس بات کون نہریاں
چلی دائی لیکر دینوں کے تیں

کیتک وقت لگ شہر سارا پھرائی
 بڑا ایک کوپچے میں بھڑکل اٹھا
 کہی یاں اچھو گھر میں جاتی ہوں میں
 بیٹھا ان کوں ہو آپ بھڑکل کے یار
 سویک باٹ تے ذوق سوں گھر گئی
 کیتک بیر لگ بیٹ کر ہو ہلاک
 نہ اودائی ہے نا جو اہر نہ مال
 تب اوروں کوں پوچھے یو کسا گھر
 کہے گئی دغا دے کو بہنا اور اند
 چلو جائیں جلدی سوں دوکان لگ
 ہو مہیت زدہ دائی کی آس جھوڑ
 بزان اس وٹنا سوں ہو اداں سب
 سلا مار اس ٹھار بچے کے تین
 بچا سور ہیا ہے سو پر نیند ہو
 تیا بولکر وال سوں جیوں آئی ہار
 فنگ بیگ سوں آپنے گھر کوں آئی
 بہوٹ کر کے ماندے سویک ٹھار لائی
 دو تینوں کوں اس جائے پر بٹھا
 تارے اے پیسے لے آتی ہوں میں
 او بھڑکل اندر راہ تھے تین چار
 جواہر رک آرام جوان ٹیٹھ رہی
 لگے مارنے گھا برسے ہو کے ہانگ
 لگے پیٹنے سراو پر خاک ڈال
 کہے لوگ سب باٹ کا ہے اے در
 ہمیں کاں سوں خاندن کوں لو واند
 جوبی بی او مکار کی ہے تلک
 لگے آنے دوکان کون اپنے دور
 برسے یاں ہوا سوسنو حال اب
 کہی استنجا کر کو آتی ہوں میں
 نہ بیٹھے مکھی تیوں اڑاتے رہو
 چلی نا پچھیں پھر کو دیکھ ایک بار
 ہو جی سمع خاطر اپیں ہو ردائی

ایک دو لہا دو لہن

از دیوان ہاشم سلی

امام قاسم علیہ السلام اور حضرت بی بی سکینہ کی شادی اور حضرت علی اصغر کی شہادت
 اردو مرثیہ نگاروں کے نہایت اعلیٰ موضوع ہیں ان پر قدیم سے لیکر موجودہ زمانہ تک کے
 مرثیہ نگاروں نے طرح طرح سے خیال آرائی کی ہے۔ اور ہر وقت ایک نیا اثر پیدا کیا
 اور نئی کامیابی حاصل کی۔ ہاشم علی کی یہاں ان موضوعوں پر ایک سے زیادہ مرثیے ملیں گے
 اس نے مکالمہ کا طرز اختیار کر کے ان میں جان ڈال دی ہے۔ ذیل کی نظم میں بھولی بھالی لہن
 کے سوالات اور ایک ذمہ داری محسوس کرنے والے دلہا کے جواب نہایت پاکیزگی سے ادا کئے گئے ہیں۔

جلوہ میں ادغہ کے رن کوں چلاتی کہی لہن دامن کز کے لاج سوں انجھواں بھرے نین
 مت چھوڑ کر سدھارو تم اس حال میں ہن تم بن رہے گاہے یہ سونا بھون مرا

کیسی یو کنگدانی کیسی ہے یو براست آتا فراق تم سوں یہ جلوہ کی آج راست
 گھر کوں نہ لے گئے ہون بولے ہوم سوں بات دیکھا نہیں جمال کوں بھر کے نین مرا

اس کر بلا کے بن میں اکیلی میں کیوں رہوں تجو باج میں جہاں میں پھر امید کیا دھروں
 جد کے مدینہ کیونکہ میں اس ٹھارے پھروں تم اپنے ساتھ لے کے دکھاؤ وطن مرا

جاتے ہو چھوڑ رن کی طرف مجھ کوں تم رولا نہیں شرم کا ہنوز یہ سر سوں گھونگٹہ کھٹلا
 کرتے نہیں محبت د جانے میسا بھولا اس زندگی سوں آج بھلا ہے مرن مرا

شملہ نگاہے دل سے اس غم کا کیا کروں
مجد کوں روا ہوا ہے اگر زہر کھا مروں
دوری میں اسے تیری میں نہیں کیوں پہنچا
فرقت کی آگ سیتیں جلے گا بدن مرا

قاسم کھڑا تھا روتے میں سن دولہن کی بات
غم ناک اپنا دیکھ کے دامن دولہن کے ہات
تب آہ دردناک سوں بولا دولہن کے سات
اے بوستانِ راحت و سر بہچن مرا

مجد کوں نہیں ہے تیری جدائی کا اختیار
تیرے فراق سات میں جا آموں انکسار
میں کیا کروں صلاح نہیں حکم کر دگا
حق نے کیا ہے رن میں مقدر رہن مرا

بے داغ دل میں تیری جدائی کا کیا کروں
نہیں ہے لعینِ رن سے پھر اگر تجھے ملو
جو کچھ ہوا ہے مفاروں میں رشتی کہوں
وعدہ ہوا ہے حشر میں تم سوں لن مرا

بچے کا غم

بالے اصغر کے تیں ہلاتی رہی
سونا یہ پالنا جھولاتی رہی
جھولاتی سدا پڑا رہا خالی
ڈوری مجذبات میں ہلاتی رہی
ہائے کیوں روٹھ کر گیا مجھ سوں
مرے پیارے کے تیں سناتی رہی
بھول کیوں توں چلا میا میری
آرے اصغر تجھے بولاتی رہی
میں نہلاتی تھی جب گنا چھاتی
آپل اپنا تجھے اوڑھاتی رہی
رات دن میں کھونہ دی رونے
کر کے باتاں تجھے ہنساتی رہی
تھابریں گناٹھ کا تجھے ارمان
لال باماں ترا سلاتی رہی
قاسم آیا ہے جب بیانے کوں
میں تماشا تجھے دکھاتی رہی
لہو بھرا کیوں ترا چند رکھ ہے
جس کوں باتوں سے میں صلاتی رہی

دودھ پیتا مار گیا باسے غم سوں چھاتی مری بھراتی رہی
تج کوں بھاتی نہ تھی اندھاری ترا تری خاطر دیوا جلاقی رہی
کر کے تعویذ دل او پر رکھتی ہر نظر سے تجھے چھو پاتی رہی
کیوں نہ آخر ہوئی عمر میری تجھ بنا صیف مجھ جیاتی رہی

اصغر کا ماتم

آج پر خون کفن ترا اصغر آج سوکھا دہن ترا اصغر
لال بے گلبدن ترا اصغر حیف یو بالین ترا اصغر

کیوں ہیں زلفاں کے بال تاروں تار کیوں گلے میں لوہو کے باری دھار
تج کوں سوتے کبھو نہ لگتی بار حیف یو بالین ترا اصغر

اوٹھ گئے کا لوہو دھولاؤں میں نید آتی تجھے سولاؤں میں
چل ترا پانا جھولاؤں میں حیف یو بالین ترا اصغر

کیوں جدا مجھ سیتیں کئے تجھ کوں پھر میں گودی لئے پھر دوں کس کوں
کیوں نہ لاگی بلا تری مجھ کوں حیف یو بالین ترا اصغر

اللہ اللہ کیا تجھے پالا من میں یوں تھا کروں گی بسم اللہ
ہے تیرا گیا جیا بالا حیف یو بالین ترا اصغر

کس کا اب پانا جھولاؤں گی لولی دے کے کسے سولاؤں گی
کس کوں چھاتی سیتیں گھاؤں گی حیف یو بالین ترا اصغر

بی بی فاطمہ کا بین

آیا محرم اوڑتا دھولا ر ا روتا ہے عالم اس غم میں سارا
خیر انسا نے تب یوں پکارا میرا حسینا ناحق مارا

ہے ہے حسینا تیری جوانی تھا قلب تارا تیری پشانی
دو ماہیں تھا کوئی جگ میں ثانی میرا حسینا ناحق مارا

جب تشنگی سوں توں تلملایا ساتوں سمندر تب کھل بلایا
نہیں ظالماں نے پانی پلایا میرا حسینا ناحق مارا

توں عرش کا تھار دشمن ستارا تیرا شرف تعاب اکھارا
ہے آج تیرا سدرتن سوں نیارا میرا حسینا ناحق مارا

غم کے بادل

پھر گھٹا ہو غم کے بادل کی لگن پر آشکار کربلا میں میگھ برسے لہو کے دھاراں بے شمار
تیغ چمکی سرو پر بجبلی کے مارن بار بار کیا سماں ہے ہے پڑا سارا جہاں میلے اندھا

یہ جھڑی دس دن لگے گی ماہ غم عاشور ہے کربلا کے موج غم سوں کی ندیاں پور ہے
نعرہ باکڑا کیں گرج کر آج نئے صور ہے جو طرف گھن گھور ہے لہو کی برستی ہے چوہار

نہیں نکلتا ہے سوج سوے نہیں سکھ کے بھون خون دل سوں جہاں ملک و کیمو کپتی ہیں نین
توہرے ہیں انگباری سوں، لڑتے ہیں بدنا آہ کاہر دم ہوا ہے گما، دلوں سیتیں پوکار

قاسم کی رخصت

از مرانی غلامی

غلامی نے قاسم علی بی کی طرح حضرت امام قاسم اور حضرت سکینہ کی شادی اور حضرت علی اصغر کی شہادت پر نہایت کامیابی کے ساتھ مرثیے لکھے ہیں اس کے یہاں زبان کی سلاست اور بندشوں کی صفائی نے ادبی شان میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے اگرچہ تخیل زیادہ بلند نہیں ہے لیکن اسلوب نہایت شاندار ہے۔

دو ہر انغم آکے گھیرے گا شاہ زمیں کون آج
جلوہ میں کیوں بھانے ہیں ابن من کون آج
گھونگٹھ میں سوگ آن پڑے گا دولہن کون آج
قاسم خدا کے واسطے مت جاتوں دن کون آج

غلطیاں بخوں ہوئے ہیں بجا بجا و اقربا
باندھے مکڑ بہر شہادت وہ مقتصد
قاسم نے اذن حرب طلب کر کے یوں کہا
عموز جاو دن کو رضا دو من کون آج

رہلت کے دن پد ر یو وصیت کیا مجھے
تجہ پر شمار ہونے نصیحت کیا مجھے
تاکید کر کے کام کی رخصت کیا مجھے
یہ سن انجھو میں شے نے کیئے پر نہیں کون آج

بولے اگر تجھے یو وصیت کیا پد
حق میں ترے بچے بھی جو کے وہ نامور
لاؤں بجا میں حکم برادر توں کر صبر
یو بات کر طلب کئے سرور ہیں کون آج

خیمہ میں اپنے لایا وہ دو لہن کوں نوجواں
ہل من مبارز ال ستم بونے ناگہاں
دست عروس چھوڑ کے ناسم ہوے رواں
بوسے خدا کوں سونپہ چلا ہوں تن کوں کج

داسن پکڑ عروس لگے رونے غم سیت
کھتے میا ابھی سیں اوٹھاتے ہو ہم سیت
بوسے کہ شوخی کرتے ہیں اعدا ستم سیت
جا کر ہٹاؤں فرقہ دوزخ وطن کوں کج

کہنے لگے کہ ہوتے ہو یا ابن عسم جدا
یکس ایکسلی چھوڑے دو کہ میں بتلا
تم کوں کریں شہید مبادایہ اشتیقا
ہوا ہو ترستی رہوں پھر میں ملن کوں کج

نوشتہ کہیں کہ جیتے پھر گے نہیں ہم
مخبر اوپر ہے وعدہ دیدار جان من
دنیا کے بیچ پھر کے ملیں گے نہیں اپن
ہونا ہے پارہ پارہ ہمارے بدن کوں کج

پوچھے کہ روز خرمی پاؤں تمہیں کہاں
دل بھر کے کہہ مارا نہیں دیکھی درجہاں
کیونکر بچاؤں مجھ کوں بتا جاؤ کچھ نشان
نکہ بیٹھو ناکہ سن لویہ بیٹھے پن کوں کج

یاراں بیاں یہ غم کانپٹ بے شارب
بہتر ز طول قصہ غم اختیار ہے
لنت و دغلاماں کوں ہزاراں ہزار ہے
جو دکھ دیئے ہیں عسرت شاہ زمین کوں کج

بے شش جہت میں غم شہ بیکس کا بر ملا
روتے ہیں انس و جن و ملائک دریں عزا
غم کی خزاں کئے ہیں جنت میں زکربلا
کیبارگی سوکھائے ہیں سر و سمن کوں کج

رونے میں مت قصور کر دے مویاں
آسو یہ غم کا خسر میں نہیں جائے راگیاں
اگر اپنے کر بلا میں محسوس کا فاناں
بے آب کر دیئے ہیں علی کے رتن کوں کج

ہرگز نہ کہہ توں خوف غلامی نہ ماسداں
دیکھلاوین کہ بلاتجے آخر دوسروں
آل عباسیت توں مدد مانگے ہر زماں
جو آرزو ہے کہ توں حسین و حسن سولہ ج

(ایڈنبرا بیاض - مرثیہ نمبر ۱۰)

بی بی شہربانو کا الم

فلک کیا ہے کٹھن ہے ہے فلک کیا کیا
شسوں جھوڑا یا وطن ہے ہے فلک کیا کیا
اب میں جھوڑوں کے چھاتی لگاؤں کے
نعلی میں بیب از دن کی ہوئی غمی سکری
دو دو پلاؤں کے ہے ہے فلک کیا کیا
گم ہوئے سارے دن ہے ہے فلک کیا کیا
تن ہوا سرسوں جدا ہے ہے فلک کیا کیا
عابدیں پیار ہے ہے ہے فلک کیا کیا
کیا کروں بے فدا بھلا ہے ہے فلک کیا کیا
یہاں جوئی کہاں ہے ہے فلک کیا کیا
شہر مارا پڑا کوئی نہیں والی مرا
بیوہ ہوئی اے خدا ہے ہے فلک کیا کیا

(ایڈنبرا بیاض - مرثیہ نمبر ۱۱)

لڑکی کی ضد

بانو پہ کر بلا میں کیا یہ دکھ پڑا ہے
سہرا چتر بھی ڈھلنا کوئی دم گوارا ہے
گو دوں میں پیارا اصغر بن دو دو مر ملا ہے
سہرا چتر بھی ڈھلنا کوئی دم گوارا ہے

بھاننا اوس بچی کا اس وقت کیا مصیبت
بابا بنناں تڑپنا اور تشنگی کی شدت

”اے بیٹی! تیرے بابا کھانے گئے ضیافت“
معلوم کا یہ سن کر وہ چند جی جلا ہے

کہنے لگی کہ ”اماں ہے یہ کیا غضب ہے
ضیافت میں گئے ہیں بابا مجھ بن سو کیا سبب ہے
مرتی ہوں بھوکہ سینتیں پیاسوں میں جا رہی ہے
بابا نے مجھ پہ شاید شفقت کوں کم کیا ہے

مجھ میں کبھو نہ کرتے بابا مری جسدانی
باور نہ ہوے جو تم کوں بتلاؤ کاں ہے بھائی
اصغر کوں لے گئے ہیں مجھ میں میا اونٹانی
اصغر کا پانا بھی خالی دیکھو پڑا ہے

رور و حرم میا میں اوس طفل کوں سناتے
کہتے تھے ”تیرے بابا اب کوئی گھڑی میں آتے
ہر یک لے بریں اوس کوں چھاتی سینتیں لگاتے
وامند ساتھ شہ کے اصغر نہیں گیا ہے

سجاکتے ہیں سارے پن کرتے نین ہ باور
لاچار ہو کے تب اہل حرم نے یک سر
کہتے جو لے گئے نین رستا نہیں کیوں اصغر
اصغر کی لاش لاکر اوس کو دکھا دیا ہے

بھائی کو دیکھ روتے دوڑے ہیں بہر میں لپٹے
کہتے کیوں آج بھائی نین اونٹنا دو دپینے
ہر روز کی طرح میں لاگے ہیں بوسہ دینے
کیوں اوس کے پیروں کوں تازہ لوہو لگا ہے

ہے بکھر تھیں مذکور ظلم و بیداد
یارانِ گم تھیں کا یا یا جو فیض دے داد
اطفال شاہ دیں کا بے شمع ظلم و بیداد
میدا نام اوسکا ساروں نے مل رکھا ہے

یہ مرنیہ لکھا جب اے دو جہاں کے مولا
سب حاضرین کے مطلب شاہ اثاب برلا
سینہ سینتیں و حرک کر غم کا اوٹھا ہے شعلہ
آہیں کہو مہماں اب فیض کا نسا ہے

اول وہ سب کی حاجت بعد اوس کے تلف کر
امرزش پدر کی خواہش ہے دل کون کثر
مداح کتریں کے سب مدعا دوسر دور
مادر کے تئیں شفا دویہ مدعا بڑا ہے

سب ذاکراں میں کتر ہے خستہ دل غلامی
پاؤں گے گناہے شہ میں دو مدعا تسمی
دودا اولد ہر چند ہے عاصیاں میں نامی
جس آرزو کے غم میں دن رات بل رہا ہے

(ایڈنبرا بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۹۹)

الوداع

د ازمراتی مرزا

مرزا کے مرثیے مشکل زمینوں میں ہیں اور لطف یہ کہ پڑھنے والے ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کی زبان بھی زیادہ سلیس نہیں لیکن کلام میں اثر زیادہ ہے۔

الودا اے الودا شاہ شہید اں الودا
 یوسفق نہیں ہے گلن پر صبح و شام ایں دسوں
 ایں جفا کے تیر بیٹھے ہیں گلن کے تن اوپر
 میں ہیں تاراں مسوں گلن تعریف لکھنے شاہ کا
 نہ کا اتم تن دریا کے موج بہت نعرہ کرے
 درد و غم شہ کا پتھر کے دل سے کیت اثر
 کان بیکر کوچہ اچھے طاقت او نو کوں یوں کریں
 جکڑوں پانی میں دے تیں ڈوبے شہ کے روکھوں
 ہر محرم میں حسین کے در و سکے تازے ہزار

دنیاے غم

یہی نہ تھا باس نیلا ہے سب مباحک تن میں غم تہیں
 ہنوز راری کا حق نہ ہوتا ادا ہمارے گلے سوں جینک
 مانتھا بل سوں میں سرگسٹا ہوں احوال گلستاں کا
 فطاک احوال شکستہا ہے جبکں پہونچی جریہ خرواں
 حسن کا احوال شقی کے تیں خدا نہ دکھائے اس نوں میں
 فزرباں کی شکستہ فیری کی جب بختاں گئی عربیا
 بر شیعہ بو تراب سے تہول پاوے تو کچھ عجب نیں

سیاہ بھیرا ہے پتلیوں نے زل سوں جگ کے نین میں غم تہیں
 بسان نیاں ہو لو ہو کی ہتیں اگر پر کے بدن میں غم تہیں
 نہیں ہے کوئی گل شیر نرگس ولے ہے گریاں مین غم تہیں
 ہوا ہے سودا سوں بل کے کالا لو ہو غزال خن میں غم تہیں
 نین دو بے ہیں لو میں رو روزلف پڑی شجر میں غم تہیں
 عینق جیتے تھے روتے ہو کے بہ چلے ہیں میں غم تہیں
 کروج قادر کی زار رو دے پرے جو مرزا دکن میں غم تہیں

(ایڈمبرا بیاض - مرثیہ نمبر ۲۱۴)

ایکسافرقی

از مرانی نظم

کافرم کا اسلوب نہایت شگفتہ ہے۔ خیالات زیادہ گہرے ہیں
ہیں لیکن اوسیت اور مرثیہ پن دو نوموجود ہیں جس کی ایک اعلیٰ
مرثیہ گوہی سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کیوں یزید اں نے ستم بر سر سلطان کیا اوس رخ پاک کے تیں خوں سے گل افشان کیا
زلف جمیعت ایماں کو پریشان کیا دین کون بات میں دے کفر پہ طغیان کیا

بستر خاک میں اوس پیکر خونیں کو اوچا سینہ اپنے سوں لٹا کر سر زانو پہ رکھا
بند میں بند لگا ٹوٹنے دل کا ہرجا آہ سینہ سین شکل چرخ پہ جولان کیا
آہ کر کہنے لگے اپنے جگر کا احوال کہ جدائی سوں ترے ہے ہدف تیر ملال
تاقیامت تلک اس در و کا دار وہے محال لاجرم گریہ وزاری کو میں در مان کیا
لے چلے مجھ کوں طرف شام کے وہ تاریاہ صبح امید مری کر کے پریشان و تبہا
کیوں کئے گی تری فرقت نے مجھوں یہاہ یوغل کافر بے دیں نے جو شیطان کیا

لے چلے اوں کوں طرف کوفہ کے واں میں شام جو کچھ اوس رہے گزر رہے جہاں پہ تمام
کیا کئے کافرم غم ناک قسمل کا نہیں کام غیر تسلیم جو کچھ ایزد و حسان کیا
(ایڈنبرہ بیاض - مرثیہ نمبر ۱۶)

خبرِ لعلِ ولی

(از مرثیہ کاظم)

تم اپنے دلبرِ اہل کی خبرِ لعلِ ولی بے تاج سرداراں کی خبرِ لعلِ ولی
نیزوں اوپر سرداراں کی خبرِ لعلِ ولی ظلم و ستم گراں کی خبرِ لعلِ ولی

آرامِ دل سیکھنے بے تاب کون نہیں انکیاں میں اوس کے راہ دیکھو خاکِ کون نہیں
کمیں انتہا یو درو کے اسباب کون نہیں غم ہائے بے کراں کی خبرِ لعلِ ولی

جن کو سولائے گودیں رکھتے تھے دوش پر دریاے خون سرس چلاؤن کے جوش کر
کیا صبر کر رہے ہیں دو لب کون خموش کر اوس ناز پروراں کی خبرِ لعلِ ولی

ہے سر پہ اون کے تیغ کو ہستانِ کج روش دل خوں ہوا ہے غم سوں بدخشانِ کج روش
برے انجمنینِ سیتِ نیاں کے روش اوس پاک جوہراں کی خبرِ لعلِ ولی

گلزارِ احمدی پہ پسی صرصرِ خزاں کانٹوں پہ سو گوار ہو بیٹھے ہیں بلبلِ اہل
ہر سرورِ استی پہ کریں نوحہ قمریاں بیدل صنوبراں کی خبرِ لعلِ ولی

دریاے خوں میں غرقِ مہماں ہیں شاہ تا آسماں بگولے اوزاتے ہیں آہ کے
آتش لگے ہے خرمنِ ہستی میں ماہ کے اوس خاکِ بسترِ اہل کی خبرِ لعلِ ولی

دنیا نے ہے بس کہ مُجتہاں اوپر ستم طاقت نہیں ہے اون کا بیاں کجے تلیم
فضلِ کرم میں اپنے یوسنِ ماجراے غم کاظم سے مضطراں کی خبرِ لعلِ ولی
(بیاض - مرثیہ نمبر ۱۰۰)

مرثیہ

از مرثیٰ ذوقی

ذوقی کے مرثیے زیادہ تر غزل نما ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سلیس ہے مطالب عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں لیکن اثر کم معلوم ہوتا ہے۔

اسے شمع بزم و تفسی گھسے آج آتے کیوں نہیں
وہ جاہل و دوزخ وطن اسے ہیں بادل کے نہیں
وہ شمع بزم مصطفیٰ با دہل سوں گل ہوا
پھوڑ بیکل و نیاں کے کام ہیں ن تلک کا خاص نام
سنتے ہو تم اسے مومنوں کی شہادت کا بیاں
ذوقی تار بے نلام، فضل و کرم سے یا امام
تاریک ہے تم بن جہاں جلوہ دکھاتے کیوں نہیں
جوں برق تیغ صفت شکن شہ جگہ گاتے کیوں نہیں
سب سوزِ دل سوں تن سدا یاراں گلاتے کیوں نہیں
تام کے آتش میں بدم تن کوں جلاتے کیوں نہیں
سجناک و غوں کے دریاں تن کوں ملاتے کیوں نہیں
اپنی زیارت کوں بدم اس کوں بلاتے کیوں نہیں

امام حسین اور نبی شہر بانو

شاہ اتم تحت گردوں پر دسا ماہ محن
فوج غم نے ملک لڑیاں کئے ہیں چوکدھن

تب ہزاراں درد و غم سوں شہر بانو نے کہا
تم نہاں اسے جان بانا کیوں کروں میں زندگی
تم نہاں ہر روز مجھ سینے میں یک سال ہے
شہ نے فرمایا کہ کچھ نہیں چارہ جز میر و شکیب
تم کوں روتے سوں نہیں کرتا منع اسے غم گنا
مجھ کوں کس کوں سوئپ کر جاتے ہو امیر و تن
تم نہاں کس کوں کہوں میں یہ پس کا دکھ کشمن
تم نہاں ہر رات غم سوں مجھ اوپر ہے یک قرن
ہے تار یا اور اس غم میں خدا سے ذوالمنن
مو پریشاں مت کرو اور پارہ پارہ پیرہن

گرچہ اسے ذوقی ترے بے حد گناہاں ہیں بچے
شکر اللہ میں شفیق روزِ محشر پہنچتے

(بیامن مرثیہ نمبر ۲۲۲)

ظلم دشت کربلا

از مرثیٰ رضی

رضی ٹھیٹ مرثیہ گو شاعر تھا۔ اُس کے کلام کے انتخابات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ادبیت کی مطلق پروانہ کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سوز و گداز موجود ہے۔

نالہ و فریادِ دردِ او یلا ہے اسے پروردگار
ظلم دشت کربلا میں دیکھ بے حد و شمار
غم سیتیں آلِ نبی کا دل ہوا سے بے قرار
او مٹی مٹھرتلک روتے ہیں دو کہ سونِ ازار

داغ غم سوں شاہ کے ہر طرف کھیلتا ہے باغ
پھول بن میں جب سستی پایا ہے اس غم کا سرِ غ
لاؤ خونی کفن ہے دل میں تب سوں داغ داغ
جامہ اپنے برسنے پہنا ہے سوسن سوگوار

ماتمہ سوں پُری خرم پہ دل کے بیجلی
نین جوں بادل کئی ہو رآہ جیسے بانسلی
تب ستے حاصل ہوئی افسوس ہم کوں بے کلی
غم کے جنگل میں بجاتا ہوں سد بے اختیار

آج خاطر جمع کاں ہے مجھ پریشانِ طال کی
ایک ماشورا قیامت ہے نبی کے آل کی
گرچہ ہے ترکِ ادب تفسیر اس اجمال کی
دیکھ تن سوں سرِ جداجیوں آفتابِ نیزہ دار

نہیں رضی معلوم راہِ حقِ تعالیٰ کا سبب
چشمِ تر جوئے فرات او پر کھڑے جب نشیب
نورِ چشم سائی کوثرِ بہوت ہو مضطرب
نوح کا طوفاں مگر اوسوقت ہوتا انسکار

میسرا دل

(از مرثیٰ رضی)

دکھ سوں ہے نہ از زار میسر دل	غم سوں ہے بے قسار میسر دل
لالہ وا غدار میسر دل	گلشن غم میں ہے شہیدان کے
شوق ہے جوں ذوالفقار میسر دل	نت شہیداں کے زخم غم سینہ
تب سوں ہے شعلہ زار میسر دل	غم کی بجلی پڑی ہے جب سینے
ہو کے غم کا شکار میسر دل	نیم بسمل من تر پتا ہے
کیوں ہنر پر غبار میسر دل	گر دغم سوں امام کے اے رضی

(بیاض - مرثیہ ۱۹۴)

ما تم امام زادہ اصغر

از مرثی ندیم

یہ خاص طرز کے مرثیوں سے ہے۔ قدیم اردو شاعر بعض وقت غزلیں بھی اس نوعیت کی لکھتے تھے۔ زبان نہایت پاکیزہ ہے اور ساتھ ہی پُر اثر مرثیہ ہے۔

رو رو بانو کرتے ہیں سونا تیسرا پانا
کہتے 'ہے ہیرا لال' سونا تیسرا پانا
کاری ہے مجھ دل پر گھاؤ 'سونا تیسرا پانا
اصغر مجھ سوں کر کچھ بات 'سونا تیسرا پانا
تجہ کوں تھا یہ برس ندان 'سونا تیسرا پانا
اصغر تجہ کھاں پاؤں میں 'سونا تیسرا پانا
جیونے کا اب کیا ہے سکھ 'سونا تیسرا پانا
گوریں جا کر سویا توں 'سونا تیسرا پانا
تجہ کوں ڈھونڈھوں دیں بدیں 'سونا تیسرا پانا
تجہ بن مجھ کوں گھر ہے بن 'سونا تیسرا پانا
جیونا مجھ کوں ہے دشوار 'سونا تیسرا پانا
اصغر شہ کے نور العین 'سونا تیسرا پانا

ہے ہے اصغر ابن حسین سونا تیسرا پانا
تجہ بن بانو ہیں بے حال 'لھو میں بکھرے سر کے بال
تھا تو شہ کا من کا چاؤ 'مجھ دکھیا کے من کا بھاؤ
تھا جو تجہ پر ایسا گھات 'مجھ کوں بی لجا نا سات
تھا مجھ دل میں یہ ارمان 'سا لگرہ لگتی سامان
چھاتی کوں کس لاؤں میں 'کس کوں دو دلاؤں میں
کیونکر دیکھا تیرا کھ 'تجہ پر بجاری ہر دم دکھ
گودی میں اب کس کوں لوں 'کس کوں تجہ بن لے لی وں
تجہ بن جو گن کا کر بھیس 'راکھ نکا سوں کھو لے کیس
دکھ کی کنتا پہنوں تن 'غسم کی دھونی جا لوں بن
نم سوں تیرے روؤں زارا 'اصغر اصغر کروں پکار
آج ندیم اس غم کے بین 'کرتا انجھواں بھر کرین

اصغر کی ماں

(از مرثیہ فشر)

نہایت پُر اثر اور حقیقت حال کو ظاہر کرنے والے مرثیوں میں سے ہے۔

سج بھولے کی میں بناتی تھی بے اصغر کون تب جھولاتی تھی
جب دولا را وہ نید بھر سوتا دو دپینے کوں میں جگاتی تھی
پھر بچیاں صید تے اوکے بایا تھا چاؤسوں جب امے او پاتی تھی
میں جب اصغر کوں گو دیں لیستی پھولے میں آنک میں سماتی تھی
پانی بن خشک ہو گیا ہے شیر دیکھ اصغر کوں تلملاتی تھی
آج بالک مرا نہیں دستا باس اوس کی مجھے بھی آتی تھی
غلاماں سنگدلوں نے مارا تیر سخت نولاد اُون کی چاتی تھی
تیر گزرا گلے سوں اصغر کے ہائے کس دکھ سوں جان جاتی تھی
شاہ پھر کر لے آئے اصغر کوں بولے یوکر "ایتی جیاتی تھی"
آج جھل میں توں اکیلا ہے رات دن میں "پچھی سنگاتی تھی"
آج کہہ کیا پوکا روں کہہ مجھ کوں تب میں اصغر کی ماں کھلاتی تھی

شہر بانو کے شول کی آواز
اے شرف لساں کو جاتی تھی

بی بی فاطمہ امام حسین کے غم میں

(از مسرتی قائم)

یہ اگرچہ زیادہ ادبی مرثیے ہیں لیکن سوز و گداز کی وجہ سے قابلِ قدر ہے۔

تجے فاطمہ آبولادیں حسین ترے بن کیتا تلمادیں حسین
ڈھونڈیں بے خودی سوں پناؤں حسین روویں ہاتھ مل حیف کھادیں حسین

کہیں مرے جو کے پیارے کہاں مجھے چھوڑا کیلا سہ حارے کہاں
دیکھو مجھ دکھی کے دو کیا رے کہاں سب کیا نہیں آج آدیں حسین

پلا تھامے گودیں دودا ہوا میں کبھو مجھ سوں یک تل جدا
ہوا کس بلا میں دوجا کر ملا کہ نہیں آج مجھے کد دکھا دیں حسین

دریغا مجھے چھوڑنیا را ہوا اکیلا کہاں جا بچا را ہوا
یو غم اس کے جویں انگارا ہوا لگے دوں سینے آبو جھادیں حسین

ہے قایم غلامی میں امید وار گناہاں میں غرق گر چہ بے شمار
ہے محشر کوں حامی مرا برقرار شفاعت جو کر کر چھوڑا دیں حسین

(بیاض - مرثیہ نمبر ۵۲)

ایک نئی طرح کی شادی

از مسرتی لین

یہ بالکل نئی طرز کا مرثیہ ہے موت کو شادی کی صورت میں پیش کرنا انتھلے رجائیت ہے۔

ماہ محرم میں دیکھو چند اہو مالی آئیا	تارے گلن کے گوند کر ہر جوشہ کوں لایا
گنگن ستم کا باند کر روک کا او بننا کوں لگا	حیرت کی چوکی کے او پر انجھواں سے تن ہلایا
دولاحینا چھوڑ کر گ، سر ڈال کھنا نور کا	سارے براقی سات لے دو لہن کوں بھیا دھیاں
با جے بجنتر دین کے غم کے نفیر یاں کا ہے غل	لمون شکرل ہی سنڈف تیروں کا چھایا
اپنے یو جیو کوں وار کر دیوے دھنگنا یس کا	ہر یک نے شہ کے سنگ سوں خلعت مہانی پائیا
قاضی قضا کا عقد بن کر ختم شرطاں شرمیاں	ڈھالاں کے خواناں کر آئیں، شمشیر چو بھا کھایا
تھا بڑ دشت کر بلا، خلعت بھر خون کا	ہیں پیاس میں لفلداں کل پانی سین ترسایا
آکر شام موت کی، دو لہن شہادت کی بنا	تقدیر کے سوخت اوپر، بٹھلا کے جلو لایا
سیدن سقا شہ کا سدا، میدان بکر کرنے بدل	نینوں کی مشکاں اشک سوں، بھر بھر کے نت چھڑکا

(بیاض - مرثیہ نمبر ۱۲۲)

مرثیہ

(از مرثیہ امی)

زبان اس قدر صاف ہے کہ دھوکہ ہوتا ہے کہ کہیں انیس کے کسی ہمعصر نے تو نہیں لکھ دیا۔
کیا ظالماں نے ظلم کیا بے حساب آج مظلوم کر بلا میں ہیں غالی جناب آج
اس غم سوں مومنوں کوں ہوا پیچ و تاب آج گویا علی کے گھر کا کھولا غم کا باب آج

تھا آئینہ رسول کو درشن حسین کا ہے وہ جفا کی گردیں درپن حسین کا
زخماں کے جوہراں میں دے تن حسین کا دستا ہے جوں شفق میں نزل آفتاب آج

کیوں عرش فرش پر نہ گرا بے قسار ہو کیوں تاب لاسکے نہ فلک دیکھو نسلم ہو
مینا سے قد کوں شہ کے شکستہ کیا دیکھو سنگیں دلاں نے ظلم کی پی کر شراب آج

یارب (ہ) حق خواجہ کوئین مصطفیٰ یارب (ہ) حق فاطمہ ناموس مرتضیٰ
یارب (ہ) حق جملہ امان مجتبیٰ بر لاہر یک مراد امانی شتاب آج

(بیاض - مرثیہ نمبر ۱۲)

بہتر مردہ پھول

(از مرثیہ راجی)

یہ ایک مرثیہ نہیں بلکہ غزل معلوم ہوتا ہے اور ادبی حیثیت سے قابل قدر ہے

آن غم ناک ہیں چمن کے گل	بلکہ دل چاک ہیں سن کے گل
عمر وہ سینہ داغ جہاں ہیں	نرگس دلالہ یا سمن کے گل
یوں نہ لائے شفق کے دستے ہیں	لمو میں ڈوبے ہیں سب گل کے گل
جب سنے شہ کی بات مجلس میں	جل بو جھے شمع انجمن کے گل
فتش پاؤیکہ دل ہوس رکھتا	سر پہ رکھنے کوں تجہ چرن کے گل
خوش گئے تجہ طبع سبیں اے راجی	دل کے باغاں سنے سخن کے گل

(بیاض - مرثیہ نمبر ۱۹۱)

ایک مرثیہ

(از مرثیہ نظر)

یاراں ہزار حیف رسول خدا نہیں اور فاطمہ علیٰ حسن مجتبا نہیں
تہا حسین رن میں کوئی آشنا نہیں باز نہیں رفیق نہیں دربا نہیں

اصغر کوں غم نے گودیں لیکر شگے جوئیر لمون نے جواب میں اراستم کا تیر
بیدا کیا کیا تری تقصیر، یو صغیر سیانا نہیں زبان نہیں دست پانہیں

کنے لگا ہے جب سولم کے نظم میں بیت دنیا کوں دل میں سکتے توں لاس الم بیت
دو جگ نے نظر کوں مجز جال بیت مقصد نہیں مراد نہیں مدعا نہیں

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۳۲)

غم شاہ عالی

(از مرثیہ قادری)

ہوا شہرت محرم میں یو غم ہے شاہ عالی کا
 مچھو پاس ہے دین کا چند رکہ جکے گوکس جگت
 ستارے سب یہ قدیاں نے ملا کر سب گنگن اوپر
 نہیں بوا شک شبنم سوں کھوے ہیں آکے گل ہو
 قیامت کا پھنا قادر تر زلزل جب کرے ظاہر
 کہ ہے فرزند پیارا وہ دو تو عالم کے والی کا
 فلک ہر ملک میں تانے شمایا نارات کالی کا
 حین کسوں کوں جلائے سے مندف موتیاں کی مانی کا
 دیکھو غم کے چمن میانے لطافت غم کے والی کا
 مجھے تقویٰ تب آخر ہے حین سرور والی کا

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۲۷)

اُردو شہ پارے

جلد اول

حصہ ستر



معرفت کے پردے

از
معراج نامہ حضرت خواجہ بندہ نواز

قصوت کی عام عبارتوں کی طرح اس کا اسلوب بھی پیچیدہ ہے بعض جگہ الفاظ سمجھ میں آتے
اور عبارت بے ربط معلوم ہوتی ہے تاہم یہ عبارت اس لئے قابل غور ہے کہ قدیم ترین کھانا
جاسکتی ہے۔

نبی کہے۔ تحقیق خدا کے میاتے ستر نزار پر دے اوجیا لے کے ہو راند ہارے
کے۔ اگر اس میں تے یک پردہ اٹھ جاوے تو اس کی آنچتے میں جلوں۔ ہو ریک وقت ایسا
ہوتا ہے سمجھو اور دیکھو بے پردہ اند ہارے کے اوجیلے کے عارفان پر ہے دے واصل
پر پردے نورانی دے واصلان کا صفا پردا ہوتا ہے۔ سو محمد کا نور اے عزیزنا دل ربوبیت
کا پردا سوائے تن جمالی جسم کے پردے کوں انپڑے باج اس جاں الوہیت کے پردے
ممکن الوجوہ کوں انپڑے۔ الوہیت کے پردے کوں انپڑے عارف الوجود کوں انپڑے
اس روح القدس کے پردے کوں انپڑے باج اس کبریائی کے پردے کوں بہتر جاگا دونوں
عالم اے دیکھنے کے معنی یوں محمد دیکھے جو آفتاب کے اوجیا لے میں تارے اچکر نہیں دے
یوں ہی دونوں عالم کوں یوں آفتاب ہو ٹیکر اسے معلوم ہوئے گا۔ قال تعالیٰ
کل من علیہا فان۔ خدا دونوں عالم اچکر دے ہیں۔ سو معلوم ہوئے گا اس کے معنی
دائم خدا تعالیٰ کوں ویسقی وجہ دیک اس کا معنی دائم خدا تعالیٰ کا دیدار بقا کر ہے
قال علیہ السلام۔ لا یدخل احد فی عبادۃ حتی لا یدخل نفسه فی عبادۃ
حتی عبادۃ نفسه ہے۔ حضرت جبرائیل خداتے یو حکم ایک لائے۔ دے نفسہ فی عبادۃ
اس کا معنی ستر نزار پر دے سیر کر لو اے۔

ایمان از

رسالہ سہ بارہ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

سوال۔ ذاتی ایمان کونسا اور صفاتی ایمان کون۔
جواب۔ اگہندہ حال ثابتی ہے۔ سو ذاتی ایمان وہ ہے ثابتی آتی اور جاتی ہے۔ سو صفاتی ایمان۔
سوال۔ ایمان کے جہازان کیا اور ایمان کے ڈالیاں کیا اور ایمان کے پات اور ایمان کا وطن کیا اور
ایمان کا بیج کیا اور ایمان کا پوست کیا اور ایمان کا سر کیا۔ اور ایمان کا جیو کیا۔
جواب۔ ایمان کا جیو قرآن۔ ایمان کی جڑ توبہ۔ ایمان کی ڈالیاں سو بندگی۔ ایمان کی پات پر زینہ گاری۔
ایمان کا تخم سو علم۔ ایمان کا پوست سو شرم۔ ایمان کا وطن سو مومن کا دل ہے۔
(رسالہ سہ بارہ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ)

لوارم عشق

سب رس مُصنّف شاہ میران جی

عشق کے اسرار بالعموم ایسے اسلوب میں لکھے جاتے ہیں جسکو عوام آسانی سے نہیں سمجھ سکتے لیکن ذیلی انتخاب میں مطلب کی گہرائی کے ساتھ ساتھ عبارت کی سادگی مصنف کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

”جسکوئی عاشق کون اس سات چیزتے منع کرے خدا تعالیٰ اسے دنیا میں سوں فنا کرے خواہو ت دیکر راک سن، ریجہ، خوشبوئی، خوش کر، کیف کہا۔ بے پروا چہ اور شعر پر خدا کوں بھوت یاد کر۔ محبت سوں بد ہاپنے کام میں مشغول رہ کس سوں نکو چہکر، یہاں آرام، یاں کام، یاں حال، یاں وصال، یاں یو کہسے، بالے جو کچھ توں دیکھے گا سونے گا۔ سوسب درد سر ہے مشاہد ہی۔ مراقبی میں رکھتیا سیر طیر میں توں رہے گا، اس زمانے میں کشف کرامات ہوا جو تجھے ہوئے کا یو جوں کیسیا کرے سا دھندا نہیں، ہوتا اور ہوا آج کا کر دل پر آتا۔ سیدھے بات پکر کھر کو آں توں کوں، زبان میں کائی کون جاتا، دل تجھے جو کوئی سکھاتا ہے، اسے پوچھ، توں مجھیں سکھاتا سو تجھ پر کھلا ہی اس کام اس پر نہیں کھلیا، سو تجھ پر کیا کھلیگا توں کیا سمجھ کر بھولیا ہے۔ بھو سیگا تو ادھر ادھر کیا چار حکایتاں۔ اس حکایتاں سوں کیا حامل، جس کام کوں توں دوڑتا ہے اد کام ناں ہوئے تو اس باتاں سوں تجھے کیا حامل توں دنیاں کے دھندے میں ہلکیا ہے اور اس کی بات بھی آزاد ہے۔ ولے یو خبر ہے کہ اس کی بسیرین میں بھی اسی کا یار ہے، اور اپستی اپی آپ کون یاد دلانا ہے توں بھی اسے یاد کر۔ عاشق تو اسے بسر نکو، اس کی یاد سوں دل کون خدا کر اور اپس کو اپی یاد دلاتا سو اپس کوں دکھلاتا ہے، کہ یو دیکھو یو میری صورت ہی تجھے دیکھ کا کون بے دل ہو جاتا ہے میں اتا۔ ترے نزدیک ہوں، اور توں تو مجھے نہیں دیکھتا۔

نبی اور ولی

از

سب رس مصنفہ وجہی

عشق خدا کون بھید یا تو اس کی خاطر آسمان زمین ہویدا کیا، عشق خدا کون بھید یا تو اپنا
 حبیب کر محمد کون پیدا کیا۔ اگر محمد نہ ہوتا تو آسمان زمین نہ ہوتا، اگر محمد نہ ہوتا تو ماہ و پر دین نہ
 ہوتا۔ اگر محمد نہ ہوتا تو دنیا ہو ر دین نہ ہوتا۔ جس کے نور نے عالم نے پایا دشمنی، لولاک لسا
 خلقت الافلاک کا دہنی۔ اول خدا ہے نبی و دیم، سویم ہے ولی، یوتین ناؤ تھے مومن کے دل
 کون تجلی۔ محمد کون جس رات ہوئی سراج۔ وہاں دو سرانہ تھا۔ کوئی علی باج۔ گیان دھیا
 کے کام تمام محمد نے لیا یا، جو کچھ پانا تھا۔ سو محمد نے پایا۔ جو کچھ محمد نے پایا۔ سو علی کون سمجھایا
 یوحج علی کی تسلیم آیا، علی خدا کون بھایا، رسول کون بھایا۔ محمد نبی علی ولی، نبوت خدا کی
 پیشوائی ولایت ممبوی ہو راستنائی، نبوت کار سازی، ولایت بے نیازی۔ ولایت ہار گلے
 یار کا۔ نبوت دہند اگھر دار کا۔ ولایت اگر نبوت آتی، نبوت آئی تو کیا ولایت جاتی۔ فرق
 و صندے کا ٹک یا بے آنا کے کچھ سپڑتا۔ کوئی کچھ پاتا۔

دنیا جھوٹ ہے

از

سب رس مصنفہ وجہی

اس انتخاب میں دنیا داری کے بڑے کامیاب گزشتہ نیت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں
اس انتخاب کی ادبیت بھی قابل تدر ہے ۔

یعنی دنیا جھوٹ ہے ۔ نہیں حاصل جھوٹ بغیر ہوئی ۔ یہ حدیث تو نذیر کو کہیں کا کہیں لیجائی
اس ٹھار حافل کے عقل کو بھی قرار نہیں ہے ۔ یہ اس میں رہیں گے ٹھار نہیں ہے ۔ خدا کا یہ کام راست
لا دے کسی کے پھاندے نا بھاوے ، جتنی دوستی جتنی یاری اچھے تو بی (بھی) جتنی محبت اور (ہو)
جتنی مروت جتنی دلداری اچھے تو بھی اپنی جا کا (جگہ) بہت سادہ میٹ (نذر) رہنا جگہ کوئی (جو کوئی)
اپنی دوستی دکھلاوے تو آپے (آپ) بے دوستیج کہنا ۔ جو حافظ سکر جیسوں جان غیب کی بات
یوں نہارا (بولنے والا) کہ باد وستان مروت باد و شمنان مدارا ۔

منہ پر بھو تیجہ دوستی دہرنا مو نہہ پراسی بھی محبت کمال چار زیا دیچہ باتاں کرنا اس کے
ادھر سے اس کے ادھر سے خوب آتا تو تمہارے ادھر سے بھی خوب آتا ۔ نہیں تو چار باتاں کر کے
تمہارا کیا جاتا ۔ مقصود جان اچھوتاں ولے مون پر ہاں کو ہاں ۔ غرض آپے اپنی سمج سے ۔ اچھے
تو کچھ برا نہیں ہے ۔ اپنا تمام کام سمج سے اچھے تو کچھ برا نہیں ہے ۔ ہشیاری مردان کو بہت پیاری
جو دکن میں مثلاً مسئلہ چلا ہے کہ میاں سیٹے دنیا میں رہتے ۔ ہاں کو ہاں ۔ نین کو نین کہتے
اس گردش فلک میں کیا جانے کیا ہوتا ۔ ایک پلک میں کیا جانے کیا ہوتا ۔“

طالب تحقیق

از

رسائل شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ امین کی تصنیفات اگرچہ بعد کی زمانہ کی پیداوار ہیں لیکن ان کی عبارت میں خاصی تنقید پائی ہے۔ انتخاب ان کی عام طرز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔

لوح اسے طالب تحقیق اس لاہوت کے مقام میں اگر داخل ہو اس کو حاصل ائے گی سو۔ تجلی بھانت بھانت کی روش ہے۔ اس کے تئیں اس کی استعداد کے مناسب حاصل ہو و لگا بیٹھنے ازل کی موافق حاصل ہو لگا۔ اس لاہوت کئی سو مقام پونچا سو اس کے تئیں نہایت تجلی اس کے تئیں اعیان ثابتہ سوں ظاہر آتا اس وجہ جو کوئی اپن اعیان ثابتہ کون آکر پاؤ لگا اد نہایت کون پایا سو ہو لگا۔ اور بھی بوج اسی طالب تحقیق نہیں۔ اور کا مذکور ہو مقام یاد سوں کرے یک کی بچہیں بیک پی در پی انا تمام کب تک مریدال ہو دیں گی سو کئی سو مقام میں کی کی عمل میں ہو ر گرفتار ہو کر بھر لگا۔ اس وجہ سے کی گرفتاری میں اللہ تعالیٰ جذب لیں اس کے تئیں لاہوت میں داخل کراد لگا۔



بیچا سوان بیان

از
شمال الاتقیا - میران یعقوب

یا ایہا الذین آمنوا صبروا وصابرو وراجبوا - یعنی اے مومنان صبر کرو ہور استوار اچھو
تہیدات اس آیت میں تن ہور دل ہور روح - یو تینو صبر کرو کر حکم ہوا یعنی
تن سوں خدا کی طاعت پر - یعنی خزان ابر داری رہو ہور صبر کرو اپنے دل سوں خدا کی بلا پر ہور استوار اچھو
اپنے روح ہور سر سوں خدا کے دیکھنے کے شوق ہور محبت پر - صبر تین روز کا ہے - پہلا الصبر فی الہ
یعنی خدا کی بات میں صبر کرے - یعنی اس کی بات میں رہے -
دوسرا الصبر للہ ہے - یعنی یو اخلاص ہے - یعنی خدا چہ خاطر صبر کرے -

تیسرا - الصبر مع اللہ ہے - یعنی خدا سوں صبر کرے اور دایم کا شاہدہ ہے یعنی ہمیشہ - اس کے
یعنی ہمیشہ اس کے دیکھنے میں رہے - صبوری خدا کے سات رہنا ہے کہ ان اللہ مع الصابین یعنی
خدا صابران کے سات ہے - خواجہ برہان الدین کہے کہ صبوری سو خدا کی صفت کا غلبہ ہے - نفس کی صفت
کے غلبہ پر یعنی صبوری تھے نفس مغلوب ہور عاجز ہوتا ہے - اکثر گناہ و چیز تھے ہوتا ہے - اپنے پیارے
چیزاں سے تھوڑا صبر کرتے ہیں - اور اپنے بھالے چیزاں پر تھوڑا رہتے ہیں - قول خواجہ برہان الدین - بندہ
ضعیف ہے صبر نہ کر کے دے تبصر کرے یعنی کوشش سوں صبوری کا ورزش کر کے رسالہ قشیری صبوری در
(وضع) کی ہے ایک صبر بندے کے کرنے ہور کوشش سوں ہے دوسرا امر نہی رہنا ہے - دسرا صبر اس کے
کرنے تھے نہیں سو خدا کے بلایاں ہور رنج پر اچھا ہے دیگر خدا فرمایا ہے - و صبر لالہ باللہ یعنی
تیرا صبر خدا سوں ہے یو عبودیت ہے یعنی خدا سوں اچہ - جیکوئی اللہ کے درجے تھے ترقی کرے سو باللہ
درجے کو اپڑے یعنی عبادت کے مقام تھے عبودیت کو پونچے ملے یعنی خدا کی خاطر اچھے باللہ یعنی خدا
سوں لپچے -

ایک مصنوعی عورت

از

طوطی نامہ

یہ اور اس کے بعد کے دو نثری ٹکڑے طوطی نامہ کے ایک نامکمل دہنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ بس کا ایک نفیس مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ دراصل دراصل فارسی طوطی نامہ کا ہے۔ اور اس میں ہر سطر کے نیچے غالباً مالک کتاب نے بالکل لفظ بہ لفظ اردو ترجمہ لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ ترجمہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ کتاب کے آخر میں اگرچہ یہ ضرور لکھا ہے کہ ابو الفضل بن مبارک متوطن لاہور کا طوطی نامہ ختم ہوا۔ لیکن کاتب کا نام اور مقام اور سنہ کتابت کچھ نہیں لکھا۔

اردو ترجمہ کے رسم الخط اور کاغذ وغیرہ پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ترجمہ کافی قدیم ہوگا اور یہ بھی کہ یہ دراصل مترجم ہی کے ہات کا سودہ ہے۔ تین چوتھائی کے قریب کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیوں مترجم کام جاری نہ رکھ سکا۔

اس مخطوطہ کا اردو رسم الخط نہایت ہی عجیب ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آئندہ تحقیقات کرنے والوں کو اس سے کوئی فائدہ پہنچے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس کی چند خصوصیات درج کر دیتے ہیں۔

ڑ اور ڈ کو ہمیشہ ڑ اور ڈ لکھتا ہے۔
دلی، گلی، لکڑی وغیرہ الفاظ کو ی معدون کے لئے ہمیشہ دلتے۔ گلے۔ اور لکڑے
لکھتا ہے۔ کرے، کے، میرے وغیرہ الفاظ کی ی جہول کے لئے ہمیشہ کری، کی، میری
لکھتا ہے (گویا ی کا الٹا) آج کل کے رواج کے بالکل برعکس تھا

جملوں یا فقرہوں کے بعد وقفہ ظاہر کرنے کے لئے اکثر اس علامت کا استعمال کرتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظ بہ لفظ کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے بعض جگہ عبارت میں پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے جس کو خود مترجم نے بھی کئی جگہ محسوس کیا ہے اور جس کو دور کرنے کے لئے خود ہی قوسین اس کا مطلب بھی لکھ دیا ہے۔

ایک مصنوعی عورت سے کسی قسم کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ قدیم اردو نثر کی

بعض خصوصیات ظاہر کرنے کے علاوہ یہ انتخاب اپنے قصہ میں کی وجہ سے بھی خالصاً دلچسپ ثابت ہو گا۔
خود طوطی نامہ کے پلاٹ کے متعلق کچھ لکھنا یقیناً بے سود ہے کیونکہ اس کے ایکسٹ سے زیادہ اردو

ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اور اردو دان اس کی نوعیت سے کم دہش واقف ہیں۔

نقل چٹپی سنار اور برائی اور پرہیزگار اور درزی کی، اور صورت لکڑی کی، اور عاشق ہونا سات عاشق کا۔ سات عاشق کا اوپر اس صورت کے اور چنانچہ سات عاشقان (پیکر چوب کا آگو جہاڑ کے اور بے نصیب رہنا وہ سب عاشقان کا۔ (یعنی جتنی باتان اسی داستان میں ہیں ۱۲)
جب ستارہ بڑا (یعنی آفتاب) طرٹ مغرب کے دوڑیا اور اندھارا رات کا میدان جہاں کے تیس کا لاکھا۔ خجستہ واسطے طلب کرنے زحمت کے دوڑیا۔ طوطی کے گئی۔ طوطی بولی۔ کب تک عاشق کے تیس بچہ جلن کے چاہے گی توں رکھنے جلاپا (یعنی ملاقات کر) ایسا نہ ہو دے کہ خیر مرد کو تیرے پہنچے۔ اور میرے تین مانند جہاڑ کے کاٹے اور توں مانند سات یار کے محروم رہے توں۔ خجستہ پوچھی کیونکر تھی وہ نقل۔ طوطی بولی۔

بڑائی اور سنار اور درزی اور پرہیزگار مسافری کونسلے، اور ایک رات بیچ جنگل دہشت بھر ہوئے کے کہ تپا یا گاں کا ڈیس اس جنگل کے پانی ہوتا تھا۔ یکا یک اپنا اس جاگاں میں بڑیا (یعنی ہوا) وہ چارویار مصلحت کرے کہ ہم ہر ایک موافق باری کے یک یک پھر نگہبانی کرے۔ اول بڑائی جاگنا تھا لکڑی یک بیچ نہایت بہتری کے چھلیا (یعنی اچھی صورت بنایا) اور پھر دو گڑی سنار اس صورت کے تیس زیور میں ستواریا۔ تیسری پھری میں درزی اس کے تین سات لباس کے زینت وار کیا۔ چوتھی پھری میں زراہ موں عاجزی کا طرٹ قبلہ کے لایا۔ دعا کیا۔ اور جان بیج بدن اس کے پھوگے گیا ہوا۔ جب جاگا قبول کیا گیا تاریکی کا (یعنی آفتاب) آیکی میں تھا سو ڈیس میں کالی رات کے نکل کر سات قصد عالم روشن کرنے کے۔ منزل مانپنے ہارا آسمان کا ہوا۔ ہر ایک کوئی (یعنی ادن چارو یار سین) ہر ایک بار جنگل لڑائی کا بیج دامن یک دوسرے کے ارسے (یعنی ہر ہر شخص وہ عورت کوں اپنے لیوں گا بولتا تھا ۱۲) بعد از لڑائی بہوت کے قرار پایا کہ اوپر سر راہ کے کھڑے رہیں انوں (یعنی سب ملکر راستے پوکھڑے رہنا) کوئی ایک کہ اول پونجا اس سین فیصلہ قہینہ کا طلب کریں۔ اونو سات اس نیت کے اوپر سر راہ کے کھڑے رہے۔ مسافر یک پونچیا۔ اور اوپر لڑائی کی کیفیت کے خبردار

جلدی جنگل دشمنی کا اور لڑائی بیچہ دامن ان چاریار کے ماریا کہ عورت میری کی تیں تم چار وڈا نکا پر کر
(یعنی رہ زنی کر کر) لے گئے ہیں۔ آگو کو تو ال کے آؤ تو کیا انصاف بوتا ہے۔ آگو کو تو ال کے گئے
کو تو ال بھی عاشق حسن اس صورت کا ہوا۔ اور بولیا یہ عورت بھائی میں میری ہے (یعنی میرے
بھائی کی عورت ہے) تمہیں بیچہ راہ فلانی جاگا کے لوٹ لے گئے ہیں۔ عورت کے تیں پایا میں
مال اس کے تیں جواب بولو۔ (یعنی میرے بھائی کا مال دیو) وہ کو تو ال آگو بادشاہ کے لے گیا۔ اور
داد چاہا۔

بادشاہ اسی وقت باندے گیا زلف کے سر یکے اس کے ہوا (یعنی بادشاہ بھی عاشق اس
کا ہوا) عالم ایک واسطے تماشائے جمیع آئے۔ اور انصاف قصینہ کے تیں بوڈے ایک جہاندندہ میں
چاہے۔ وہ بوڈا بولیا۔ چالیس کوس اس شہر میں جہار حکم کرنے ہا کر کر نام جھاڑ ایک کا ہے۔ قصینہ میں
فیصل ہونے ہا۔ اسی جاگا فیصلہ پاتا ہے۔ اس جاگا جاگو تیں تمام لوگ دعویٰ کرنے ہارے
اس عورت کے نزدیک اس جھاڑ کے پہونچے۔ اور مدعا اپنا ظاہر کرے۔ انتظار سخن نادر غیب کا
رکھے (یعنی نادریات غیب سے کیا آتی ہے سوا انتظار کرے) بیچہ اس نیچے کے (یعنی ایسے میں
پیڑ جھاڑ کی جیرے گئی۔ اور عورت بیچ پیڑ جھاڑ کے اندر آئی۔ اور دڑاڑ مل گئی۔ اور پاتاں میں جھاڑ
کے اواز یہ آیا کہ تمام چیز رجوع کرتی ہے طرف اصل اپنے (یعنی وہ تصویر لکڑی میں ہوئی تھیں آخر
پھر لکڑی میں مل گئی) تمام دعویٰ کرنے ہارے نا امید ہوئے۔ اور پھر کر آئے۔
اے نجمتہ تو بھی سات جلدی کے اس محبوب کے تیں پا۔ نجمتہ چاہی ویسا کرے (یعنی
جاوے) آقا بنا کل آیا قصد جانے کا اس کا موقوف ہوا۔

(برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۱۰۵۸۹۔ ورق ۱۶ ب تا ۱۸ اب)

فن موسیقی از طوطی نامہ

ترقی یافتہ ملکوں میں بلکہ ادب اور خصوصاً قصہ کہانیوں کے ذریعہ عوام کو علمی اور فنی باتیں بھی معلوم کرائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں ہمارے اہل علم بھی اس گرتے کام میں لگتے تھے۔ چنانچہ طوطی نامے جیسے کہانیوں کے مجموعہ میں اس زمانہ کی دست معلومات کے مطابق موسیقی کے متعلق طوطی کی زبان سے جو نکلا یا گیا ہے۔ اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ مترجم نے لوگوں کے فارسی ناموں کے بھی اردو ترجمے لکھے ہیں جن کے آگے اونچے قوسین میں مولف نے ناظرین کی اطلاع کی خاطر اصل فارسی اصطلاحیں بھی نقل کر دی ہیں۔

موسیقی علم ایک ہے پاک، سات ایسے سبب کے جو نیا گیا (یعنی راگ ایسے چیزان میں بنائے ہیں) اور بیج ہونے اس کے (یعنی راگ کے ہونے میں) اختلاف ہے۔) ہر ایک طبیعت احاطہ کرنے ہاری اس کی نہیں ہو سکتی ہے۔

جماعت ایک اوپر اس بات کے ہیں کہ حکیم ایک ہندوستانی ہیں بیج راہ ایک کے جاتا تھا، باندہ بیج نظر کے آیا کہ اوپر ڈالیاں جھاڑ کے پھرتا تھا۔ یکایک لکڑی میں ڈالی ایک کے پیٹ اس کا چیر لگایا ہوا۔ اور انتری اس کی بیج دو ڈالیاں کے جاگا کرے۔ اور بعد از محظہ ایک کے رود سوگ گیا۔ اور بارہ اس انتری کو پونچیا۔ آواز ایک دل لگاتے ہارا نکلیا (یعنی اس انتری میں آواز بہتر نکلیا) وہ حکیم انتری کو جبار میں آواز کر سات لکڑی ایک کے خم دیکر اوپر باندیا، آواز بہتر اس میں سننے کوں پونچنے ہارا ہوا۔ کہتے تار اوپر اس کے زیادہ کیا۔ اور اسی طرح ہر ایک حکیم اوپر ساز کے یک کام نوا بناتا گیا۔ تا یہاں تک کہ وقت اوپر جنگ اور رباب کے دور دوسرے سازوں کے پونچیا (یعنی بنائے)

اور جیسے حکیم نکالنا سازان راگ کا طرف شیطان کی نسبت دینا کرتے ہیں۔ کہ کچھا وچ

بنایا اور آپ وہ شیطان مہنیا۔ پوچھے اس شیطان کوں کیا مہنسا ہے توں؟ بولیا اوپر

گروہ ایک کے بنتا ہوں میں کہ اوپر اس آواز کے خوش ہو دیں گے۔
 اور کہتے ایک لوگ کہتے ہیں کہ بیچہ ہندوستان کے قفس کر کر نام جانور ایک کا ہے بدخ
 کے سری کا، چونچہ چوڑی، سات چھید رکتا ہے۔ بیچہ دنان بہار کے بیچہ خوشی کے ہوتا ہے اور
 ہر ایک چھید میں جو بیچہ اس کی ستر خیر نادہ رکھتے ہیں۔ اور یہ علم راگ کا اسی جانور میں چننا
 کئے ہیں۔ (یعنی نکالے ہیں)

اور بعض لوگان اوپر اس بات کے ہیں کہ فیثاغورث حکیم عراق کے ملک کا واسطے ظاہر ہونے
 خوب حرکتان اور آوازاں آسمان کے (یعنی آسمان چلتا سو حرکت اور آواز دیکھ کر) راگ کے تین
 بنایا (یعنی آسمان میں بہت آواز اچھے ہیں)۔ اور سات پر وہ کے نام کیا۔ (یعنی ہر راگ کا نام
 علحدہ رکھا) اور حکیمان وقتان اس راگ کے مقرر کرے۔ اور جب راگ بیچہ اس وقت کے
 بجائے میں آوے۔ خوشی تمام حاصل ہوئے۔

فجر کے وقت میر و کار راگ اور اس کی راگنیاں (صبحی نرادی) اور آفتاب نکلنے وقت
 بلا دل راگ (حینی) چار گھڑی دن کون توڑ ہی راگ (راسیس) اور پھر دن چڑھے آسلاوی
 (بوسلیک) اور دوپہر کو سازنگ (وندی) اور ظہر کو دنہا تسری (عشاق) اور ظہر عصر کے درانی
 پور بی (سجاز) اور عصر کو سری راگ (عراق) اور مغرب کو حمیر اور کلیان اور کاندرا (باختر
 زو میانہ) اور آخر رات کو پنجم (یعنی مال کوں) اور بھیس (رمل نکلاں و خورد)۔ بجاتے ہیں
 یہ راگان اصل ہیں۔ اور وہ جو کچھ کہ اس راگاں میں نسبت کئے گئے ہیں (یعنی اس راگاں
 میں جو راگنیاں کہ نکلتے ہیں) مانند ابریشم کی تاران کے اور بالوں کے ہے (یعنی ریشم کے
 ستانہ این اور بالان کہتے ہیں و لے ہیں راگنیاں)

(برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۱۰۵۰۰۔ ورق ۲۰۰ ب ۳۱۱ ب)

مرد اور عورت کی شہفت

کا معیار

از
طوطی نامہ

یہ معلوم کر کے کہ قدیم زمانہ میں طالب و مطلوب کو ایک دوسرے پر اعتماد حاصل کرنے کے لئے کس قدر سادہ اوصاف و دکار تھے۔ آج کل کے سالکان راہ عشق میں ضرور یہ احساس پیدا ہوگا

کہ کاش وہ بھی اسی ہولے بھالے عہد میں پیدا ہوتے !

کمال آدمی کا سات دس صفت کے ہے۔ وہ صفتان اگر کوئی آدمی بیان کرے وہ آدمی نجیب ہوئے خجستہ پوچھی بول کہ میں سیکہ کر اس عاشق میں سوال کروں۔ طوطی بولی۔

پہلے حسن اور دہد یہ صورت کا۔ دوسرا محبت کرنے ہارا سات ہر کسی کے خاص سات محبوب کے نفرت کرنے ہارا نہ ہوئے۔ تیسرا لکھنے ہارا کہ معشوق کے تیں بھید میں اپنے خبردار کرے۔ چوتھا ہتیار کو درست رکھے کہ کوئی اپرا اس کے قابو نہ پاوے (یعنی دغانہ دیوے) پانچواں تیرنے ہارا کے بچہ کشتی کے سات معشوق کے پونچے۔ چھٹا مردانگی اور دلیری رکھے کہ عاجز کسی کا نہ ہوئے ساتواں سخی اچھا کہ سرا پنا بھی کسی کو دینے دغانہ کرے۔ اٹواں جان لے ہارا کئی زبان کا ہوئے نواں شراب اس طرح ہے کہ بے خیر نہ ہوئے۔ دسوا جاننے ہارا علم راگ کا ہوئے۔

اے خجستہ اگر وہ عاشق تیرے سین پوچھنا سات خصلت عورتان کا کرے توں کیا جواب دے گی خجستہ پوچھی وہ کونسی خصلتان میں ؟ طوطی بولی :-

اول خصلت یہ ہے کہ عورت تمام وقت ہنستی رہے۔ دوسرا گھٹے ٹھوس والی نہ ہوئے۔ تیسرا سخی نہ ہوئے چوتھا بخیل نہ ہوئے۔ پانچواں بیوت سنوارنے ہاری نہ ہوئے۔ چھٹا پریشان اور بے سامان نہ ہوئے ساتواں تمام وقت پاک صاف ہوئے۔

نماز تہنئے کا بیان

از ترجمہ شریعت نامہ

پہلا نماز میں بات کیے تو نماز تہنئی ہے۔ دوسرا ہری بھری کی مقدار کھائے سوں۔ تیسرا قبلے سوں موں پھرانا جیسا کہ قبلے کی طرف پیٹ ہوئے۔ چوتھا کسی سلام کرنا کہ السلام علیکم، یا سر پر ہات رکھنا۔ پانچواں کوئی سلام کیا تو علیکم السلام بولنا۔ چھٹا در دسوں ارٹو ڈالنا۔ ساتواں آہ یا ادہ یا واہ کئے تو۔ اٹھواں در دسوں رونا، یعنی دنیا کے در دسوں۔ نوواں ایک ہات سوں تین کام کرنا، یاد دلوں ہات سوں ایک کام کر لے سوں۔ دسواں ستمی کہنکارنا جو اس میں حزن ظاہر ہوئے تو نماز جاتی ہے۔ گیارواں اگر قرآن یعنی الحمد یا سورت میں غلط ایسا پڑنا کہ معنی میں تغاوت ہوتا ہے۔ بارواں مصحف پر دیک کر پڑنے سوں۔ تیرواں منگنا۔ خدا کئے۔ جول آدمیاں کئے منگئے، یا بار خدا منجے گھوڑا دے یا جور دے، یا اس سری کا دنیا کی خیرین سوں، اگر آخرت کی چیز منگیا تو نماز میں تہنئی۔

چودواں اگر کوئی جھینک کر الحمد امد بولیا ہو نماز کر لے والا رحمۃ اللہ بولیا تو نماز جاتی ہے پندرہواں نماز میں پکار کر ہنسا، نماز ہو رہی تہنئی ہے۔ سولواں نماز کی فرض سوں ایک فرض چھوڑنا۔ سترواں نجس زمین پر یا نجس کپڑے پر سجدہ کرنا۔

اٹھارواں اگر امام قرات سوں کچ بسرا ہو رہی مقتدی بولیا ہو امام اوپر یا تو نماز جاتی ہے۔ انیسواں اگر ایک شخص اگر اپنے امام کے غیر کوں کچ چکیا سو بولنے سوں نماز جاتی ہے۔

جاتی ہے۔ یعنی اقتدار کے وقت۔

اکیسواں۔ نماز میں دونوں پاؤں بے غدر اٹھایا تو۔

باویسواں۔ اگر صاحب تریب کوں نماز میں قضا نماز یاد آئی۔ ہوو وقت بہت ہے تو یو نماز کہ کرتا ہے سوٹتی ہے مثلاً اگر ایک شخص ظہر کی نماز کرتا ہے۔ اس میں اسے یاد آیا کہ فجر کی نماز اس پر قضا ہے۔ پچھیں رو دیکھے اگر وقت ظہر کا بہت ہے تو او ظہر کی نماز تہمتی اول فجر کی نماز کر کر پچھیں ظہر کی کرے۔ اگر ظہر کا وقت تنگ ہو اے تو ظہر کی نماز نہیں تہتی۔

تیسویسواں۔ اگر مقتدا امام سوں آگیں کھڑا رہیا تو نماز تہمتی ہے۔

چوبیسواں۔ اگر کوئی نماز میں سنیا کہ فلا نے کون بیٹا ہوا تو نمازی الحمد للہ بولنا۔

پچھیسواں۔ اگر نمازی سنیا کہ فلا مواتو نمازی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ بولنا

اگر کسی نے آیت کا جواب یا حدیث کا جواب دیا تو بی نماز تہمتی ہے۔

(ادواق ۱۲۲-۱۲۶)

آدمی اور لباس

از

اخلاق ہندی

یہ اور اس کے بعد کے دو مختصر قصبے ایڈنبرا یونیورسٹی کے اس اردو مخطوطے سے اخذ ہیں جس کا نام اخلاق ہندی ہے اور جس کے مصنف اور سنہ تصنیف وغیرہ کے متعلق فی الحال کوئی علم نہیں ہو سکا۔ تاہم زبان کی خصوصیات کے مد نظر مولف کا خیال ہے کہ یہ دلی کے کسی ہم عصر ادیب کا کارنامہ ہے۔

زبان اور مطلب دونوں کے لحاظ سے یہ قصبے خود اس قدر دلچسپ ہیں کہ ان کے متعلق کچھ لکھنا حاصل ہے۔

ایک دانشمند ایک شہر میں گیا سنیا جو اس شہر میں ایک شخص سخاوت بہت رکھتا ہو اور مسافران کے تین کھانا کھلاتا ہے۔ دانشمند پورا لے اور خراب کپڑے پہن کر اس شخص کے سامنے گیا اور اس شخص کے ننگے پاؤں پر گیا ہو کر جاگ بیٹھنے میں دیا۔ دانشمند شرمندہ ہو کر پھر آیا دوسرے روز کپڑے بہتر کر ایہ کون لیکر بھینکر اس کے سامنے گیا اور گھر والا تعظیم دیکر یاں اپنے بٹھایا ہو کر کھانا لذیذ دانشمند کے واسطے نکالیا جب دانشمند کھانے پر بیٹھیا تو اسے کپڑے پر اپنے رکھنے لگیا۔ گھر والا پوچھا کس واسطے یوں کرتا ہے۔ دانشمند کہا کل کے روز پورا لے کپڑے پہن کر آیا تھا۔ میں تجھے کھانا نہیں پایا۔ آج کے روز جو کپڑے اچھے رکھا ہوں جانتا ہوں میں اسے کھانا واسطے کپڑے کے ہے۔ میرے واسطے نہیں اور شخص شرمندہ ہو کر عذر خواہی کیا۔

دو مصور

از

اخلاق ہندی

دو مصور اپنے میں کہے جو ہم دونوں تصویراں کھینچ دیکھیں کون بہتر تصویر کھینچتا ہے ایک مصور خوشہ انگور کا نقش کیا ہو اور خوشہ کتیں دروازہ پر لٹکایا۔ اسے دیک کر جانور آئے چو پنچہ سوں مارتے۔ دانہ انگور کے سمج کر لوگان اس تصویر کوں بہت پسند کئے۔ ہو ر لوگ دس کے مصور کے گھر میں جاتے ہو ر پوچھے جو کہاں تصویر کھینچتا ہے تو دوسرا مصور کہا تیجھے اس پردہ کے تصویر لکھتا ہوں۔ مصور اول کا چاہا جو پردہ اٹھاؤں بات پردہ پر رکھا۔ جو پردہ اٹھاؤں معلوم کیا جو پردہ میں ہے بلکہ دیوار ہے جو اپرا اس دیوار کے تصویر کھینچتا ہے۔ مصور دوسرا بولیا توں ایسی تصویر کھینچتا جو جانور کوں دیوانہ کیا ہو ر میں ایسی تصویر کھینچتا ہوں جو مصور کوں دیوانہ کیا۔

۳۳۸

ضمیمہ متعلق باقول

- (قدیم اُردو مصنفین اور اُن کے کارناموں کی تاریخ دار تہر)
- نوٹ:۔ ان تمام ضمیموں میں عیسوی سن لکھے گئے ہیں تاکہ عام طور پر تحقیق کرنے والوں کے لئے آسانی ہو جائے۔
- ۱۔ مسعود سلمان۔ (قریب ۱۱۱۸ء دیوان۔ غیر محفوظ۔)
 - ۲۔ امیر خسرو۔ (وفات ۱۳۲۲ء) چند اشعار۔ تذکروں میں محفوظ ہیں۔
 - ۳۔ عین الدین گنج العلم۔ (وفات ۱۳۹۳ء) چند رسالے۔ کتب خانہ قلعہ سینٹ جارج مدراس میں پائے گئے تھے۔
 - ۴۔ خواجہ بندہ نوازؒ۔ (وفات ۱۱۲۲ھ)
 - (۱) معراج العاشقین۔ مطبوعہ۔ بطور ضمیمہ "اُردو کے قدیم"۔
 - (ب) ہدایت نامہ۔ غالباً موجود نہیں۔
 - ۵۔ شاگرد بندہ نوازؒ۔ (نام اور تاریخ نامعلوم)
 - ہفت اسرار۔ غالباً موجود نہیں۔
 - ۶۔ عبداللہ حسینی۔ (قریب ۱۱۵۹ھ) ترجمہ نشاط العاشقین مخطوط کتب خانہ شیخ سلطان میں محفوظ تھا۔
 - ۷۔ شیخ بہار الدین باجن۔ (وفات ۱۱۵۰ھ)۔ چند اشعار پنجاب میں اُردو میں پیش کئے گئے ہیں۔
 - ۸۔ شاہ علی گام دہنی۔ (وفات ۱۱۶۵ھ) دیوان انجمن ترقی اُردو میں محفوظ ہے۔
 - ۹۔ شیخ خوب محمد۔ (وفات ۱۱۶۱ھ) خوب ترنگ مخطوطہ۔
 - (۱) انڈیا آفس لائبریری۔ نمبرات ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶ اور ۱۰۰۰
 - (۲) انجمن ترقی اُردو۔

(باب اول کی علیہا)

(ب) انڈیا آفس فارسی مخطوطات نمبر ۱۲۔
۲۔ نورس نامہ یا گلزار ابرہیمی۔ معروف بہ تاریخ فرشتہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کی تاریخ۔ ابراہیم عادل شاہ کے حکم سے شہرہ کی گئی۔ مولف محمد قاسم فرشتہ آغاز تصنیف ۱۶۰۶ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم آڈیشنل نمبرات ۶۵۶۹ تا ۶۵۷۱ء۔

۳۔ مرآت سکندری۔ تاریخ گجرات۔ موئفہ اسکندربن منجھو ۱۶۱ھ۔ مخطوطہ۔ برٹش میوزیم ڈیوشل ۲۶۲۶۱۔
۴۔ تذکرۃ الملوک۔ مادل شاہان بجاپور کی تاریخ۔ اُن کے عہد کے آغاز سے ۱۶۱۶ء تک۔ دکن ہندوستان
اور ایران کی معاصر حکومتوں کے بھی حالات لکھے ہیں۔ موئفہ رفیع الدین ابراہیم بن نور الدین توفیق
خیرازی۔ آغاز ۱۶۰۸ء اختتام ۱۶۱۱ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم ڈیوشل ۲۳۸۸۲۔

۵۔ قضا یا سلاطین کن۔ تاریخ دکن۔ ابتداء سے قبضہ اسلام سے ۱۷۴۷ء تک۔ مؤلفہ مرزا جہان شاہ المعروف بہ نظام الدین محمد ہادی۔ مخطوطہ لکھنؤ، یادگار آفس فارسی نمبر ۳۲۹۔

۱۰۰-۶۵۸۰-۱۰۰۰

ضمیمہ نمبر ۲۔ متعلق باب دوم

(دیباچہ پوری مصنفین اور ان کے کارناموں کی تفصیلی فہرست)

- ۱۔ شاہ میراں جی۔ وفات ۱۵۹۸ء۔ (۱) خوش نامہ (۲) خوش نغمہ (۳) شہادت الحقیقت (۴) شرح مغرب القلوب
مخطوطے۔ انجمن ترقی اُردو اور کتب خانہ کلکتہ جامعہ عثمانیہ میں محفوظ ہیں۔
- ۲۔ شاہ برہان۔ (وفات ۱۵۸۲ء) (۱) وصیت الہادی (۲) شفقت الایمان (۳) سکھ ہسیلا (۴) نکتہ واحد (۵) ^{زائچہ} _{نکاح}
(۶) رموز الوصلین (۷) بشارت الذکر (۸) محبت البقا (۹) بیان خلاصہ (۱۰) ارشاد نامہ (۱۱) غزلیں
اور دوہرے۔ مخطوطات انجمن ترقی اُردو میں محفوظ ہیں۔
- ۳۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی۔ (وفات ۱۶۲۶ء) نورس۔ مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نمبر ۱۰۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔
۳۔ حکیم آتش۔ اُردو کلام غالباً موجود نہیں۔
- ۵۔ مرزا اسحاق۔ (۱) ثمنی چند ربدن و اہیار در میان (۱۶۲۵ء) (۲) مخطوطہ (۱) اٹلیا آفس فارسی راہ، اندو
(۲) گوپ خانہ۔ کتب خانہ شاہ اودہ۔ اس پر نگار کنگاگ جلد اول صفحہ ۶۲۵۔
(ب) قصہ سرہار۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔
- ۶۔ امین۔ بہرام دباؤ من (قبل ۱۶۳۹ء) مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشل۔ ۲۶۵۲۸۔
- ۷۔ نوری۔ مراٹی۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ چند اشعار تذکرہ میں محفوظ ہیں۔
- ۸۔ صنعتی۔ قصہ تمیم انصاری (۱۶۴۲ء) مخطوطہ۔ کتب خانہ کلکتہ جامعہ عثمانیہ۔
- ۹۔ رستمی۔ (۱) غاوت نامہ (۱۶۴۹ء) مخطوطہ اٹلیا آفس فارسی م ۸۳۔ اُردو ۳۵۔
(ب) مجہد غزلیات و قصاید۔ مخطوطہ غالباً موجود نہیں۔
- ۱۰۔ ملک خوشنود۔ (۱) ہشت بہشت (در بیان ۱۶۲۶ء) (۲) مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشل۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔

(ب) یوسف زینما مخطوطہ غیر موجود۔

۱۔ دولت۔ بہرام و با تو حین (۱۶۳۹)، مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۸

۱۲۔ علی عادل شاہ عثمانی۔ (وفات ۱۶۶۳) مجموعہ کلام (قبل ۱۶۶۳) مخطوطہ غیر محفوظ۔

۱۳۔ نصر قی۔ (وفات ۱۶۶۴)۔ (۱) گلشن عشق (۱۶۵۶)

مخطوطات۔ (۱) برٹش میوزیم اور نیشنل ۱۰۵۹۔

(۲) اٹلیا آفس فارسی ۲۶۲۱ (۳) باڈلین فہرست قلمی نمبر ۴۲۔

(ب) علی نامہ (۱۶۶۶)

مخطوطات (۱) برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۶۔ (۲) اٹلیا آفس فارسی ۱۰۰۰۔

(ج) گلہ سہ عشق۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ کتب خانہ ٹیپو سلطان میں محفوظ تھا۔ اسٹیوارٹ کنگ لک صفحہ ۱۸۸

۱۴۔ ملک۔ (قریب ۱۶۶۶) شریعت نامہ (۱۶۶۶) مخطوطہ اٹلیا آفس فارسی ۱۲۳۶۔

۱۵۔ شاہ امین۔ (وفات ۱۶۶۶)۔ (۱) تصاید۔

(۱) اپنے والد کی تعریف میں۔ (ب) محمود نامہ۔

(۲) رموز ساکین (۳) نظم وجود (۴) گفتار شاہ امین (۵) گنج معنی (۶) غزلیں اور دوہرے۔

مخطوطات انجمن ترقی اردو۔

۱۶۔ (کشی)۔ (وفات ۱۶۹۶)

(۱) یوسف زینما مخطوطہ جلیہ تک دے و انشن مارگن لائڈیشن سوال۔ نمبر ۶۔

(۲) احسن القصص۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ (۳) دیوان فزلیات۔ مخطوطہ غیر محفوظ

(۴) مراۃ۔ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری۔

۱۷۔ مرزا۔ (وفات قبل ۱۶۶۳)۔ مراۃ۔ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری۔

۱۸۔ ایامی۔ نجات نامہ۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ کتب خانہ شاہ اودہ میں محفوظ تھا۔

۱۹۔ سیموا۔ روضۃ المشاہد (۱۶۸۱) مخطوطہ غیر محفوظ۔

۲۰۔ مومن۔ اسرار عشق۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ جید آباد۔

ضمیمہ نمبر ۱ متعلق باب دوم

(باب دوم کی طبیعت)

- ۱۔ نورسن نامہ یا گلزار ابرہیسی۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۱۔
- ۲۔ تذکرۃ الملوک۔
- ۳۔ فتوحات عادل شاہی۔ تاریخ عادل شاہان از آغاز تا ۱۶۴۳ م۔ مؤلفہ فردنی استر آبادی محمد عادل شاہ کے حکم سے ۱۶۴۳ء میں آغاز ہوا اور ۱۶۴۳ء میں اختتام۔ مخطوطہ برٹش میوزیم، ادیشن ۱۶۴۳ء۔
- ۴۔ محمود نامہ۔ محمد عادل شاہ کے آخر عہد میں اسی کے حکم سے ابتدا کی گئی۔ مؤلفہ ملاظہور ابن ملاظہوری قاضی مخطوطہ۔ ریو کلاگ فارسی۔ جلد اول صفحہ ۳۱۹۔
- ۵۔ احوال بادشاہان بیجا پور۔ بیجا پوری بادشاہوں کے حالات اور تاریخوں کا مجموعہ۔ مؤلفہ میرا برہم بن میر حسین نور اسد غانی۔ در عہد حکومت علی عادل شاہ ثانی۔ مخطوطہ برٹش میوزیم۔ ادیشن ۱۶۴۹ء۔
- ۶۔ تاریخ علی عادل شاہ ثانی۔ علی عادل شاہ کی پیدائش سے راجہ جے سنگھ اور سبوجی کے حملہ اور شکست کے زمانہ تک کے حالات۔ مؤلفہ سید نور اللہ بن قاضی سید علی محمد حسینی۔ مورخہ ۱۶۶۶ء مخطوطہ برٹش میوزیم، ادیشن ۱۶۴۳ء۔ انڈیا آفس۔ فارسی ۳۰۰۶۔
- ۷۔ تاریخ ہفت کرسی۔ عادل شاہیوں کی تاریخ ان کے آغاز سے زوال تک۔ کتاب میں مصنف کے نام کا کہیں پتہ نہیں۔ اگرچہ سہ ورق بغیر کسی حوالہ کے فتور خاں نام لکھا ہوا ہے۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۳۰۵۱۔
- ۸۔ واقعات سلاطین بیجا پور۔ محمود نامہ کا خلاصہ جس میں مؤلف نے سکندر عادل شاہ کے زمانہ تک کے حالات کا اور اضافہ کیا ہے۔ مؤلفہ شیخ ابوالحسن بن قاضی عبدالعزیز بن قاضی تاج محمد۔ مورخہ ۱۶۶۶ء۔

مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۶۹۔

۹۔ قضا مائے سلاطین دکن۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۔

۱۰۔ نسیم شکر ف۔

۱۱۔ احوال سلاطین بیجا پور۔ عادل شاہیوں کی ایک مختصر تاریخ۔ آغاز سے زوال تک۔

مولفہ پیرزادہ غلام محی الدین۔ مورخہ ۱۲۲۱ھ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۶۰۔

۱۲۔ بساتین السلاطین۔ عادل شاہیوں کی تاریخ آغاز سے زوال تک۔ مولفہ محمدہ اہیم زبیری۔ مورخہ ۱۸۲۴ء

مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۶۹۔ انڈیا آفس فارسی ۲۴۰۶۔

۱۳۔ اُردو سے قدیم۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۔

ضمیمہ نمبر ۵ متعلق باب سوم

(گوگلنڈہ کے مغنیں اور ان کے کارناموں کی تفصیلی فہرست)

- ۱۔ فیروز۔ (قریب ۱۵۸۰) کلام موجود نہیں۔
- ۲۔ محمود۔ (قریب ۱۵۸۰) ~
- ۳۔ محمد قلی قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۱۱) مکمل دیوان مخطوط خانگی کتب خانہ اعلیٰ حضرت حضور نظام۔
- ۴۔ وجہی۔ (قریب ۱۶۰۸-۳۵) قطب شتری (۱۶۰۸) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۳۳۲۔
(ب) سب رس (۱۶۳۵) مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔
- ۵۔ احمد۔ (قریب ۱۶۰۰) بیلی بجنوں (قبل ۱۶۱۱) نامکمل مخطوطہ مافض محمد و شیرانی کے یہاں محفوظ ہیں۔
- ۶۔ خدا نسا۔ (وفات ۱۶۵۹) شرح شریعہ تہمید (۱۶۰۰) مخطوطہ انجمن ترقی اردو۔
- ۷۔ محمد قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۲۴) کلیات مخطوطہ کتب خانہ سرالار جنگ۔ چند اشعار محبوب الزمن میں پیش کئے گئے ہیں۔
- ۸۔ شوقی۔ (قریب ۱۶۲۵) کلام انجمن ترقی اردو
- ۹۔ خیالی۔ () ~ ~
- ۱۰۔ عبد اللہ قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۴۲) کلام چند اشعار محبوب الزمن میں پیش کئے گئے ہیں کتب خانہ آغا جہان
- ۱۱۔ غواہی۔ (قریب ۱۶۰۸-۴۹) (۱) سیف الملوک و بدیع الجہاں (۱۶۲۵) مخطوطات برٹش میوزیم اور نیل ۸۶۔ انڈیا آفس فارسی ۲۹۵۔ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر۔
(ب) طوطی نامہ۔ (۱۶۴۹) مخطوطہ ڈوٹیل ۱۰۵۸۹۔
- ۱۲۔ قطبی۔ (قریب ۱۶۳۵) تہذیب النصاب (۱۶۳۵) مخطوطہ کتب خانہ غمیریانی صاحب۔

- ۱۳۔ جنیدی۔ (قریب ۱۶۵۳) ماہ پیکر (۱۶۵۳) مخطوطہ کتب خانہ شیخ سلطان میں موجود تھا۔
- ۱۴۔ ابن نشاطی۔ (قریب ۱۶۵۵) چول بن (۱۶۵۵) مخطوطہ (۱) انڈیا آفس فارسی م ۱۔
- (۲) کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد فہرست جلد دوم صفحہ ۱۵۰۰۔
- ۱۵۔ میراں یعقوب۔ (قریب ۱۶۶۰) نثری ترجمہ شامل الاعتیاء۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔ نمبر تصوف ۶۶۳۔
- ۱۶۔ طبعی۔ (قریب ۱۶۶۰) بہرام دگل اندام مخطوطہ برٹش میوزیم اوڈنیل۔ ۱۰۵۹۰۔
- ۱۷۔ امین۔ (قریب ۱۶۸۰) قصہ ابو شحمہ۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۸۳۲۔
- ۱۸۔ ابوالحسن تانا شاہ۔ (معزول، ۱۶۸۰) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
- ۱۹۔ فائز۔ (قریب ۱۶۸۳) رضوان شاہ در روح الفسز مخطوطات (۱) برٹش میوزیم اور نیل ۲۶۱۶۔
- (۲) کتب خانہ آصفیہ جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۸۔
- ۲۰۔ لطیف۔ (قریب ۱۶۸۴) ظفر نامہ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۳۰۳۶۔
- ۲۱۔ نوری۔ (قریب ۱۶۸۰) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
- ۲۲۔ شاہی۔ (قریب ۱۶۸۰) (۱) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
- (ب) مرتبے کتب خانہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۲۳۔ غلام علی۔ (قریب ۱۶۸۰) پداوت مخطوطہ انڈیا آفس فارسی۔ ۲۶۲۶۔

ضمیمہ نمبر ۱: متعلق باب سوم

(باب سوم کی مہیات)

- ۱۔ نورس نامہ یا گلزارِ ابراہیمی۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲ و ۳۔
- ۲۔ تذکرۃ الملوک۔
- ۳۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی۔ قطب شاہیوں کی تاریخ ابتداء سے ۱۶۱۶ء تک۔ مصنف نامعلوم مورخہ ۱۶۱۸ء
مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشن ۶۵۴۲۔ انڈیا آفس فارسی ۱۶۹۔
- ۴۔ آثار قطب شاہی محمودی۔ عہد محمد قطب شاہ کا ایک تاریخی خلاصہ۔ مولفہ محمد بن عبداللہ نساپوری سورخہ ۱۶۲۸۔
مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۸۴۱۔
- ۵۔ حدیقۃ السلاطین۔ عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ پیدائش سے عہد حکومت کے سولہویں برس یعنی ۱۶۱۶ء
تک مولفہ نظام الدین احمد بن عبداللہ شیرازی الصاعدی مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشن ۶۵۴۲۔
انڈیا آفس فارسی ۲۹۶۸۔
- ۶۔ قضایاۓ سلاطین دکن۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۱۔
- ۷۔ تسنیق شکر۔
- ۸۔ حدیقۃ العالم۔ قطب شاہیوں کی تاریخ اُن کے آواز سے زوال تک۔ مولفہ ابوالقاسم میر عالم بن
رضی الدین موسوی تکمیل بعد ۱۸۰۲ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشن ۲۶۲۵۸۔
انڈیا آفس فارسی ۲۴۲۸۔
- ۹۔ اردو سے قدیم۔ دیکھو ضمیمہ ۲ اور ۴۔

ضمیمہ نمبر متعلق باب چہام

(چوتھے باب کے مصنفین اور ان کے کارناموں کی فہرست)

- ۱۔ افضل۔ (قریب ۱۶۲۶)۔
 (۱) بارہ ماہہ (۱۶۲۶) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۲۴۴۔
 (ب) معجم محبوب جانی (۱۶۰۰) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۷۲۷۔
- ۲۔ حاجیہ۔ (قریب ۱۶۸۹)۔ ملکہ مصر۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۷۲۷۔
- ۳۔ ضعیفی۔ (قریب ۱۶۸۹)۔
 (۱) ہدایت ہندی۔ مخطوطہ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر
 (ب) عشق صادق۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۷۲۷۔
- ۴۔ ایمین۔ (قریب ۱۶۹۸)۔ یوسف زینا۔ مخطوطہ بلیوٹیک نیشنل پیرس۔ ہندوستانی ۸۵۶۔
- ۵۔ ذوقی۔ (قریب ۱۶۹۸)۔ (۱) وصال العاشقین۔ مخطوطہ۔ انجمن ترقی اُردو۔
 (ب) مجموعہ کلام۔ مخطوطہ۔ خانگی کتب خانہ حیدر آباد۔
 (ج) چند اُردو غزلیں۔ مخطوطہ۔ انڈیا آفس فارسی ۳۱۰۸۔
- ۶۔ بحری۔ (۱۷۰۰) من لکن (۱۷۰۱) مطبوعہ بنگلور ۱۸۹۲۔
- ۷۔ بحری (۱۷۰۳) گلشن جن ودل۔ مخطوطہ انجمن ترقی اُردو۔
- ۸۔ احمد گجراتی۔ قریب (۱۷۰۰) مراٹھی۔ مخطوطہ۔ ایڈنبرا یونیورسٹی چند اشعار تذکرہ میں منقول ہیں۔
- ۹۔ ولی ویلوری۔ (قریب ۱۷۰۷)۔ (۱) روضۃ الشہد۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۳۸۰۔
- ۱۰۔ (ب)۔ تن پدم مخطوطہ کتب خانہ شاہ اودہ میں محفوظ تھا۔

- ۱۰۔ اشرف۔ (قریب ۱۱۶۶)۔ (۱) جنگ نامہ حیدر۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈنبرا۔ ۱۰۵۹۔
(ب) مراٹھی۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۱۱۔ جیون۔ (قریب ۱۱۶۲)۔ مفسر نامہ۔ درد نامہ۔ خواب نامہ۔ مخطوطات پنجاب کے خانگی کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔
- ۱۲۔ جعفر۔ (وفات ۱۸۱۳)۔ کلیات۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اورنٹل ۳۰۲۔
- ۱۳۔ ولی اور نکٹ آبادی۔ (قریب ۱۱۶۳) کلیات مصوبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۲ء
- ۱۴۔ شاہ محمد قادری۔ (قریب ۱۱۶۰) دونوں ہی رسالے۔ مخطوطہ حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں۔
- ۱۵۔ سید شاہ میر۔ اسرار التوحید مخطوطہ حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں۔
- ۱۶۔ غلامی گجراتی۔ (قریب ۱۱۶۲۵)۔
- ۱۷۔ مرثیے۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۱۸۔ قادر۔ (قبل ۱۱۶۴۵)۔
- ۱۹۔ مرثیے۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۲۰۔ امامی۔ (قبل ۱۱۶۲۵)۔
- ۲۱۔ مرثیے۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۲۲۔ رضا گجراتی۔ (قریب ۱۱۶۲۵)۔
- ۲۳۔ مرثیے۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۲۴۔ سید گجراتی۔ (قریب ۱۱۶۲۵)۔
- ۲۵۔ مرثیے۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
- ۲۶۔ ہاشم علی گجراتی۔ (وفات بعد ۱۱۶۵۵)۔
- ۲۷۔ دیوان حبیبی (۱۱۶۵۵) مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔

ضمیمہ بر متعلق با چہارم

ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ کی بیاض میں جن مرثیہ نگاروں کا کلام محفوظ ہے ان کی احروف ابجدی کے لحاظ سے ایک فہرست مع تعداد مرثیہ کے یہاں درج کی جاتی ہے۔ اس فہرست میں وہ مرثیہ نگار شامل نہیں کئے گئے ہیں جن کا تذکرہ مقدمہ کے چاروں ابواب میں کہیں نہ کہیں آچکا ہے۔

نمبر شمار	نام مرثیہ نگار	تعداد مرثیہ	نمبر شمار	نام مرثیہ نگار	تعداد مرثیہ	نمبر شمار
۱	اصغر	۱	۱۳	رمضانی	۲	۵۵
۲	افصح	۲	۱۴	مرضی	۹	۸۶
۳	افضل	۱	۱۵	روحی	۵	۴۸
۴	اکبری	۱	۱۶	سور	۱	۱۶
۵	الفی	۱	۱۷	سری	۲	۱۹
۶	بانر	۱	۱۸	سلیمی	۲	۱۹
۷	برہی	۱	۱۹	سیدن	۲	۱۸
۸	بے خبر	۲	۲۰	شرف	۴	۸۶
۹	تراب	۵	۲۱	شہابی	۱	۱۴
۱۰	تقی	۲	۲۲	شیدا	۱	۱۸
۱۱	عمیدی	۱	۲۳	صابر	۱	۵۵
۱۲	درکس	۰	۲۴	صادق	۲	۲۲

۲۵	صالح	۸	۱۲۱	۲۴	کافہ	۱۰	۲۰
۲۶	صوفی	۱	۱۳	۴۵	گل	۲	۲۱
۲۷	طاہر	۶	۱۶۸	۴۶	بتلا	۱	۱۱
۲۸	فیض	۱	۱۱	۴۷	مسکین	۱	۱۱
۲۹	عابد	۱	۱۱	۴۸	سیما	۱	۲۶
۳۰	عارف	۲	۲۹	۴۹	مسح الدین	۲	۱۸
۳۱	عزت	۱	۴۴	۵۰	موالی	۱	۹۴
۳۲	عزالت	۸	۲۰۵	۵۱	موسی	۱	۲۶
۳۳	عطا	۱	۱۷	۵۲	معبر	۱	۲۵
۳۴	عطائی	۱	۱۰	۵۳	کمن	۱	۱۳
۳۵	غظیم	۱	۴۸	۵۴	ندا	۲	۲۹
۳۶	عین الدین	۱	۲۴	۵۵	ندیم	۱۱	۱۵۲
۳۷	غالب	۱	۱۲	۵۶	نظر	۲	۱۲۳
۳۸	غلام	۱	۲۷	۵۷	نصیم	۱	۷
۳۹	فتح	۱	۲۸	۵۸	ہادی	۱	۴۳
۴۰	فصل	۲	۴۸	۵۹	ہوشدار	۲	۸۸
۴۱	تھامیم	۳	۷۹	۶۰	باری	۲	۳۳
۴۲	قربان	۳	۴۰	۶۱	یوسف	۲	۵۶
۴۳	قطب	۴	۵۴				

سنین

اس فہرست میں ادب اردو سے متعلقہ امور کی صرف اس دور کی تاریخیں پیش کی گئی ہیں جن کا اردو شہ پاروں کی موجودہ جلد سے تعلق ہے

-
- ۱۱۹۳۔ محمد غوری کی فتح دہلی پہلی کا مسلم فتوحات ہند کا پایہ تخت قرار پانا۔
 - ۱۲۰۶۔ ایکٹ کی تخت نشینی۔ دہلی کا پہلا سلطان بادشاہ۔
 - ۱۲۹۴۔ علاء الدین کا حملہ دیوگڑھ (دولت آباد) پر۔ شمال کی جانب مسلمانوں کا دکن پر پہلا حملہ۔
 - ۱۲۹۶۔ علاء الدین کی تخت نشینی۔
 - ۱۳۹۶۔ مسلمانوں کی فتح گجرات۔
 - ۱۴۰۴۔ ملک کافور کی فتح ہمارا شہر۔
 - ۱۴۰۶۔ عین الدین گنج العلم کی پیدائش۔
 - ۱۴۰۸۔ ملک کافور کی فتح سلطنت اندھرا۔
 - ۱۴۰۸۔ ملک کافور کی فتح کرناٹک۔
 - ۱۴۱۸۔ خواجہ بندہ نواز کی پیدائش۔
 - ۱۴۴۰۔ دہلی میں حکومت تغلق کی ابتداء۔
 - ۱۴۴۲۔ امیر خسرو کی وفات۔
 - ۱۴۴۳۔ محمد تغلق کی تخت نشینی۔
 - ۱۴۴۸۔ بانیہ گھان دہلی کی طرف ہجرت۔ دولت آباد کا تمام اسلامی مقبرعات ہند کا پایہ تخت بننا۔
 - ۱۴۴۸۔ دکن کا اعلان خود مختاری۔ پہلی سلطنت کی ابتداء۔ حسن گنگو کی تخت نشینی۔

- ۱۳۵۱۔ محمد تغلق کی وفات۔
 ۱۳۵۸۔ حسن گنگو کی وفات۔
 ۱۳۹۴۔ مین الدین گنج اعلم کی وفات۔
 ۱۳۹۸۔ تیمور کا حملہ دہلی۔ خواجہ بندہ نواز کا دہلی سے دکن کی طرف کوچ کرنا۔
 ۱۴۱۳۔ خاندان تغلق کا زوال۔ دہلی میں سیدوں کی حکومت کی ابتداء۔
 ۱۴۲۲۔ خواجہ بندہ نواز کی وفات۔
 ۱۴۴۴۔ سید خاندان کا زوال۔
 ۱۴۵۱۔ دہلی میں لودھی حکومت کی ابتداء۔
 ۱۴۹۰۔ بیجا پور میں عادل شاہی حکومت کا آغاز۔ یوسف عادل شاہ کی تخت نشینی۔
 ۱۴۹۴۔ دہلی میں تغلقہ حکومت کا آغاز۔ بابر کی تخت نشینی۔
 ۱۴۹۶۔ شاہ میراں جی کی وفات۔
 ۱۵۰۶۔ بہار الدین باجن کی وفات۔ (گجرات)۔
 ۱۵۰۸۔ گوکنڈہ میں قلعہ شاہی حکومت کا آغاز۔ سلطان قلی کی تخت نشینی۔
 ۱۵۱۰۔ یوسف عادل شاہ کی وفات۔ اسماعیل کی تخت نشینی۔ (بیجا پور)۔
 ۱۵۲۶۔ بہمنی حکومت کا زوال۔
 ۱۵۳۰۔ بابر کی وفات۔ ہمایوں کی تخت نشینی۔ (دہلی)
 ۱۵۳۴۔ اسماعیل عادل شاہ کی وفات۔ ابراہیم عادل شاہ اول کی تخت نشینی۔ (بیجا پور)۔
 ۱۵۴۳۔ قلی قلعہ شاہ کی وفات۔ جمشید کی تخت نشینی۔ (گوکنڈہ)۔
 ۱۵۵۰۔ جمشید قلی قلعہ شاہ کی وفات۔ ابراہیم ثانی کی تخت نشینی۔ (گوکنڈہ)۔
 ۱۵۵۶۔ ہمایوں کی وفات۔ اکبر کی تخت نشینی۔ (دہلی)
 ۱۵۵۷۔ ابراہیم عادل شاہ اول کی وفات۔ علی اول کی تخت نشینی۔ (بیجا پور)
 ۱۵۶۵۔ شاہ علی گام دہنی کی وفات۔ (گجرات)۔
 ۱۵۷۲۔ گجرات کی اسلامی حکومت کا زوال۔ برار کی علوشاہی حکومت کا زوال

- ۱۵۸۰۔ علی عادل شاہ اول کی وفات۔ ابراہیم ثانی کی تخت نشینی۔ (بیجا پور)۔
 ابراہیم قطب شاہ کی وفات۔ محمد قلی کی تخت نشینی۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۵۸۲۔ ارشاد نامہ شاہ برہان کی تصنیف۔ (بیجا پور)۔
- ۱۵۹۲۔ امولج خوبی (خوب ترنگ کی فارسی شرح) کی تکمیل۔ (گجرات)۔
- ۱۵۹۵۔ برہان مآثر۔ (فارسی تاریخ دکن) مؤلفہ علی بن عزیز اللہ طباطبائی تکمیل۔
- ۱۶۰۰۔ شیخ تہید مصنفہ میراں جی خدا ناک کی تصنیف۔ (گجرات)۔
- نورس پور کی بنار از ابراہیم عادل شاہ (بیجا پور)۔
- ۱۶۰۵۔ اکبر کی وفات۔ جہانگیر کی تخت نشینی۔
- ۱۶۰۶۔ آغاز تاریخ فرشتہ۔ (بیجا پور)۔
- ۱۶۰۸۔ قطب شہری۔ دجہی کی تصنیف۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۶۰۹۔ برہن شاہی سلطنت بید رکازوال۔
- ۱۶۱۱۔ محمد قلی قطب شاہ کی وفات۔ محمد کی تخت نشینی (گوگلنڈہ)۔
- تذکرۃ الملوک (فارسی تاریخ دکن) کی تصنیف۔ مؤلفہ رفیع الدین ابراہیم شیرازی۔ (بیجا پور)۔
- ۱۶۱۳۔ محمد قلی قطب شاہ کے دیوان کی ترتیب۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۶۱۴۔ شیخ خوب محمد کی وفات۔ (گجرات)۔
- ۱۶۱۸۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی۔ (فارسی) کی ترتیب۔
- ۱۶۲۴۔ محمد قطب شاہ کی وفات۔ عبداللہ کی تخت نشینی۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۶۳۵۔ سیف الملوک و بدیع السجال کی تصنیف۔ از غوامی۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۶۴۶۔ بارہ ماسہ کی تصنیف۔ از افضل (شمالی ہند)۔
- جہانگیر کی وفات۔ شاہجہاں کی تخت نشینی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی وفات محمد کی تخت نشینی۔ (بیجا پور)۔
- ۱۶۴۸۔ مآثر قطب شاہی محمودی۔ (فارسی) کی تالیف از محمد بن عبد اللہ شہنشاہ پوری۔ (گوگلنڈہ)۔
- ۱۶۴۵۔ سب رس کی تصنیف۔ از دجہی (گوگلنڈہ) ملک خوشنود بیجا پوری کا سفر گوگلنڈہ سفیر کی حیثیت سے۔

غواصی کا سفر بیجا پور گو لکنڈہ سفیر کی حیثیت سے -

۱۶۳۷ - تحفۃ النصائح قطبی کی تالیف (گو لکنڈہ)

۱۶۳۹ - بہرام دبا نوحسن کی تکمیل از دولت (بیجا پور)

۱۶۴۰ - حدیقۃ السلاطین (فارسی) کی تکمیل از نظام الدین احمد (گو لکنڈہ)

۱۶۴۳ - قصہ تیمم انصاری کی تالیف از صنعتی (بیجا پور)

۱۶۴۳ - فتوحات عادل شاہی (فارسی) کی تکمیل از قزوینی استر آبادی (بیجا پور)

۱۶۴۹ - خاور نامہ رستی کی تصنیف (بیجا پور) طوطی نامہ غواصی کی تصنیف (گو لکنڈہ)

۱۶۵۳ - ماہ بیکر جنیدی کی تصنیف (گو لکنڈہ)

۱۶۵۵ - بھول بن ابن نشاطی کی تصنیف (گو لکنڈہ)

۱۶۵۶ - گلشن عشق نعتی کی تصنیف (بیجا پور) محمد عادل شاہ کی وفات علی شانی کی تخت نشینی (بیجا پور)

۱۶۵۸ - شاہ جہاں کا سفر دل ہونا - اورنگ زیب کی تخت نشینی -

۱۶۵۹ - میراں جی خدا ناک کی وفات (گو لکنڈہ)

۱۶۶۱ - فتح پنا لا نعتی کی مشہور قصیدے کی تصنیف (بیجا پور)

۱۶۶۶ - علی نامہ نعتی کی تالیف (بیجا پور) شریعت نامہ -

شاہ ملک کی تالیف (بیجا پور) تاریخ علی عادل شاہ ثانی (فارسی) کی تالیف از سید نور احمد (بیجا پور)

۱۶۷۰ - بہرام و گل اندام طبعی کی تصنیف (گو لکنڈہ)

۱۶۷۲ - عبد اللہ قطب شاہ کی وفات ابوالحسن کی تخت نشینی (گو لکنڈہ)

۱۶۷۳ - علی عادل شاہ ثانی کی وفات سکندر کی تخت نشینی (بیجا پور)

۱۶۷۶ - شاہ امین الدین اعلیٰ کی وفات (بیجا پور)

۱۶۸۰ - امین کے قصہ ابو شحمہ کی تکمیل (گو لکنڈہ)

۱۶۸۱ - روضۃ الشہداء کا ترجمہ از سیوا (بیجا پور)

۱۶۸۲ - اسرار عشق کی تالیف از موسیٰ (بیجا پور)

- ۱۶۸۳۔ رضوان شاہ و روح افزا کی تصنیف از فائز (گو لکندہ)
- ۱۶۸۴۔ ظفر نامہ کی تصنیف از لطیف (گو لکندہ)
- ۱۶۸۶۔ سلطنت بیجا پور کا زوال سکندر عادل شاہ کی معزولی۔
- ۱۶۸۷۔ سلطنت گو لکندہ کا زوال ابو الحسن قطب شاہ کی معزولی
- ۱۶۸۸۔ یوسف زلیخا کی تالیف از ہاشمی (بیجا پور)
- ۱۶۸۹۔ سراج الدین علی خاں آرزو کی پیدائش (شمالی ہند ملکہ مصر کی تصنیف از عاجز (دکن)
- ہدایت ہند کی تصنیف از ضیعفی (دکن)
- ۱۶۹۷۔ یوسف زلیخا کی تصنیف از امین (دکن) ہاشمی کی وفات (بیجا پور)
- ۱۶۹۸۔ دصال عاشقین کی تصنیف از ذوقی (دکن)
- ۱۶۹۹۔ واقعات سلاطین بیجا پور (فارسی) کی ترتیب از شاہ ابو الحسن مرزا منظر جان جاناں کی پیدائش شاہ ظہور الدین حاتم کی پیدائش۔
- ۱۷۰۱۔ سن لکن کی تصنیف از مجرمی۔
- ۱۷۰۳۔ گلشن حسن اول کی تصنیف از مجرمی۔
- ۱۷۰۷۔ اورنگ زیب کی وفات۔ بہادر شاہ کی تخت نشینی۔ روضۃ الشہداء کی تالیف از ولی۔
- ۱۷۱۶۔ جنگ نامہ حیدر کی تالیف از اشرف دکن، مرزا رفیع سودہ کی پیدائش۔
- سراج اورنگ آبادی کی پیدائش۔
- ۱۷۲۹۔ محمد شاہ کی تخت نشینی (دہلی)
- ۱۷۳۰۔ درد نامہ کی تالیف از جیون۔
- ۱۷۴۲۔ ولی اورنگ آبادی کی وفات۔

فرمانگار

الف	معنی	اردو	اردو - قدیم - ازل	انگ	تنہا، ایک رنگ
الفاظ	لاطم	آدھار	غذا - خوراک	اگن	اگ
اپنڈت	بہت	اڑانا	رونا، دھائیں مار کر رونا	انگ	مست، جانب، چھلانگ
اپک	تعلیم	اندھارا	اندھیرا	امرت پکن	پیٹھے بول
اوران	نفا	آگن، آگن، آگن، آگن	آگ	انتر	راز، بید
بہر	انول، لایت	آل	تری - نمی - سیلابی	انکھیاں	آنکھیں
بول	مرح	اجھو، اجھون، اجھولن	آسو	اجھول کو، اُن کو	اُن کو
سنوٹ	لانڈھب	اُپاسی	روزہ دار، جھوکا	اچل	اچل
آست	تارہ	اُپرال	اوپر - بالا	اوجھڑ	تلوار کی روک یا چھڑ
اگن	مادر	اپس	اپنا، اپنے، باہم، کبھی	اے	بے
الوٹی	خلعت	اتنا صیچہ	رتا ہی، اسی قدر	انیندین	طاری آنکھ
بچار	آسمان	آجانا	انجان	انپڑیا، انپڑیاں	پکڑنا، پکڑیں (موت)
اکہم	آباد	اکھل جانا	پہچان جانا	الودا	الوداع
آکار	پہنایت	اجھول لگ	ابھی تک	اپن	اپنے
انت	ادگایا	اُچھایا	اُٹھایا	اٹوں	اٹھوں
آپا	بے بوج - بے سوج	اُگ	جگہ - مقام	آپیں	آپہی
اوج	غلام	اچرن	تعب - اجنبی	اُچا، اُچانا	اٹھانا
اُپن	آفتاب	اچھو	رہو	ادک	بدی
اجت - اجیت	مشکل	اچھے	رہے	استری	عورت
اوکل	نبایت	آدایاں	آدا کی جگہ	ایتا، ایتی، اتا	ایتا، ایتی
انت	ظلم	آدھک	زیادہ بہت	ایکلی	ایکلی
ادھرم	پیردی	اڑکا	اڑکا	ایکلاج	ایکلاہی
ال	زلف - گیسو	اچن	تھوڑا انداز	اونو	وہ، انہوں نے
اگ	سنی	ایسم	نم، دھما، دھلیف	اونے	وہ، اس نے
ارت	آخر	اکاس	آسمان	ان	انہوں نے

اُن لکھیا -	اہوں نے لکھا -	برس گانٹھ -	ساگرہ	باندھیا -	باندھا
ادھوں -	اتک -	باتے -	باتیں	بٹار -	دھن، لٹیرا
اُپر، اُبار -	اوپر -	بھائی -	گورا دنی	برہ، برھا، پر -	ہجر، فراق
اُساں ساں -	سانس -	بھانے -	بیاہنا	باد بارا -	پریشان، گروہا
ایروپ -	نادر -	بھین -	بھین	بھوکلاٹ -	بوکھلاہٹ، گھبراہٹ
اگھنڈ -	سالم - پورا	بھین - (دھوی)	زمین	بُند -	بوند، قطرہ
اُجالی -	اُچھ، اُالا	بو -	بہن، سہیلی	بارا -	سردی -
بتاؤ -	مسافر -	بگی -	جلدی	بست -	چیز
بکس -	چوتھا -	بوری -	بری	بھان -	حق
بھوک -	بہرہ -	بولاتی -	بلاقی	بتار -	بستر
بیری -	گرداگرد -	بھار -	باہر	بکٹ -	شکل
بھاؤ -	روش -	بھائی -	پڑھائی	بدخ -	بط، بلخ
برنت -	اُدن -	بھون -	گھر
بادک -	آگ -	بھو جگ -	سالا سانپ
بیال -	سانپ -	بھوت -	بہت	بیجلی -	بجلی
بناتی، بنتی -	عرص -	بھوکیاں -	بھوکے	پاگ -	عذاب و ظلم
برن -	لباس -	بادلی -	ابر، بادل	پرکاس -	بکھیرا کرنا
بجمن -	بات، قول -	باراگھاٹ -	شہرورت کے کسی مقام کا نام	پلاس -	روانہ کرنا
بانسی -	بانسری -	باسی -	باشندہ ہے	پھوپ -	خاوند
بالا، بالک -	لڑکا -	باٹ -	راہ	پاپ -	قسنہ دیدار
باتی -	بتی -	باج -	بنیر	پرکتہ -	ظاہر
بین -	بیان -	باتاں -	بات کی جمع	پلیٹ -	متعکس
بسنرا -	بھولنا -	باسک -	سانپوں کا بادشاہ	پانت -	کھا
بزراں -	بعد از اں -	بان -	تیر و خدنگ	پات، پاتاں -	پتا، پتے

ب

پان۔	بھولا	تھے۔	سے	ملنا۔	ملنا
ہت رکنا۔	لانا کرنا۔	توں۔	تو	ہم۔	ذرا
پرم (پریم)۔	مبت	تمن، تھاری۔	تمہاری	ٹھار۔	جگہ
پڑنا۔	پڑنا	تس۔	ہمکی دوسرے	ٹٹاٹٹے، ٹٹا۔	ٹٹکتے، ٹٹا، ہوا
پڑنا۔	پڑا	تروار۔	تلوار	ٹون۔	قسم
پگ، پگن۔	پانوں				
پون۔	ہوا	تدان لگ۔	تب تک	جاتیاں، جاتی، بات۔	جاتیں، جانا
پوکاروگی، پوکار۔	پکاروگی، پکار	تھی، تھی، تہہ، تہہ۔	تجہ	جاں، جاہ۔	کپڑا
پہار۔	پہر، شٹا، دوپہر، سپر	تاریاں، تارے، تاراں۔	تارے	جپا، جپ۔	درد کرنا
	وغیرہ۔	تدھان۔	تب	بتن۔	نگہداشت
پھتر۔	پتھر	ترک۔	مسلمان	جتے۔	جتنے
پٹنگ۔	پر دانہ	تانت۔	پانماں	جداں لگ۔	جبتک
پٹیاں۔	اعتبار کرنا	تسوڑ۔	منہ	جک، جگ، جگت۔	دنیا، زمانہ
پریت، پریت۔	مبت، عشق	ترلوک۔	جن	جھلکاٹ	چک
پی، پیو، پیا، پیتم۔	مشتوق	ترنگ۔	موج	جوانی، جوانی۔	داماد
پیوے۔	پیے	ترہون۔	زمین	جیو۔	جسم و جان
پھولارا۔	پھول بیچنے والا، گل فروش	تارہ۔	جراغ	جیو، آ، جینا۔	زندگی
پچھیں۔	بعد میں	تہیر۔	تاقیم	یالا۔	جال
پیزار۔	جوتی	تالاں۔	تالاب	جل پور۔	پانی کی جگہ، بگھٹ
پکتی ہوں۔	گھلتی ہوں	ترنی۔	تشنیں	جھدر۔	چھری کٹار
		ترنا۔	جوان	جن نے۔	جس نے
تیوچ۔	اسی طرح	تک۔	خلق و اسطرلاب	جو کھنا۔	توڑنا، وزن کرنا
تیراج۔	تیرازی	ٹ۔	ٹٹا	جھاڑ۔	دروخت
تہیں، تے۔	سے	ٹھاؤں، ٹھور۔	جگہ، مقام	جناور۔	بالور
تھیاں، تھیں۔	جمع ہی	ٹھاٹ۔	ساز و سامان	جھال۔	جھپ

ج

ت

جاکرت -
جونا -

ہشیار -
دھونڈنا -
دال -

دشمن -
روی، ایک راتا -

آفتاب -
غیرت -
فون -

ج - ح

چھوڑا یا -
چھوپائی -
چھند -

چھڑا یا -
چھپائی -
چالاکی -

آئینہ -
بلوہ، دیکھنا -
دیکھنا -

پیارے -
شرمندہ ہونا، شکست کھانا -
بخت -
روٹی -

درکس (دشمن) -
اوسنا -
دماے -

آئینہ -
بلوہ، دیکھنا -
دیکھنا -

چھٹکیاں -
چوکرہن -
چندنا -

بوندیں -
دنیا، عالم -
چاندنی یا چاند -

عالم -
دشمن -
دوسرا -

چرن -
چیتتر -

دو ک، دوکھ -
دولارا -
دول، دول لگنا -

غم -
پیارا، عزیز -
آگ لگنا -

پیرہ -
فون -
موسم -
رکھنا -

دولارا -
دول، دول لگنا -
دول، دول لگنا -

غم -
پیارا، عزیز -
آگ لگنا -

چپ -
چیرا -
چج -

یونہی، بلاوجہ -
ایک قسم کی نقش نگری -
بکھیرا -

راکھا -
زمین -
گرگڑ کرنا -

ہیرا -
شوق، انگ -

دھولارا، دھولارا اڑنا -
دھولارا، دھولارا اڑنا -
دھولارا، دھولارا اڑنا -

زمین -
گرگڑ کرنا -
گرگڑ کرنا -

چک -
چارا -
چت، چنت -

چشم -
نقاش -
خیال، فکر -

حرف -
دکھلانے -
چراغ -

ہمیشہ -
کل -
ہزار -

دھیر -
دیکھلانے -
دیوا، دیا -

حرف -
دکھلانے -
چراغ -

چوہیں -
چڑھیا -
جانی، حیات -

چھین -
چڑھا -
عمر -

جسم -
نڈیاں، بانڈیاں -
بگیاں -

سانپ، بھید -
جلا -
خوبی -
گفتار -
آز -
سود -

دھیر -
دھیریاں -
دلی -
تلخی -
خیال -

جسم -
نڈیاں، بانڈیاں -
بگیاں -
گہرا، میس -
سیوٹ -
سرن -

دھیر -
دھیریاں -
دلی -
تلخی -
خیال -

دھیر -
دھیریاں -
دلی -
تلخی -
خیال -

جسم -
نڈیاں، بانڈیاں -
بگیاں -
گہرا، میس -
سیوٹ -
سرن -

مردک۔	انسان۔	سکس۔ سامن۔	مشرجن۔	دوست۔	لیل۔	۱۰۵
بیواں۔	کائی۔	شنا۔	چھوڑ دینا یا گرا دینا۔	کرب۔	انانیت۔	
سمندر۔	سمندر۔ دریا۔	سپنا۔	خواب۔	کوٹ۔	حصہ دار۔	
سورج۔	سورج۔	سنیات۔	جنون۔	کھرک۔	تلوار۔	
شگزام۔	جنگ۔	جھل۔	کھانپ۔	شون۔		
شگات۔	ماتہ۔	شہیا۔	شامیانہ۔	کودال۔	ناداں۔	
شکل۔	زنجیر۔	شنگ۔	زہر۔	کچر۔	گرم اور ابال کاپانی۔	
سلونی۔	تکین۔	طبع۔	سازنی۔	کمن۔	مضبوط۔	
سرجنا۔	پیدا کرنا۔	صافی۔	صاف۔	صفا۔	کونی۔	
سداں۔	ہمیشہ۔	صورت۔	پکڑنا۔	شکل۔	اختیار کرنا۔	کیری۔
سار۔	سری۔	کا۔	طرح۔	مانند۔	ع۔	
سیٹے۔	ہستے۔	عقاج۔	مساہی۔	کیتی۔	کرتی۔	کھتی۔
سینی۔	سے۔	ف۔	کیاں۔	جمع کی۔	شل۔	(انکیاں کتاباں)
سیس۔	سر۔	مہتاب۔	فند۔	کمر۔	کیا۔	کہا۔
سودتی۔	سوتی۔	ق۔	کھنڈلات۔	سکان کے۔	تھے۔	
سونا۔	سنان۔	قلا۔	قلہ۔	قلعہ۔	کھان۔	سودن یا کان۔
سوکے۔	سوکھے۔	کونگی۔	کوں۔	کونگی۔	کوں۔	(کہوں) کہوگی۔
ٹنگھاتی۔	ساتھی۔	ک۔	کنے۔	کے پاس۔	فلش۔	
ٹکی (دکھی)۔	دوست۔	ٹنگ۔	ہنر۔	کٹک۔	کھنک۔	
ٹکن۔	بدقسمت۔	کپٹ۔	باطن۔	کینہ۔	کھنوا۔	(دکھ کی کھنوا) کہانی۔
(سو بھنی بڑی گن بھنی گھڑی یعنی بڑی گھڑی)۔	کال۔	کال۔	دشمن۔	کل۔	جگ۔	موجودہ دنیا۔
ٹکل۔	ب۔	کنت۔	صاحب۔	کنتی۔	کپتی۔	کپتی۔
ٹکے۔	ٹکے۔	ٹاک۔	گندم۔	کٹک۔	کٹک۔	کٹنے۔
ٹدہ۔	کچھ۔	پیش۔	کرا۔	کرا۔	کرا۔	کیا۔
ٹپیں۔	چھی۔	ٹاس۔	قوت۔	کھڑی۔	کھڑی۔	کھڑی۔

کدھال۔	کب گنا۔	نظر آنا۔	ماٹ۔	سے کلاں۔
کبل۔	دستار، سخت سیانے۔	میں، درمیان۔	مرم۔	
کال،	نقطہ، زانہ، تاریک، سیا۔	محبت۔	مارک۔	راہ۔
کھڑے، کھڑا۔	گھر، گھر۔	مور۔	مرگ۔	تنگنوار۔
گ				
گنن۔	آسمان۔	میں۔	نروپ۔	بچہ، صورت۔
گنیرا۔	بہت۔	میں۔	نالی۔	منوالی۔
گنار۔	نہر۔	مانند۔	نار، ناری۔	عورت۔
گیاں۔	عقل، سمجھ، مدہ۔	جھکو۔	نڈ۔	پسر۔
گیانی۔	عقلندہ۔	نہیسی۔	نہیسی۔	دارو۔
گھیسو۔	گھی۔	تجارت۔	نیٹ۔	راہ راست۔
گجری کا جوڑا۔	جوڑے کی ایک کھنٹی۔	موت۔	نرخن۔	پاک۔
گرہ، گرہ۔	قطعہ۔	مہینہ۔	نردار۔	کنارہ۔
گھنٹالے۔	گھونگروں کا لال۔	میٹھا، میٹھے۔	نیر۔	پانی۔
ل - م				
لچ، لاج۔	شرم۔	چہرہ۔	نید۔	نہیں۔
لیکھ۔	من ہرن، موہن، موہنا۔	مشتوق۔	نیارا۔	نہیں۔
لیائے۔	لوائے۔	نادان۔	نوں۔	عجیب۔
لہوا۔	لونا۔	لاپ۔	نوا۔	نیا۔
لوہو۔	لہو، خون۔	نقاب۔	نرک، نرک، نک۔	نزدیک۔
لکھیا۔	لکھا۔	سندپ۔	نمن، نمنے۔	مانند۔
لک۔	لک۔	موافق، مقدار۔	نما۔	زیادتی۔
لالن۔	صفت مشتوق۔	ماہی۔	(فیض کا نام یعنی فیض کی زیادتی)۔	
لیکھ۔	بادل۔	سرداری۔	نس۔	رات۔
لنگ۔	لک۔	تاج۔	ناٹوں۔	نام۔

پاں صاف	پاں	۸-سی	جی - دل
نکسا -	اُبھرا ہے گی -	ہے یدری، یدے -	جی - دل
ہنیچہ -	تہیں ہو -	اور	ادھر دیکھو
نہیں، نہیں، تینا -	آکھ ہت، ہتہ	ہاتھ کیس -	ایک
9	ہا -	ہتا ہے یو، یو -	یہ، اس
دھچ -	دہی، بھول -	آہتہ	
دو، وے -	دہ، ہمن، ہمنہ -	ہمکو	
دیں، دہانچہ -	دہیں ہو، جیسے لہ -	ہوکر	
دیناگر -	آنت (مورتوں کا مارہ ۱۲) ہر د -	دل، جی، سن	

ای

امین شیخ محمد - ۱۴۱۳۳۰۳۰۳۰۳۰۳۰

احمد شاہ - ۱۴

آتش خانم - ۱۴۱۳۳۰۳۰۳۰۳۰۳۰

احمد کیر رفاہی - ۱۴

آزاد بگرائی - ۱۴۰

انجمن ترقی اردو - ۱۴۱۳۳۰۳۰۳۰۳۰

انوار سلطین بی بی پور - ۱۴۱۳۳۰۳۰۳۰۳۰

آرمی کتب خانہ - ۱۴۰

انڈیا آفس لائبریری - ۱۴۱۳۳۰۳۰۳۰۳۰

۴۴۴

آواری - ۱۴۰۱۰۹

۱۴۸۹۸۰۶۸۰۶۸

اردو کے قدیم - ۱۴۶۱۰۴۰۶۸۱۹

ابراہیم جان احمد شاہ - ۱۴

۱۴۴۱۴۰۶۱۰۹۰۶۸

ارسلان بن مسعود شاہ - ۹

ابراہیم سلطان - ۹

۱۴۸۱۳۰۳۰۳۰۳۰۳۰

ارشد نامہ - ۳۳

ابراہیم عادل شاہ اول - ۳۰۶۹۱۳

۱۴۱۱۴۵

ایبوراات جیس - ۱۰۹۱۰۴

ابراہیم عادل شاہ ثانی - ۳۹۲۴۲۳

۱۵۳۱۵۳

اپیزگر - ۱۴۶۱۲۸۰۴۰۳۸

ابراہیم قطب شاہ - ۱۰۴۰۴۳

اردو نگریہ - ۱۴۰۴۹۰۴۵۱۳۸۲۳

۱۶۰۱۴۴۱۴۵

ابراہیم قطب شاہ - ۹۳۸۹۰۸۱

۱۳۵۱۳۰۱۳۰۱۳۵

اسرار التوحید - ۱۴۳

ابن حاتم - ۴۵

۱۴۰۱۳۹۰۱۳۴۰۱۳۶

اسرار عشق - ۴۵

ابن عبد الصمد - ۶۴۶۳۰۶۲

۱۴۹

اسکن برہنہ - ۱۱

ابن شامی - ۹۸۰۹۳۰۸۳۸۲

ایبغی - ۴۴۰۵۳

اسفیل عادل شاہ ثانی - ۲۹۲۴۲۳

۱۰۹۱۰۴۰۱۰۲۰۱۰۱

ایشیا ایک سو ساٹھ بجال - ۱۳۶

اشرف - ۱۴۸۰۱۴۴

۱۱۴۱۴۴۱۴۰۱۴۰

ب

افضل - ۱۲۴۱۲۶۰۹

ابوالحسن تماشہ - ۱۱۴۱۱۶۱۱۳۱۱۲

بارہ ماہ - ۱۲۴۱۲۶۰۱۰۴

اقبال - ۶۵۱

۱۲۳۱۲۱۰۱۲۰

باقر طا - ۳۳

اکبر - ۱۵۱

ابوالحسن شیخ محمد - ۱۴

بحری - ۱۳۹

الفیلی - ۱۰۵

ابوالقاسم مرزا - ۱۳۱

برٹش سیوزیم - ۱۳۰۱۲۶۰۱۱۴۰۴۰

ایبغی - ۱۶۴

ابوالعالی شاہ - ۶۴۰۵۴۰۵۲

۱۴۴

اسراج خوبی - ۱۵

ابوشمہ - ۱۲۶۱۱۵

برهان الدین بانم شاہ - ۳۱۲۹۰۲۸

امیر خسرو - ۱۳۶۱۰۴

احکام الصلوٰۃ - ۶۸

۱۱۰۵۵۶۹۰۳۲

امین - ۵۲۰۴۰۳۰۳۸۰۲۲

احمد - ۱۴۲۱۴۸۰۱۰۱۰۹۸۰۸۶

برهان الدین غریب - ۱۹

۱۱۵۱۱۳۰۱۱۳۰۱۱۳

۱۱۵۸

۱۲۲	حراست خاں نواب -	۱۷۳	تیره مار -	۱۲	برهان شاه
۱۴۵	معین و اخلاصی طا -	۱۹	تیمور لنگ -	۱۰۸'۷۱'۴۴	بساتین السلاطین -
۱۴۱	حمید الدین سامانی -	ک		۳۲	بشارت الذکر -
۳۴	حیدر زهینی مولانا -	۱۳۷	تراش کپتان	۱۲۶	بک کپانی -
۱۰۰'۸۵'۷۳'۲۶	حیدر حسن آغا -	۱۰۷'۶۳'۲۰	شیخو سلطان -	۱۴۵	بلوم هارث -
خ		ج		۱۴۵	یو دین لائبریری -
۱۰	خانی باری -	۱۲۶'۱۲۱'۱۲۰	جامعہ ادبیرا کتب خانہ -	۱۴۷'۱۱	بہادر شاہ -
۱۳۷	خان محمد شاہ -	۱۴۷'۱۴۲'۱۲۷		۱۳	بہادر الدین اجمن شیخ -
۱'۴۹'۴۴'۴۵'۴۲	خاور نامہ -	۱۶۸'۱۵۲'۱۴۸		۱۱۴	بہرام گور -
۶۵'۶۴		۱۴۷	جہاندار شاہ -	۴۹'۴۰'۳۹'۳۸	بہرام و بانو حسن -
۵۱'۴۷'۴۴'۴۳'۴۲	خدیو سلطان -	۱۳۱'۱۳۰'۹	جعفر علی -	۱۱۴'۱۱۳'۵۰	
۱۰۳	خلقی -	۸۲'۸۱'۸۰	جشد -	۱۱۳'۱۱۰'۸۷'۴۹	بہرام و گل اندام -
۳۴	غلیل احمد شاہ -	۱۴۸'۱۴۷	جنگ نامہ -	۱۱۴'۱۱۳	
۱۰۸	قلیل -	۱۰۷'۱۰۱	جنیدی -	۳۲	بیان غلامہ -
۵'۳۳'۲۵'۲۰'۱۹	خواجہ بندہ نواز -	۱۳۱	جون نامہ -	۱۳۶	بلیو تھک نیشنل پیرس -
۱۲۷'۱۱۵'۵۶		۱۲۹'۱۲۸'۹	جیون -	۱۶۰	بغیر -
۱۵'۱۳	خوب محمد -	چ		۱۴۱	بیر احمد شاہ -
۱۵	خوش رنگ -	۱۴۰	چت لگن -	پ	پ
۲۶	خوش تنز -	۳۹'۳۸	چندر بن دیپار -	۱۴۵'۱۴۴'۱۴۳'۱۴۲	پیادوت -
۱۳۳'۱۸	خونہ میر سید -	ح		۱۳۸'۱۲۶'۹۸	پنجابیں اردو -
۱۵۱'۱۰۱	خیلی -	۱۵۹'۱۵۱	حافظ شیرازی -	۱۰۷'۱۰۲'۱۰۱'۹۸'۹۳'۸۳	پھول بن -
د - د		۱۵۱	حالی -	۱۴۴'۱۱۷'۱۱۰'۲۰'۹'۱۰۸	
۴۱	داستان اردو -	۴۲	حبیب اللہ طا -	۱۷۳	تاج رسالہ -
۱۵۳'۱۵۲	دبیر -	۳۹	حجت البقار -	۱۰۶	تحدہ انصالح -
۱۳۱	دربار علی (دوسرا حصہ) -	۱۰۳'۹۵'۴۸'۴۷	حدیقہ السلاطین -	۸۱	تذکرۃ الملوک -
				۷۱	ترجمہ حسن القمص -
				۹۹	تہذیبات معین القضاة -

۱۴۰	سیدی الدین سی -	روقتا الشہدا - ۱۴۵۰ ۱۴۵۱	۱۵۱	درد -	
۷۵	سیوا -	روفتی - ۱۰۳	۱۲۹ ۱۲۸	درد نامہ -	
ش		ریاض الشعراء - ۱۲۶	۱۳۹	دریا قاضی -	
۱۳۰ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۲	شاه راجہ حسینی -	قص	۴۱	دکن میں اردو -	
۱۷۲	شاه محمد -	سالار جنگ بہادر نواب - ۱۰۰	دولت درمزا شاہ ۳۲ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰	دولت درمزا شاہ ۳۲ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰	
۲۸ ۵۲	شاه ملک -	سبحان - ۸۱ ۸۰	۱۲۹ ۱۲۵	دو مجلس -	
۱۱۸ ۸۲ ۴۵	شاه نامہ -	سب رس - ۹۵ ۸۹ ۸۷ ۸۶ ۲۶	۱۲۹ ۱۲۵ ۱۲۴ ۱۲۳ ۱۲۲ ۱۲۱ ۱۲۰ ۱۱۹ ۱۱۸ ۱۱۷ ۱۱۶ ۱۱۵ ۱۱۴ ۱۱۳ ۱۱۲ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰	دو مجلس - ۱۲۹ ۱۲۵	
۱۲۰	شاہی -	۱۴۱ ۱۳۷ ۱۰۵	۱۲۷	دیک بنگ - ۱۲۰	
۱۱۹	شجاع الدین نوری -	سرور - ۱۳۸	۱۳۷ ۵۲ ۲۶	دیوان چینی - ۱۲۹ ۱۲۵ ۱۲۴ ۱۲۳ ۱۲۲ ۱۲۱ ۱۲۰ ۱۱۹ ۱۱۸ ۱۱۷ ۱۱۶ ۱۱۵ ۱۱۴ ۱۱۳ ۱۱۲ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰	دیک بنگ - ۱۲۰
۹۹	شرح شرح تہسید -	سعدی - ۱۰۷	ک	دیوان چینی - ۱۲۹ ۱۲۵ ۱۲۴ ۱۲۳ ۱۲۲ ۱۲۱ ۱۲۰ ۱۱۹ ۱۱۸ ۱۱۷ ۱۱۶ ۱۱۵ ۱۱۴ ۱۱۳ ۱۱۲ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰	ک
۲۶	شرح مرغوب القلوب -	سکندر عادل شاہ - ۱۳۹ ۷۷ ۷۵	۱۲۵	زکا - ۱۲۷	
۶۸	شریعت نامہ -	سکھ سپیلا - ۳۲	۱۲۵	زکا - ۱۲۷	
۳۹	شد عشق -	سلوک - ۱۳۱	۱۳	زکا - ۱۲۷	
۱۴۷	شفیق -	سند شہر پوری - ۳۵	۱۳۸ ۷۹	زکا - ۱۲۷	
۱۱۰	شامل والا تقیہ -	سید ابراہیم - ۱۲	۱۲۷ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰	زکا - ۱۲۷	
۴۶ ۴۹ ۱۹	شہسار قادری حکیم -	سید شاہ میر - ۱۷۳	۶۲	زکا - ۱۲۷	
۱۸	شہسار لکین شیخ -	سید عباس - ۱۳۰	۱۲۸ ۷۹ ۱۶۱ ۱۵۹ ۱۵۷ ۱۵۵ ۱۵۳ ۱۵۱ ۱۴۹ ۱۴۷ ۱۴۵ ۱۴۳ ۱۴۱ ۱۳۹ ۱۳۷ ۱۳۵ ۱۳۳ ۱۳۱ ۱۲۹ ۱۲۷ ۱۲۵ ۱۲۳ ۱۲۱ ۱۱۹ ۱۱۷ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۱ ۱۰۹ ۱۰۷ ۱۰۵ ۱۰۳ ۱۰۱ ۹۹ ۹۷ ۹۵ ۹۳ ۹۱ ۸۹ ۸۷ ۸۵ ۸۳ ۸۱ ۷۹ ۷۷ ۷۵ ۷۳ ۷۱ ۶۹ ۶۷ ۶۵ ۶۳ ۶۱ ۵۹ ۵۷ ۵۵ ۵۳ ۵۱ ۴۹ ۴۷ ۴۵ ۴۳ ۴۱ ۳۹ ۳۷ ۳۵ ۳۳ ۳۱ ۲۹ ۲۷ ۲۵ ۲۳ ۲۱ ۱۹ ۱۷ ۱۵ ۱۳ ۱۱ ۹ ۷ ۵ ۳ ۱ ۰	زکا - ۱۲۷	
۱۰۸ ۱۰۲ ۱۰۱	غوثی حسن -	سید غلام محمد - ۱۷۰	۱۷۹ ۱۷۷ ۱۷۵ ۱۷۳ ۱۷۱ ۱۶۹ ۱۶۷ ۱۶۵ ۱۶۳ ۱۶۱ ۱۵۹ ۱۵۷ ۱۵۵ ۱۵۳ ۱۵۱ ۱۴۹ ۱۴۷ ۱۴۵ ۱۴۳ ۱۴۱ ۱۳۹ ۱۳۷ ۱۳۵ ۱۳۳ ۱۳۱ ۱۲۹ ۱۲۷ ۱۲۵ ۱۲۳ ۱۲۱ ۱۱۹ ۱۱۷ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۱ ۱۰۹ ۱۰۷ ۱۰۵ ۱۰۳ ۱۰۱ ۹۹ ۹۷ ۹۵ ۹۳ ۹۱ ۸۹ ۸۷ ۸۵ ۸۳ ۸۱ ۷۹ ۷۷ ۷۵ ۷۳ ۷۱ ۶۹ ۶۷ ۶۵ ۶۳ ۶۱ ۵۹ ۵۷ ۵۵ ۵۳ ۵۱ ۴۹ ۴۷ ۴۵ ۴۳ ۴۱ ۳۹ ۳۷ ۳۵ ۳۳ ۳۱ ۲۹ ۲۷ ۲۵ ۲۳ ۲۱ ۱۹ ۱۷ ۱۵ ۱۳ ۱۱ ۹ ۷ ۵ ۳ ۱ ۰	زکا - ۱۲۷	
۲۶	شہادت الحقیقت -	شیخ الملک و بدیع الجلال - ۳۹ ۳۸	۱۱۷	زکا - ۱۲۷	
۱۰۷	شیخ احمد -	۱۰۲ ۸۶ ۶۲ ۴۲	۱۵۳ ۱۵۱ ۱۴۹ ۱۴۷ ۱۴۵ ۱۴۳ ۱۴۱ ۱۳۹ ۱۳۷ ۱۳۵ ۱۳۳ ۱۳۱ ۱۲۹ ۱۲۷ ۱۲۵ ۱۲۳ ۱۲۱ ۱۱۹ ۱۱۷ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۱ ۱۰۹ ۱۰۷ ۱۰۵ ۱۰۳ ۱۰۱ ۹۹ ۹۷ ۹۵ ۹۳ ۹۱ ۸۹ ۸۷ ۸۵ ۸۳ ۸۱ ۷۹ ۷۷ ۷۵ ۷۳ ۷۱ ۶۹ ۶۷ ۶۵ ۶۳ ۶۱ ۵۹ ۵۷ ۵۵ ۵۳ ۵۱ ۴۹ ۴۷ ۴۵ ۴۳ ۴۱ ۳۹ ۳۷ ۳۵ ۳۳ ۳۱ ۲۹ ۲۷ ۲۵ ۲۳ ۲۱ ۱۹ ۱۷ ۱۵ ۱۳ ۱۱ ۹ ۷ ۵ ۳ ۱ ۰	زکا - ۱۲۷	
قص		۱۰۹ ۱۰۶ ۱۰۵	۸۱ ۳۳	زکا - ۱۲۷	
۶۶	صلاحت خاں -	۱۲۰	۱۱۰	زکا - ۱۲۷	
۴۴ ۴۲	صنعتی (ابراہیم) -	سید محمد جون پوری حضرت - ۷۵	۶۶	زکا - ۱۲۷	
قص		سید محمد فیاض - ۱۲۲	۳۱	زکا - ۱۲۷	
۱۳۵ ۱۳۲	ضیعی -	سید محمد علی - ۱۳۲	۱۵۳ ۱۵۱ ۱۴۹ ۱۴۷ ۱۴۵ ۱۴۳ ۱۴۱ ۱۳۹ ۱۳۷ ۱۳۵ ۱۳۳ ۱۳۱ ۱۲۹ ۱۲۷ ۱۲۵ ۱۲۳ ۱۲۱ ۱۱۹ ۱۱۷ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۱ ۱۰۹ ۱۰۷ ۱۰۵ ۱۰۳ ۱۰۱ ۹۹ ۹۷ ۹۵ ۹۳ ۹۱ ۸۹ ۸۷ ۸۵ ۸۳ ۸۱ ۷۹ ۷۷ ۷۵ ۷۳ ۷۱ ۶۹ ۶۷ ۶۵ ۶۳ ۶۱ ۵۹ ۵۷ ۵۵ ۵۳ ۵۱ ۴۹ ۴۷ ۴۵ ۴۳ ۴۱ ۳۹ ۳۷ ۳۵ ۳۳ ۳۱ ۲۹ ۲۷ ۲۵ ۲۳ ۲۱ ۱۹ ۱۷ ۱۵ ۱۳ ۱۱ ۹ ۷ ۵ ۳ ۱ ۰	زکا - ۱۲۷	

خزانه انگل - ۹	عبدالمجید خاں لواب - ۱۲۴	ط
غلام احمد علی احمد - ۱۲۲	عبدالقادر سردری - ۷۰	طبقات نامری - ۱۸
غلام محی الدین پیرزاده - ۷۱'۵۲'۲۵	عبدالقادر نورسی - ۳۴	طبعی - ۱۱۳'۱۱۱'۱۱۱'۸۷'۲۹
غلام علی - ۱۲۳'۱۲۲	عبدعالم - ۱۳۲	۱۱۳'۱۱۳
غلام تفتی - ۵۲	عروس عرفان - ۱۳۹	طوطی نامری - ۱۰۶'۱۰۵'۱۰۴'۸۶
غلامی - ۱۷۰'۱۶۶'۱۵۷	عزیز - ۳۸	۱۱۰'۱۰۹
خواصی - ۷۶'۴۸'۳۹'۰۸	عشرتی - ۱۴۰	ظ
۹'۹۳'۸۹'۸۷'۸۶	علاؤالدین غلمی - ۱۷۰'۱۶۰'۱۱	ظفر نامری - ۱۱۸
۹'۹۶'۱۰۵'۱۰۴'۱۰۱'۹۵	علی اکبر ضیدی - ۱۰۷	ظفر نامری نظام شاه - ۱۰۳
۱۱۷'۱۱۰	علی علی خاں ولادغستانی - ۱۲۶	ظهور - ۴۲
غوث اعظم محبوب سبحانی - ۱۳۷	علی عادل شاه اول - ۵۰'۴۳'۳۹'۳۰	ظهوری نامری - ۴۲'۳۴'۳۴
ف	علی عادل شاه ثانی - ۵۱'۵۲'۵۳	غ
فال نامری - ۱۳۱	۵۸'۵۷'۴۳'۴۴	عاجز - ۱۳۲
فائز - ۱۱۶	۶۷'۶۸'۷۱'۷۳	عادل نامری - ۳۷
فتوحات عادل شاهی - ۳۶	۷۵'۷۵'۷۵'۷۵	عیار اشعرا - ۱۴۲
فرخ میر - ۱۳۱'۱۳۱	علی کام دهنی شاه - ۱۵۱'۱۴	عبدالله بن محمد سبانی - ۹۹
فردوسی - ۴۵'۴۵	علی محمد حیرشاه - ۱۵	عبدالله حسینی - ۲۰
فرشته ابوالقاسم - ۳۴	علی محمد خاں - ۱۱	عبدالله قطبشاه - ۳۸'۳۸'۳۸'۳۸
فضل الدین حافظ - ۱۶۳	علی نامری - ۵۷'۵۸'۵۹'۶۰'۶۱	۷۵'۷۵'۷۵'۷۵
فورت سنت جارج کالج - ۱۹	۶۵'۶۷	۹۹'۱۰۱'۱۰۳'۱۰۴
فیروزشاه - ۸۲'۸۳'۸۴'۸۵'۸۶'۸۷'۸۸	عزیز فیضی - ۱۰۶	۱۰۵'۱۰۷'۱۰۹'۱۱۱'۱۱۳
فیروزشاه حسینی - ۱۹'۱۹'۱۹	عنایت جنگ بیاد نواب - ۴۴	۱۳۶
فیروزشاه تفتی - ۱۷۰'۱۱	عین الدین گنج العلم - ۱۸	عبدالجبار گیلانی - ۱۰۳
فیض - ۴۱'۹۹	غ	عبدالحق سکریشی راجن ترقی اندوکار گیلانی
ق	قالب - ۱۵۱'۱۵۰	۲۶

۱۲	۹	مردی -	۷۰	لھار شاہ امین -	۱۵۷۱۵۶۱۷۳۱۵۳	قادر -
۹۹۹۹۹۱۰۳۱۰۳	۳۵	محمد قطب شاہ -	۳۵	گلدرت بیجا پور -	۱۷۱۱۶۶۱۶۱۱۵۸	
۸۹۱۸۲۱۴۷	۱۲۱	محمد قلی قطب شاہ -	۱۲۱	گلشن حسن دول -	۱۵۹۱۴۷۱۴۲۱۴۱	قائم -
۹۰۹۱۰۰۹۲۱۹۲				گلشن عشق -		قصہ ابو نعیم -
۱۰۸۱۰۱۰۹۲۱۸۲		محمدود -				قصہ بی بی مریم -
۱۳		محمدود بیگم -				قصہ حضرت تیمم انصاری -
۱۱		محمدود شاہ اول -		گلشن خضی -		قصہ و قدر -
۴۸۱۱۲۹۱۲۸		محمدود شیرانی -		ل		قطب مشتری -
۱۱		محمدود غزنوی سلطان -				
۲۲		محمدود نامہ -		باب الباب -		
۱۷۱۱۴۱		مخزن نکات -		سان الملک -		
۱۱		مرات سکندری -		لطیف -		قلبی -
۱۱		مرات احمدی -		پیلانچون -		قلی خاں شاہ -
۱۳۱		مرثیہ عالمگیر -		م		قلی قطب شاہ سلطان -
۱۰۱۴		مسعود سلمان -		ماہ پیکر -		قصہ -
۱۸۱۷۱۲		مصطفیٰ شاہ -		مجموعہ مرثیاتی دیوان -		کار نے ایم و بلیو سیر -
۱۰۷		منظر جان جاناں مرزا -				کام بخش شہزادہ -
۲۰۱۴		سراج العاشقین -		محبوب الزمن -		کریم اللہ قاضی -
۱۳		سوز الدین -		محبوب عالم -		کلمات الحق -
۱۹		معین الدین چشتی -		محمد افضل قادری -		کلیات دلی اورنگ آبادی -
۲۸۱۳۷۱۳۴		مقیس مرزا مقیم -		محمد توفیق سلطان -		کلیہ جامعہ عثمانیہ (کتابخانہ) -
۱۵۷۱۵۱۱۴۱۴				محمد حسن لا -		کمال الدین بیانی -
۱۶۶۱۶۶۱۶۸				محمد عادل شاہ -		کمال محمد سیستانی -
۱۱۹۱۱۷		محمد شاہ ثلث -				گ
۱۷		محمد شاہ ثانی -				گ

دلی ویلوری ۱۲۲'۱۵۰'۱۵۸'۱۶۱

۱۱۷'۱۵۵'۷۴'۷۱

ملک خوشنود - ۲۳'۲۴'۲۵'۲۸

ه

نصیر الدین چراغ دہلوی - ۱۹'۱۰۶

۱۰۵'۶۴'۴۱

ہشتم علی - ۱۲۲'۱۵۲'۱۵۶'۱۶۶

نصیر الدین ہاشمی - ۴۱

ملک قحی - ۲۴

۱۷۸'۱۷۱

نظام الدین اولیا - ۱۹

ملک کافور - ۱۶

ہاشمی - ۱۵۲'۷۱'۷۲'۱۵۵

نظام الدین احمد - ۳۸'۸۷'۵۴

ملک محمد جاشی - ۱۲۲'۱۲۵

ہدایت - ۱۳۲'۱۳۵

نظام الملک - ۲۴

منصور رسولی کی کہانی - ۱۳۷

ہشت بہشت - ۲۸'۴۹'۴۴

نظام حضور - ۸۵

منفعت الایمان - ۳۲

ہفت اسرار - ۲۰

نظامی - ۱۰۷

سن گلن - ۱۳۹'۱۴۰

ی

نظم وجود - ۶۹

منہاج الدین قاضی - ۱۸

قیم احمد - ۱۲۲

نکتہ واحد - ۳۲

مولانا روم - ۴۵

یوسف زلیخا - ۸'۷۱'۷۳'۱۳۶

نور احمد شاہ - ۲۴'۵۷'۵۸'۶۳

سوسن - ۷۵

یوسف عادل شاہ - ۲۲'۲۳'۲۴'۲۵

نورس - ۳۲'۳۵

چرواہہ شنوی - ۱۱۹

یوسف شاہ راجو قتال - ۱۹

نوری - ۴۱'۱۱۹

میر - ۳۹'۶۱'۱۵۱

یوسف شیخ دہلوی - ۱۰۶

نیرورین - ۱۴۰

میراجی شاہ - ۲۵'۶۶'۳۲

و

۳۳'۶۹'۷۹'۱۲۸

دارش علی - ۲۹

۱۲۹'۹۹

دجی - ۸۲'۸۳'۸۴'۸۸

سیسر یعقوب - ۱۱۰

۸۹'۹۰'۹۱'۱۰۴

میر حسن - ۱۱۲

۱۰۵'۱۰۶'۱۱۷'۱۲۱

میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ - ۱۰۲

ن

وجہ الدین شاہ - ۲۶

نجات نامہ - ۷۴

وحدۃ الوجود - ۱۷۳

ندیم - ۱۵۳

وصال العاشقین - ۱۳۷

نصیر الکلام - ۳۲

وصیت الہادی - ۳۲

نشاط العاشقین - ۲۰

دلی اورنگ آبادی - ۱۳۵'۱۴۷'۱۴۹'۱۵۰

نصرتی - ۳۹'۵۱'۵۲'۶۷

۱۵۵'۱۶۰

